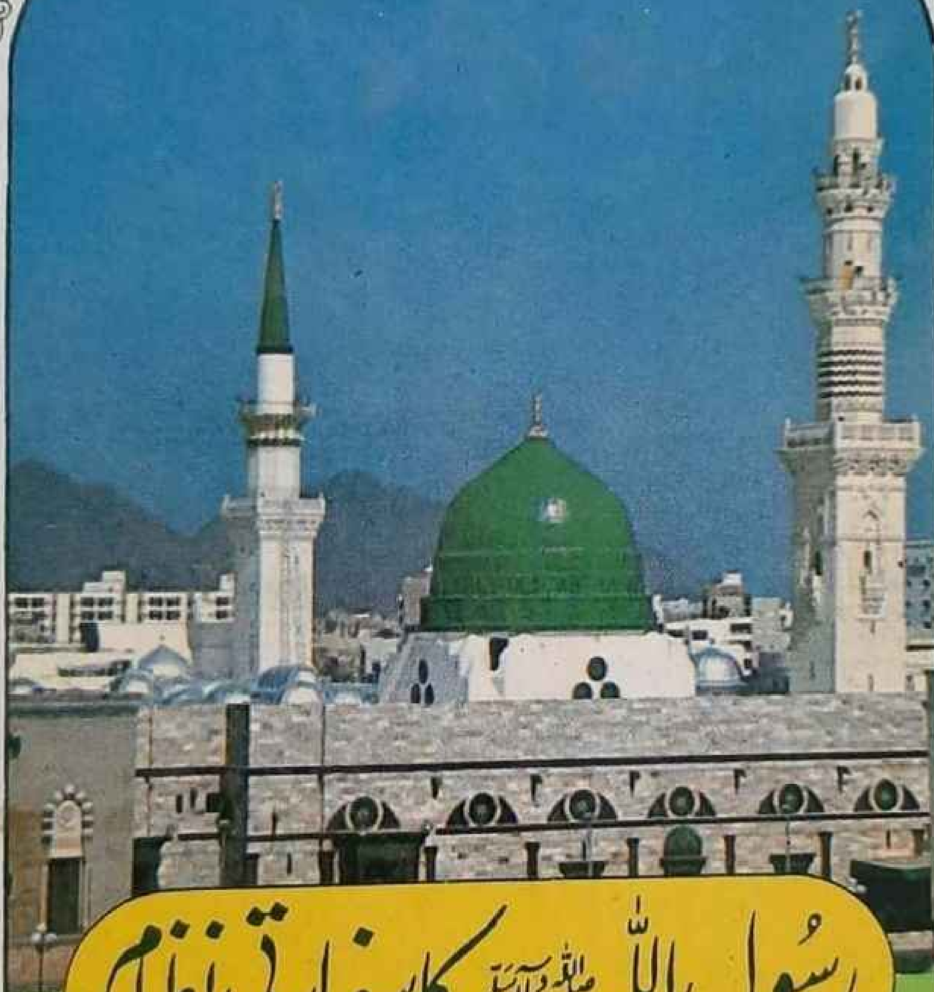


رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سفارتی نظام

ڈاکٹر حافظ محمد یونس

دار العرفان

۲۲۵۔ ڈی بلاک، سیٹلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی

نام کتاب: رسول اللہ ﷺ کا سفارتی نظام

نام مصنف: ڈاکٹر حافظ محمد یونس

صدر شعبہ علوم القرآن والحدیث ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔

طبع اول: ایک ہزار۔ اپریل ۱۹۹۶ء

باہتمام: حافظ محمد احمد ندیم، محمد عامر فہیم۔ ناظمین دارالفرقان (۴۲۱۲۲۶)

کمپوزرز: حافظ محمد احمد صدیقی

اے۔ اے۔ پرنٹرز، لاہور (۵۴۱۴۳۸۶)

مطبع: علوم شرعیہ پرنٹرز۔ لاہور

ناشر: دارالفرقان۔ راولپنڈی

۲۲۵۔ ڈی سیٹلائٹ ٹاؤن

قیمت: ۱۹۰/= روپے

★ ★ ★ ★ ★ ★ ★ ★ ★ ★

انتساب

★

والدہ مرحومہ کے نام :-

★

جن کی پرسوز و دردمند شخصیت،

گہرا دینی ذوق اور سچی حبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اس مقالہ کی تالیف کا باعث بنی ۔

★ ★ ★ ★ ★ ★ ★ ★ ★ ★

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ محمد و آلہ واصحابہ اجمعین

پیش لفظ

انسان کی رشد و ہدایت، راہنمائی اور فلاح و بہبود ہر زمانے میں دو ہی ذرائع سے عمل میں آئی ہے۔ ایک اللہ کا کلام، دوسرے انبیاء علیہم السلام کی شخصیتیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے نہ صرف اپنے کلام کی تبلیغ و تعلیم اور تفہیم کا واسطہ بنایا، بلکہ اس کے ساتھ عملی قیادت و راہنمائی کے منصب پر مامور کیا، تاکہ وہ کلام اللہ کا ٹھیک ٹھیک منشا پورا کرنے کے لیے انسانی افراد اور معاشرے کا تزکیہ کریں اور انسانی زندگی کے بگڑے ہوئے نظام کو سنوار کر اس کی بہتر تعمیر کریں۔

قدیم زمانے کی طرح اب اس جدید دور میں بھی انسان کی ہدایت و راہنمائی کے وہی دو ذرائع ہیں جو ازل سے چلے آرہے ہیں۔ ایک خدا کا کلام، جو اب صرف قرآن پاک کی صورت میں مل سکتا ہے۔ دوسرے اسوۂ رسول اللہ ﷺ، جو اب صرف محمد عربی ﷺ کی سیرت پاک میں محفوظ ہے۔

قرآن تو اصول و قوانین کا مجموعہ اور ضابطۂ حیات ہے، جب کہ محمد عربی ﷺ کا اسوۂ حسنہ اس کی عملی تصویر ہے، اس لیے حضور ﷺ کی حیات طیبہ بہترین اور کمال ترین نمونہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی بات کو قرآن مجید میں واضح کردیا کہ: "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوة حسنة" (سورۃ الاحزاب آیت ۲۱). (بے شک اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی ذات میں تمہارے لیے بہترین نمونے ہیں)۔

بقول سید سلیمان ندویؒ:

"ایک شخصی زندگی، جو ہر طائفہ انسانی اور ہر حالت انسانی کے مختلف مظاہر اور ہر

قسم کے صحیح جذبات اور مکمل اخلاق کا مجموعہ ہو، صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی شخصیت ہے" (خطبات مدراس، ص ۱۰۷)۔

حضور ﷺ کی شخصیت جامع صفات و کمال ہے۔ آپ ﷺ اگر روحانی و باطنی پہلو کے اعتبار سے انسانی تصور سے بھی بالامقام پر ہیں، تو آپ ﷺ نے عرفانِ الٰہی اور قرب ذات کے نقطہ معراج پر کھڑے ہو کر مادی و سیاسی زندگی کی تنظیم و تربیت بھی فرمائی۔ اس سے آپ ﷺ کی نیابتِ الٰہی کی صحیح جھلک نمایاں ہے۔ اس لیے ایک مومن زندگی کے ہر موڑ پر ہر لحظہ آپ ﷺ کا محتاج ہے۔ لہذا ایک اسلامی معاشرے میں وحی و الہام کی راہنمائی اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کی قیادت سے انسانی زندگی کا کوئی گوشہ باہر نہیں رہ سکتا۔ جو پیغمبر ﷺ، طہارت و تیمم سے لے کر نکاح و طلاق کے معاملات میں انسانوں کی راہنمائی کرتا ہے، وہی پیغمبر ﷺ ان کو سفارت کے طور طریقے اور سیاست کے اصول بھی سکھاتا ہے۔

اگر بغور دیکھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس ہستی نے کتنی تگ و دو کر کے مدینہ کے مختلف عناصر کو چند ماہ کے اندر اندر دستوری معاہدہ کے تحت جمع کیا، کس عرق ریزی سے اردگرد کے قبائل سے حلیفانہ تعلقات قائم کیے، کس مہارت سے مٹھی بھر مسلمانوں کے بل پر ایک مضبوط فوجی نظام قائم کیا، کس کاوش سے قریش کی تجارتی شاہراہ کی ناکہ بندی کرلی، کس عزیمت کے ساتھ قریش کے خنجر برّاں کا مقابلہ کیا، کس زیرکی سے یہود اور منافقین کی سازشوں کی کاٹ کی، کس مہارت سے صلح حدیبیہ کا معاہدہ باندھا، کس ہمت سے یہود کے مراکز فتنہ کی بیخ کنی کی، کس بیدار مغزی کے ساتھ بے شمار شر پسند قبائل کی علاقائی شورشوں کی سرکوبی کی اور کس عظمت و شوکت کے ساتھ شاہان عرب و عجم کو اسلامی سلطنت و مملکت کے ساتھ تعلقات استوار کرنے اور اس کے زیر نگیں آنے کی نہ صرف دعوت دی، بلکہ پورے یقین و اعتماد کے ساتھ ان سے یہ بھی منوالیا کہ مستقبل میں اگر کوئی تحفظ و امان کی جگہ

ہے تو وہ صرف ریاست مدینہ کی اطاعت و فرماں برداری ہی میں مضمر ہے۔

جناب نبی اکرم ﷺ کے سفارتی پہلو کی اسلامی و دینی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ ایک غیر جانبدار مؤرخ اس حقیقت سے یقیناً اتفاق کرے گا کہ رسول اللہ ﷺ انسانی تاریخ کی وہ پہلی بین الاقوامی شخصیت ہیں، جنھوں نے بین الملی، بین الریاستی اور بین الاقوامی تعلقات کو مرتب و منضبط کرنے کے لیے نہ صرف جامع اصول دیئے بلکہ ان اصولوں کی بنیاد پر خود بھی اس زمانے کی معاصر ریاستوں سے بین الاقوامی سطح پر تعلقات بھی رکھے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس کائنات کی سب سے بڑی ہستی تھی اور آپ ﷺ میں کونین کی سعادتیں جمع کردی گئی تھیں۔ صحابہ کرامؓ کے عہد سے لے کر اب تک نہ معلوم کتنی کتابیں سیرت طیبہ کے موضوع پر ان سعادتوں کو اجاگر کرنے کے لیے لکھی جاچکی ہیں اور قیامت تک نہ معلوم کتنی اور کتابیں لکھی جائیں گی مگر بایں ہمہ جس طرح ہم آج تک قدرت خداوندی کے اسرار اور رموز نئے نئے انداز میں اجاگر کرنے میں کوشاں رہے ہیں۔ اسی طرح محمد رسول اللہ ﷺ کی، کونین کی سعادتوں کی حد کو اجاگر کرنے میں ہمارے ذہن و قلم جانفشانی کر رہے ہیں۔ اس لیے کہ قدرت آپ ﷺ کی ہر پیش کردہ سعادت پر نئی نئی حقیقتوں کی رونمائی کرکے صداقت کی نئی نئی مہر لگارہی ہے اور آنے والا ہر دن اپنی نئی نئی کرنوں سے آنے والے مصنف اور سیرت نگار کے لیے نئی روشنی بخش رہا ہے اور ان کو آگے بڑھا رہا ہے۔

اس اعتراف عجز کے ساتھ کہنا یہ ہے کہ اس کتاب کا تعلق جناب محمد ﷺ کی سیرت طیبہ کے صرف اس پہلو سے ہے کہ:

۱۔ حضور ﷺ کی بعثت عمومی تھی اور آپ ﷺ کے ذمہ عالمی مشن کی عالمی دعوت کا فریضہ تھا۔

۲۔ اور اس فریضہ کو آپ ﷺ نے اپنی رسالت کی زندگی کی اولین فرصت میں ایک

دن کی بھی تاخیر کیے بغیر یا فرصت کے ایک لمحہ کو ضائع کیے بغیر کس خوبی اور احسن طریق سے انجام دیا۔ یعنی عالمی مشن کی عالمی دعوت کے لیے سلاطین کے نام آپ ﷺ نے خطوط لکھے اور سفراء روانہ کیے اور ایک مثالی عالمی نظام ترتیب دیا۔

چونکہ رسول اللہ ﷺ اور اسلامی نظام سفارت کا بنیادی مقصد صرف اسلامی تحریک کا فروغ اور اعلائے کلمتہ اللہ تھا، اس لیے حضور ﷺ نے بہ نفس نفیس اور آپ ﷺ کے سفراء نے بلا خوف و خطر اور بلا تامل پورے وثوق اور کامل یقین کے ساتھ تحریک اسلامی کے داعی کی حیثیت سے فرائض سفارت انجام دئیے تھے، سفارت کا فریضہ انجام دینے میں نہ تو کسی قسم کی کوتاہی کی اور نہ کسی قسم کی تنگی محسوس کی اور نہ ہی اس بات کی پروا کی کہ مخالفین اس کا کیسا استقبال کریں گے۔ وہ بگڑتے ہیں، مذاق اڑاتے ہیں، رخنہ اندازی کرتے ہیں یا دشمنی میں اور زیادہ سخت ہوتے ہیں، انہوں نے کسی بات کی پروا کیے بغیر پورے خلوص، لگن اور محبت کے ساتھ اپنے مشن کی تکمیل اور اپنے مقصد کے حصول کے لیے کسی قسم کی سستی یا کمزوری کا اظہار نہیں ہونے دیا، بلکہ صحیح اور دو ٹوک بات کہہ کر اپنے موقف پر سختی سے عمل پیرا ہوئے۔ ان کی اس جرأت و دلیری اور بے باکی پر اکثر اوقات دیگر حکومتیں حیران و ششدر رہ جاتی تھیں۔ انہوں نے نہ تو کبھی بے جا خوشامد و چاپلوسی کی اور نہ ہی تحفے تحائف کا سہارا لے کر پر فریب عہد و پیمان کیے۔ بات مختصر مگر جامع و مانع، انداز بیان ایسا جس میں صداقت و راست بازی کا بھرپور مظاہرہ، طرز تکلم پر وقار، متانت اور سنجیدگی کا عمدہ نمونہ، گفتگو صاف اور واضح، ریا سے بالکل پاک اور منزّہ، تاثیر ایسی کہ سیدھی دل پر اثر کرے۔

حضور اکرم ﷺ نے سلاطین کے نام جو خطوط اور مکتوبات لکھے، ان سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے دنیا میں کس طرح کا ذہنی و فکری اور عملی انقلاب برپا کیا، انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے کیا کیا اصول وضع کیے، تمدن و معاشرت کو کن راہوں پر ڈالا اور انسانیت کے فطری تقاضوں کی کس انداز سے تکمیل فرمائی۔ اس تعلیم کی بدولت دنیا کی

ایک جاہل و پسماندہ قوم عملی، روحانی، اخلاقی اور سیاسی اعتبار سے سب سے زیادہ بالیدہ اور بالغ نظر قوم بن گئی اور ایک ایسا معاشرہ وجود میں آگیا جس میں خدا پرستی و حقوق شناسی، تقویٰ و پرہیزگاری اور نیکی و ہمدردی کے جملہ اوصاف حسنہ بدرجہ اتم پائے جاتے تھے۔

چشم فلک نے انسانی تاریخ میں یہ حیرت انگیز انقلاب صرف ایک مرتبہ دیکھا ہے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات پر، جن کی جھلک ان خطوط و فرامین میں بھی ملتی ہے، عالم انسانیت اگر صدق دل سے عمل پیرا ہوجائے تو یہ انقلاب بار دیگر بھی جلوہ گر ہوسکتا ہے۔ یہ خطوط انفرادی اور اجتماعی دونوں لحاظ سے اپنے اندر بڑی اہمیت اور ہمہ گیر افادیت رکھتے ہیں اور ہر زمانے میں ہر فرد و بشر کے لیے مشعل راہ اور شمع ہدایت ہیں۔ یہ خطوط فصاحت و بلاغت کا انتہائی کمال ہیں کہ اتنے کم الفاظ سے اتنے وسیع معانی حاصل ہوں۔

سفراء کا انتخاب کرتے ہوئے رسول اکرم ﷺ نے یہ احتیاط کی کہ ہر حکمران کی طرف اس کی زبان جاننے والا سفیر نامزد کرکے روانہ کیا اور ہر حکمران کو مخاطب کرتے وقت اس کے مذہب اور اس کے مخصوص حالات کو پیش نظر رکھ کر مختلف عبارتیں تحریر کروائیں، آپ ﷺ کی تحریرات میں کمال درجے کا ایجاز ہے جو حضور ﷺ کی سیاسی بصیرت اور ذہنی برتری کی ایک اعلیٰ ترین دلیل ہے۔ آپ ﷺ نے جدید ڈپلومیسی سے کام لیتے ہوئے ایسے جچے تلے الفاظ استعمال کیے جن میں مدعا بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی اہمیت اور حیثیت کا اظہار بھی کردیا تاکہ ان فرماں رواؤں کو یہ معلوم ہوجائے کہ انکار اور اہمیت نہ دینے کی صورت میں کیا کیا اثرات مرتب ہوسکتے ہیں۔

اگرچہ حضور ﷺ کے ہر پہلو پر تحقیق نگاروں اور مؤرخین کی لاتعداد تصنیفات و تالیفات کا ذخیرہ موجود ہے۔ جس میں محمد عربی ﷺ (امی و ابی فداہ) کی زندگی کے ہر گوشہ کو آفتاب و ماہتاب کی طرح روشن کرکے رکھ دیا ہے۔ اس طرح سیرت طیبہ کے بین الاقوامی پہلو پر بھی دوسری صدی ہجری ہی سے الگ الگ کتابیں آنے لگی تھیں تاہم واقدی کی کتاب

"المغازی" کو اس سلسلہ کتب میں بلا خوف تردید اولیت کا مقام دیا جاسکتا ہے۔ انہوں نے مختلف غزوات نبوی ﷺ کے سیاسی پس منظر اور ان کے زیر اثر پیش آنے والے بین الاقوامی تعلقات کے بارے میں مفید اور قابل قدر معلومات جمع کی ہیں، بعد میں ہر زمانے کے اہل علم، سیرت کے اس پہلو سے بحث کرتے رہے ہیں۔ زمانہ حال کے مصنفین میں محترم جناب ڈاکٹر حمید اللہ نے جہاں سیرت نبوی ﷺ کے بہت سے گوشے بے نقاب کیے ہیں۔ وہاں انہوں نے سیرت کے بین الاقوامی پہلو کو بھی اپنی تحقیقات کا موضوع بنایا ہے۔

علاوہ ازیں اس موضوع پر جتنی بھی کتابیں شائع ہوئیں، ان میں یا تو اس موضوع کے کسی ایک پہلو سے بحث کی گئی ہے یا ضمناً آنحضرت ﷺ کی بین الاقوامی سیاست اور سفارتی تعلقات کا ذکر آگیا ہے۔ اس لیے ضرورت تھی کہ خالص علمی اور تحقیقی نقطہ نظر سے کوئی ایسی کتاب مرتب کی جائے جس میں رسول اکرم ﷺ کی "سفارتی زندگی کو ابتداء سے لے کر انتہا تک مربوط، تحقیقی اور تحلیلی مطالعہ کا موضوع بنایا جائے۔ امید ہے کہ زیر نظر کتاب اس ضرورت کو (ان شاء اللہ) بہت حد تک پورا کردے گی۔ کیونکہ آج تک اس موضوع پر ایسی مربوط اور جامع کتاب اردو میں موجود نہیں ہے۔

یہ کتاب "رسول اللہ ﷺ کا سفارتی نظام" در اصل میرا وہ مقالہ ہے، جو میں نے "جامع پنجاب لاہور" میں پیش کیا تھا اور جس پر مجھے "پی ایچ ڈی" کی ڈگری کے اعزاز سے نوازا گیا تھا۔ مقالہ کا موضوع "رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کا سفارتی نظام "منظور کیا گیا تھا۔ "خلفائے راشدینؓ کا سفارتی نظام" کے عنوان سے میری ایک الگ سے مستقل کتاب انشاء اللہ بہت جلد شائع ہو رہی ہے۔

اس علمی و تحقیقی کام کی تکمیل پر میں اپنے قابل احترام احباب اور رفقائے کار پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی، پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد غازی، پروفیسر ڈاکٹر محمد میاں صدیقی کا ممنون احسان ہوں جن کی توجہات کریمہ میرے شامل حال رہی ہیں۔

کتاب کی تصنیف میں جن کتب کے اقتباسات نقل کیے گئے ہیں ان سب کا حوالہ ہر باب کے آخر میں دیا گیا ہے۔ اور کتابیات الگ سے آخر میں درج کردی گئی ہیں۔ اس لیے تحقیق کا پہلو پوری طرح نمایاں ہے۔ جہاں جہاں ضروری سمجھا گیا وہاں نقشوں اور وثیقہ جات کی مدد سے پوری صحت اور عمدگی سے مواد کو مزین کیا گیا ہے۔

میں نے انداز بیان کو عام فہم، سادہ، شگفتہ، منزّہ اور دلکش بنانے میں پوری کوشش کی ہے۔ مجھے امید ہے کہ ان شاء اللہ قارئین کرام کی دلچسپی کا باعث ہو گی۔

چونکہ کتاب کے خطوط محققانہ ہیں، جن میں عصری رجحانات کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے اس لیے اس کی افادیت کا دائرہ بھی وسیع کردیا گیا ہے، اور اسے اطمینان اور خوشی کے ساتھ غیر مسلموں کے حلقوں میں بھی پہنچایا جا سکتا ہے اور تعلیم یافتہ مسلمان بھی اس کے ذریعے اسلامی افکار و نظریات کی تبلیغ کرسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مقبول عام بنائے اور اس کے ذریعے ملت کو عروج اور بھٹکی ہوئی قوموں کو ہدایت حاصل ہو۔ (آمین)

وما توفیقی الّا باللّٰہ

ڈاکٹر حافظ محمد یونس

سابق صدر شعبہ علوم القرآن والحدیث

ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

اپریل: ۱۹۹۶ء

ذی القعدہ: ۱۴۱۶ھ

فہرست عنوانات

پہلا باب

دوسرا باب

تیسرا باب

چوتھا باب

پانچواں باب

چھٹا باب

...ا تواں باب

آٹھواں باب

فہرستِ مصوّرات (نقشے اور وثیقہ جات)

پہلا باب

- * سفارت، مفہوم اور ذمہ داریاں
- * عہد قدیم میں سفارت کے مقاصد
- * عہد جدید میں سفارت کے مختلف ادوار
- * سفیروں کے حقوق اور فرائض
- * اسلامی سفارت کاری کے زریں اصول
- * اسلامی نظام سفارت اور دیگر نظامہائے سفارت میں فرق

پہلا باب

سفارت، مفہوم اور ذمہ داریاں

سفارت

اس کا مادہ سفر ہے جس کے معنیٰ "پردہ اٹھانے" کے ہیں اور یہ اعیان کے ساتھ مخصوص ہے جیسے

"سفرالعمامة عن الرأس، الخمار عن الوجه" [۱] (اس نے سر سے پگڑی اور چہرے سے پردہ ہٹادیا)۔ سفر کے معنیٰ کھولنے کے بھی آتے ہیں جیسے

"سفرت المرأة وجهها اذا كشفت النقاب عن وجهها" [۲]. (عورت نے اپنا چہرہ کھولا جب اس نے نقاب کو اپنے چہرے سے دور کیا)

اور اسی سے ہے:۔ "سفرت بين القوم اسفر سفارة اى كشفت مافى قلب هذا وقلب هذا لاصلح بينهم" [۳] (میں نے لوگوں کے درمیان سے پردہ اٹھادیا اور سفر کیا اور جو کچھ ان کے دل میں تھا، اسے کھول کر رکھ دیا تاکہ ان کے درمیان صلح کرادوں۔)

حضرت علیؓ کے اقوال میں سے ہے کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا کہ:

"انّ الناس قد استسفرونی بينک وبينهم اى جعلونى سفيرا، وهوالرسول المصلح بين القوم يقال سفرت بين القوم اذا سعيت بينهم فى الاصلاح" [۴]. (لوگوں نے مجھے آپ کے اور اپنے درمیان سفیر بننے کے لیے کہا ہے، یعنی انہوں نے مجھے سفیر بنایا ہے اور سفیر، ایلچی وہ ہے جو لوگوں کے درمیان صلح کرانے والا ہو، کہا جاتا ہے، میں نے لوگوں کے

درمیان سفر کیا، جب کہ میں نے ان کے درمیان اصلاح کی کوشش کی۔)

السفارۃ

"قوم کے درمیان اصلاح یا صلح کی کوشش کرنا"[۵]۔

عربی میں سفیر کو رسول لکھا جاتا ہے جیسے مقریزی نے لکھا ہے کہ:

"بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رسلہ الی الملوک بکتبہ" [٦]

(رسول اللہ ﷺ نے اپنے رسول یعنی قاصد اپنے خطوط دے کر بادشاہوں کے پاس بھیجے۔)

نبی کریم ﷺ نے خود بھی سفیر کو "رسول" لکھا ہے جیسا کہ منذر بن ساویٰ کو لکھا۔

"ان رسلی قداثنوا علیک خیراً" [۷] (میرے رسولوں اور قاصدوں نے تمہاری بہت اچھی تعریف کی ہے۔)

دونوں عبارتوں میں "رسول" سے مراد سفیر اور قاصد ہے۔ نبی کریم ﷺ کے جتنے بھی سفیر دوسری حکومتوں کے بادشاہوں کے پاس جاتے تھے تو یہی کہتے تھے:

"انا رسول رسول اللہ" (میں رسول ﷺ اللہ کا سفیر اور قاصد ہوں)

چونکہ پیغمبر، فرشتے اور آسمانی کتابیں لوگوں پر حقائق کا انکشاف کرنے میں باہم شریک ہیں۔ اس لیے ان سب کو سفیر کہتے ہیں[۸]۔ قرآن مجید میں ہے:

"اللہ یصطفی من الملائکۃ رسلا و من الناس" [۹] (اللہ تعالیٰ فرشتوں اور لوگوں میں سے جن کو چاہتا ہے رسول چن لیتا ہے) اور ان سے اپنی سفارت کا کام لیتا ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: "وارسلناک للناس رسولا"[۱۰] (اور ہم نے آپ ﷺ کو لوگوں کے لیے رسول ﷺ بنا کر بھیجا ہے۔)

السفیر

الف: اس فرستادہ کو کہا جاتا ہے جو بھیجنے والے کا مقصد واضح کرتا اور فریقین سے

منافرت دور کرنے کی کوشش کرتا ہے(۱۱)۔ یعنی وہ بھیجنے والے کے موقف کی وضاحت کرکے فریقین کے درمیان کشیدگی کو ختم کرنے اور دوستی پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

ب: "قوم کے درمیان صلح کرانے والا"، اس اعتبار سے کہ وہ دونوں فریقوں کے دل کی بات کو باہر نکال کر معاملہ صاف کرادیتا ہے(۱۲)۔

ج: حکومت کا نمائندہ جو کسی دوسری حکومت کے صدر مقام میں سکونت پذیر ہو، اس کو اپنے ملک کی طرف سے مکمل اختیارات حاصل ہوتے ہیں کہ اہم معاملات میں دوسری حکومت سے گفت وشنید کرے۔ اس کو وہاں کے بادشاہ یا صدر مملکت سے ملاقات کا حق رہتا ہے۔ جس ملک میں وہ مقیم ہوتا ہے وہاں کے قوانین سے وہ اور اس کے عملہ کے ارکان بالاتر سمجھے جاتے ہیں(۱۳)۔

سفیر

۱۔ ترکی زبان میں ایلچی کو کہتے ہیں، یہ ایلچی خواہ کسی علاقے کی طرف سے ہو، اقوام کی طرف سے ہو یا کسی حکومت کی طرف سے۔ اور اس میں جملہ پیشہ وارانہ صلاحیتیں موجود ہوں(۱۴)۔

۲۔ ترکی کی بعض کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایلچی کا معنیٰ "حکمران" بھی ہے یا "حکمران کو خصوصی امتیازات سے نوازنا" تاہم عہد اول سے تواتر کے ساتھ اس کے معنی "سفیر" یا "قاصد" ہی کے ہیں(۱۵)۔

۳۔ بسااوقات اس کے معنی خفیہ دستاویز بھی لیے گئے ہیں اور مذہبی خیالات کی "عکاسی کرنے والا" بھی لیا گیا ہے(۱۶)۔

السفرة

اس سے مراد تحریر بھی ہے۔ لسان العرب میں ہے:

"السفرة کتبة الملائکة الذین یحصون الاعمال" [۱۷] (ان فرشتوں کی تحریر جو اعمال کا اندراج کرتے ہیں) اس سے مراد فرشتے بھی ہیں۔

ابن عرفہ کہتے ہیں:

"سمیت الملائکة سفرة لانهم یسفرون بین اللہ وبین انبیاءہ" [۱۸] (فرشتوں کو اس لیے سفرہ کہاجاتا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے نبیوں کے درمیان سفر کرتے ہیں)

ابو بکرؒ کہتے ہیں: "سموا سفرة لانهم ینزلون بوحی اللہ وباذنه ومایقع به الصلاح بین الناس. فشبهوا بالسفراء الذین یصلحون بین الرجلین فیصلح شأنهما" [۱۹] (فرشتوں کو "سفرہ" اس لیے کہاجاتا ہے کہ وہ اللہ کے حکم سے اس کی وحی اور لوگوں کے درمیان اصلاح پذیر باتیں لے کر نازل ہوتے ہیں۔ ان کو سفیروں کے ساتھ بھی مشابہت ہے جو دو آدمیوں کے درمیان صلح کراتے ہیں، تو ان کا معاملہ درست ہوجاتا ہے۔)

اس سے مراد وہ فرشتے بھی ہیں [۲۰] جنہیں دوسری جگہ "کراماً کاتبین" [۲۱] (عالی قدر لکھنے والے) کہا گیا ہے۔

قرآن مجید میں ہے: "بایدی سفرة کرام بررة" [۲۲] (ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں رہتے ہیں کہ وہ بزرگ اور نیک کردار ہیں)

السفر

اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں حقائق کا بیان ہو۔ گویا وہ حقائق کو بے نقاب کرتی ہے [۲۳]۔

سفارت

یہ اس قسم کی خدمت تھی کہ جب اہل قریش کسی دوسرے عربی قبیلہ سے جنگ کرتے اور اس سے صلح کی گفتگو کرنا چاہتے تو کسی سفیر کو بھیجتے تھے اور اگر کوئی خاندان کسی

قسم کا فخر جتانے کے ساتھ ان سے منافرت کرتا تو سفیر ہی کو کشیدگی دور کرنے والا بناتے اور اس کے حکم کو تسلیم کرتے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں قریش کے سب سے آخری سفیر حضرت عمرؓ بن خطاب تھے جو اسلام لانے تک اس عہدے پر مامور رہے[۲۴]۔

سفارتی شعبہ

کسی ملک کی حکومت میں سول سروس کا وہ شعبہ جس کا منصب دوسرے ملکوں کی برسراقتدار حکومتوں سے دوستانہ تعلقات استوار کرنا ہوتا ہے، سفارتی شعبہ کہلاتا ہے[۲۵]۔

چونکہ پہلے صنعتی انقلاب سے مادی ترقی کے تمام شعبے متاثر ہوئے اور مواصلات کے ساتھ نقل و حمل کے ذرائع بھی بہتر سے بہتر ہوگئے۔ جس سے معاشرتی زندگی میں جمود ہو کر رہ گیا۔ ریاستوں اور قوموں کے رابطہ کی سہولتیں عام ہو گئیں۔ لیکن اسی کے ساتھ ہی نئے معاشی تقاضوں نے نت نئے مسائل پیدا کردیئے۔ آئے دن مفادات کے ٹکراؤ سے مسائل سامنے آتے تھے، ان کے حل کے تمام ممکنہ طریقوں کو بروئے کار لایا جانے لگا۔ اس لیے فنِ سفارت میں بھی وسعت پیدا ہوئی اور یہ ہر ریاست کا مستقل ادارہ بن گیا[۲۶]۔

سفارت کے لیے متعدد اصطلاحات

۱۔ ایلچی

عثمانی ترکوں کے زمانے میں ایلچی ایک عام لفظ ہوگیا جو انگریزی زبان میں "Ambassador" اور عربی اصطلاح میں "سفیر" کے معنوں میں استعمال ہونے لگا[۲۷]۔

۲۔ ڈپلومیسی

سفارت کو انگریزی زبان میں "Diplomacy" کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کے معنی "The management of international relation by negotiation." ہیں[۲۸]۔

الف: (ڈپلومیسی گفت وشنید کے ذریعے بین الاقوامی تعلقات کا طریقہ کار ہے)

ب: "المنار" میں ڈپلومیسی کے بارے میں لکھا ہے:

"دبلوماسية" تلطف وكياسة فى معاملة الناس، حسن التأنى "[۲۹] (لوگوں کے معاملہ میں عقل مندی اور مہربانی کا اظہار کرنا، عمدہ طریق سے ملنا)۔

ج: "American people's Encyclopaedia" نے ڈپلومیسی کا معنی یوں لکھا ہے[۳۰]۔

" Diplomacy the art of conducting the inter course and adjusting the mutual relation of nations."

(ڈپلومیسی اقوام کے آپس میں باہمی معاملات کے تعلقات کا ایک فن ہے)

د: انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں لکھا ہے[۳۱]:۔

"A little examination will show that Diplomacy though closely associated with international law is a separate sphere of intellectual exertion".

(ایک مختصر تجزیہ ظاہر کرتا ہے کہ ڈپلومیسی کا اگرچہ بین الاقوامی قانون کے ساتھ بہت قریبی رابطہ ہے، تاہم وہ ذہنی کاوش کی ایک الگ شکل ہے)

ر: ریاستوں کے درمیان جنگ کے بجائے باہمی گفت وشنید کے ذریعے معاملات طے کرنے کے طریقہ کار کو ڈپلومیسی کہا جانے لگا[۳۲]۔ لیکن ابتدائی طور پر اس میں یہ خامی تھی کہ یہ خفیہ معاہدوں، خفیہ اتحاد وجارحیت کے غیر ذمہ دارانہ بلکہ دھوکہ دہی کے خطوط پر چلایا گیا۔ جس سے اس لفظ کو بین الاقوامی تعلقات میں ایک خاص مدت تک اچھے معنوں میں استعمال نہیں کیا جاتا تھا۔ بلکہ اس کو دھوکہ دہی کا علم کہا جاتا تھا اور انیسویں صدی تک سفیر کو ایک دیانتدار کاذب سمجھا جاتا تھا جو اپنی ریاست کے مفادات کا تحفظ کرتا ہے[۳۳] لیکن آہستہ آہستہ کھلی گفت وشنید، واضح شرائط کی بنیاد پر معاہدات واتحاد کے طریقوں نے ڈپلومیسی کو

ترقی دے کر آج کے حالات میں ریاستوں کے درمیان تعلقات میں ایک خاص مقام دے دیا ہے اور سیاسی نظام عمل میں اب اس لفظ کو مخصوص اہمیت کا حامل سمجھا جاتا ہے[۳۴]۔

ڈپلومیسی کا لفظ کب استعمال کیا گیا؟

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ہے:

"The word diplomacy was first used in English so late on 1796 by Burke"[۳۵].

(انگریزی میں ڈپلومیسی کا لفظ سب سے پہلے ۱۷۹۶ء میں برک نے استعمال کیا تھا)

سفارت اور ڈپلومیسی

تاج العروس نے سفارت کے معنی "قوم کے درمیان اصلاح یا صلح کی کوشش کرنا" اور سفیر کو "قوم کے درمیان صلح کرانے والا" یعنی "دونوں فریقوں کے دل کی بات کو باہر نکال کر معاملہ کو صاف کرادیتا ہے[۳۶]،" بیان کیا ہے۔ تقریباً اس سے ملتا جلتا معنی آکسفورڈ انگلش ڈکشنری میں "Diplomacy" کا لکھا گیا ہے۔ یعنی ڈپلومیسی گفت وشنید کے ذریعے بین الاقوامی تعلقات کا طریقہ کار ہے"[۳۷] "وہ طریقہ کار جس کے تحت ریاستوں کے درمیان تعلقات قائم کیے اور برقرار رکھے جاتے ہیں" یا "وہ طریقہ کار جو سفیر یا سفارتی نمائندے معاملات میں فنی طور پر استعمال میں لاتے ہیں وغیرہ"[۳۸]۔

کئی سال پہلے برطانوی سفیروں کی رہنمائی کے لیے آرنسٹ اسٹو نے ایک کتاب "A Guide to Diplomatic Practice" لکھی تھی جو عرصہ دراز تک برطانوی سفارتی عملہ میں مقدس حیثیت رکھتی تھی۔ آرنسٹ نے لکھا ہے:۔

"ڈپلومیسی ذہانت اور مہارت کے اس استعمال کو کہتے ہیں جو ریاستوں کی حکومتوں کے مابین سرکاری تعلقات کے معاملے میں عمل میں لائی جاتی ہیں"[۳۹]۔

ڈپلومیسی کے مفہوم کے معاملے میں بعض ماہرین اکثر خارجہ پالیسی کو بھی اس میں ملا لیتے ہیں، حالانکہ خارجہ پالیسی ریاستوں کے درمیان تعلقات کا متبادل ہوتی ہے جب کہ ڈپلومیسی دراصل وہ طریقہ کار ہے جو اس پالیسی پر عمل درآمد کے لیے جاری رہتا ہے[۴۰]"۔

خارجہ پالیسی ریاست کے ذمہ دار افراد بلکہ حکمران بناتے ہیں اور اس پر عمل ڈپلومیسی کے ذریعے ہوتا ہے۔ تاہم خارجہ پالیسی کے طور پر ڈپلومیسی کا مقصد ملکی سالمیت کا تحفظ پر امن ذرائع سے کرنا ہوتا ہے۔ لیکن اگر جنگ ناگزیر ہوجائے تو یہ فوجی قوت میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ جس کی مثال دونوں جنگوں کے دوران طریقہ کار سے لی جاسکتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ بات پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی ہے کہ سفارت اور ڈپلومیسی تقریباً ہم معنی ہیں۔

سفارت کی اہمیت و ضرورت

سفارت کا عہدہ ایام قدیم سے چلا آرہا ہے یعنی جب سے تہذیب و ثقافت اور ریاستی امور و قوانین وضع کیے گئے ہیں، اس عہدہ کا پھریرا قصرِ سیاست پر پوری آب و تاب سے لہرا رہا ہے۔ یونانی، روسی، ایرانی اور چینی سیاسیات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے ہاں عہدہ سفارت موجود تھا۔ زمانہ جاہلیت میں جب عرب معاشرتی لحاظ سے مختلف گروہوں، جماعتوں اور قبیلوں میں منقسم رہے اور ان میں صدیوں پرانی رقابتیں اور دشمنیاں چلی آرہی تھیں، تب بھی وہ اصلاح احوال اور حل تنازعات کے لیے سفارت پر یقین رکھتے تھے اور اپنے قبیلے سے سفارت کے لیے اس شخص کا انتخاب کرتے جو طلاقت لسان، فصاحت و بلاغت، ہمت و جرأت، تہور و شجاعت اور معاملہ فہمی میں یکتائے روزگار ہوتا۔ اسلام کی آمد سے پہلے سفارت کے فرائض حضرت سیدنا فاروق اعظمؓ کے سپرد تھے[۴۱]۔

یہ بات واضح ہے کہ انسان ہمیشہ اپنی معاشرتی زندگی کے مفادات کے حصول کی خاطر باہمی تعاون و اتحاد کے جذبے کو فروغ دینے کے لیے کوشاں رہا ہے۔ شروع میں انسانی زندگی

بہت محدود تھی۔ اس لیے معاشرے کا دائرہ چند نفوس اور خاندانوں پر مشتمل تھا۔ لیکن آہستہ آہستہ زندگی کا یہ قافلہ قوموں کی شکل اختیار کر کے زمین کے مختلف خطوں میں آباد ہو گیا اور اپنے زیرِ اقتدار خطۂ زمین پر تسلط قائم کر کے ریاست و حکومت کی داغ بیل ڈال دی۔ زندگی کی مادی و غیر مادی ضروریات کی تکمیل میں جب وسائل اس خطہ میں پوری طور پر میسر نہ آئے تو اپنی حدود کے باہر بھی ان کے حصول کی کوششیں شروع کی گئیں۔ جس سے بہرحال دوسری قوموں اور ریاستوں پر اثر ناگزیر تھا۔ اس لیے مفادات کے اس ٹکراؤ نے تنازعات کھڑے کیے۔ رنجشوں میں اضافہ کیا، اختلافات کو ہوا دے کر دشمنوں میں شدت پیدا کی۔ لڑائی جھگڑوں سے معاملے مکمل جنگوں کی شکل اختیار کرتے رہے۔ قوت کے استعمال کی تباہی کے نتائج سے سبق حاصل کر کے انسان نے "کچھ لو" اور "کچھ دو" کے طریقہ کار کو جنم دیا اور اختلافات کی بنیاد بننے والے وسائل و مفادات میدانِ جنگ کے علاوہ گفت و شنید کے ذریعہ بھی طے کیے جانے لگے۔ معاہدات میں شرائط طے ہوتی رہیں اور یہ احساس ہر آن ترقی پذیر رہا کہ مفادات کے حصول میں حق، ضرورت اور اعتدال کی راہوں کو اپنائے بغیر زندگی کا یہ نظام نہ آگے بڑھ سکتا ہے اور نہ ہی ترقی کر سکتا ہے۔

ہم جب انسانی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہر دور کے تقاضوں کے مطابق ریاستوں اور حکومتوں کے اختلافات کی وجوہات ان کی شدت اور ان کا ردِ عمل، قوت اور عدمِ قوت دونوں صورتوں میں نظر آتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ قبائل کے اختلافات سے جو جنگ شروع ہوئی تھی، وہ سینکڑوں نہیں ہزاروں بلکہ لاکھوں جارحانہ و پُر امن مراحل سے گزر کر ہم تک پہنچی ہے۔

ہمارے سامنے بے شمار ایسی مثالیں موجود ہیں کہ کسی ایک ریاست نے اپنے مفادات کے حصول کی خاطر دوسری ریاست پر جنگ مسلط کر دی یا دورانِ جنگ بھی ایسے مواقع آئے کہ جنگ بند کرنے کے لیے باہمی شرائط پر اتفاق ہو سکے یا جنگ کے بعد ہارنے

اور جیتنے والوں کے درمیان معاملات کا واضح تعین کرنے کے لیے شرائط طے کی جا سکیں۔ ان تمام صورتوں میں گفت و شنید کی خاطر بعض افراد کو بحیثیت نمائندہ اور سفیر دوسرے حکمرانوں کے پاس بھیجا جاتا تھا جن کو نہ صرف ہر قسم کا تحفظ حاصل ہوتا تھا بلکہ انہیں بہت سی مراعات بھی دی جاتی تھیں۔ یہ سفیر اور پیغام رساں مسلمہ ذہانت اور مہارت تامہ کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ قابل اعتماد بھی ہوتے تھے انہیں اپنی حکومتوں کی طرف سے ہر قسم کے اختلافی معاملات کو نپٹانے اور مفادات کے حصول کی خاطر طریقہ کار پر بات چیت کرنے کا کلی اختیار حاصل ہوتا تھا[۴۲]۔ تاریخ میں ایسے بے شمار واقعات ملتے ہیں کہ ان مخصوص افراد کو ریاستوں کے درمیان اختلافات کے تقاضوں کے پیش نظر امن اور جنگ کی صورت میں معاملات طے کرنے کے لیے بھیجا جاتا تھا اس کی مثالیں قدیم یونان کی شہری ریاستوں میں تعلقات کے دوران، قدیم ہندوستان، چین اور مصر کی بادشاہتوں سے دوسرے ممالک کے روابط کے دوران اور رومی سلطنت سے دوسری ہم عصر حکومتوں کے تعلقات وغیرہ کے دوران ملتی ہیں[۴۳]۔

رومیوں نے تو ایسے معاملات طے کرنے کے لیے مذہبی راہنماؤں کی ایک جماعت مخصوص کر رکھی تھی جو صلح وامن کی شرائط طے کرتی تھی[۴۴]۔ اسلامی ریاست کے ابتدائی دور میں خود حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی زندگی میں دوسری ریاستوں سے معاملات طے کرنے کے لیے نمائندے بھیجے جاتے تھے اور دوسری ریاستوں کے نمائندوں کو اپنے ہاں مدعو کیا جاتا تھا۔ معاہدات کی شرائط طے کرنے میں دونوں طرف سے ان نمائندوں کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں۔ صلح نامہ حدیبیہ کی شرائط طے کرنے کا معاملہ اس کی ایک اعلیٰ ترین مثال ہے[۴۵]۔ بہرحال یہی نمائندے آگے چل کر سفیر کہلائے[۴۶]۔ انہی کی بدولت ریاستوں کے درمیان تعلقات کو ایک مؤثر ذریعہ تسلیم کر لیا گیا۔

قرون وسطیٰ میں یورپ میں کلیسا اور بادشاہت کے درمیان اقتدار کی کشمکش کی طویل

جنگ جاری تھی اس وقت اگرچہ مذہبی اور اعتقادی جنون نے مصلحت کی راہوں میں جذباتیت کو داخل کردیا تھا لیکن پھر بھی سفیروں کی آمدورفت برابر جاری رہی۔ اس سلسلے میں خاص بات یہ ہے کہ چونکہ زمانہ قدیم اور عہد وسطیٰ میں آمدورفت کے ذرائع محدود تھے اور مواصلات کا نظام بالکل فرسودہ بلکہ نہ ہونے کے برابر تھا اس لیے اس طرح کے سفیروں کی ضرورت صرف کسی تنازعہ کی صورت میں پیش آتی تھی یا زیادہ سے زیادہ امن کے زمانہ میں خیرسگالی کا جذبہ ابھارنے کے لیے ایسے لوگ تحفے تحائف وغیرہ دے کر بھیجے جاتے تھے۔ لیکن ان کی کوئی مستقل حیثیت نہیں ہوتی تھی۔

عہد قدیم میں سفارت/ڈپلومیسی کے مقاصد

عہد قدیم میں سفیروں کا مقصد صرف نامہ و پیام پہنچانا ہی نہیں ہوتا تھا کہ وہ ہر بات کو اس پیغام میں ظاہر کردیں بلکہ سفارت میں کئی مقاصد پیش نظر ہوتے تھے۔ مثلاً:

۱۔ راستوں کے نشیب و فراز سے باخبر ہونا

سفیروں کے ذریعے اس ملک کے راستوں کے نشیب و فراز سے آگاہی، ان کے پس منظر، دریاؤں، پہاڑوں، میدانی علاقوں، چراگاہوں اور پانی کے حصول کے ذرائع سے باخبر ہونا وغیرہ شامل ہوتا تھا[۴۷]۔

۲۔ جغرافیائی حالات سے آگاہی

سفیروں کو یہ ہدایت بھی کی جاتی تھی کہ وہ جس ملک میں سفیر بن کر گئے ہیں وہاں کے جغرافیائی حالات کا بغور مطالعہ اور مشاہدہ کریں اور یہ بھی معلوم کرلیں کہ کن کن علاقوں میں دریا، صحرا اور پہاڑ رکاوٹ بنتے ہیں اور فوجیں اتارنے کے لیے کون کون سے مقامات موزوں اور مناسب ہیں، جانوروں کے لیے چارہ کہاں دستیاب ہوسکتا ہے[۴۸]۔

۳۔ فوجی انتظامات کا جائزہ

سفیروں کے ذریعے فوج کی تعداد، اسلحہ کے ذخائر، اس کی فراہمی کے انتظامات اور پولیس چوکیوں کی پوزیشن کا جائزہ بھی مقصود ہوتا تھا(۴۹)۔

۴۔ سربراہِ مملکت کے اوصاف معلوم کرنا

سفیر بھیجنے کا ایک مقصد یہ بھی ہوتا تھا کہ اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ سربراہِ مملکت کے اخلاق کس قسم کے ہیں، وہ فیاضیاں اور سخاوتیں کس نوعیت کی کرتا ہے، اس کی ضیافتوں اور اس کے دربار کا کیا حال ہے۔ نشستوں کی ترتیب کیا ہے، شکار اور کھیلوں کے معاملے میں اس کے جذبات کیسے ہیں۔

کیا دوسروں کی بات سننے اور سمجھنے کی اہلیت بھی رکھتا ہے۔ ظلم اور انصاف کے معاملہ میں وہ کیسا ہے(۵۰)۔

سفیر کا یہ فرض بھی ہوتا تھا کہ وہ معلوم کرے کہ بادشاہ بوڑھا ہے یا جوان، جاہل ہے یا عالم، نیز اس کی مملکت آباد ہے یا ویران، اس کی فوج میں ابتری اور بے اطمینانی تو نہیں پائی جاتی، اس کے سپہ سالار تجربہ کار ہیں یا خود غرض، رعایا کا معیار زندگی بلند ہے یا پست۔

حاکم بیدار مغز ہے یا غفلت کیش، بخیل ہے یا فیاض، اس کے مشیر اور امیر و وزیر لائق ہیں یا خود غرض اور نااہل۔

وہ خود ایماندار اور اعلیٰ کردار کا مالک ہے یا نہیں، اس کے حاشیہ بردار عالم فاضل اور سیاسی سوجھ بوجھ کے حامل ہیں یا نہیں۔

اسے کون کون سی چیزیں پسند ہیں اور کن چیزوں کو وہ ناپسند کرتا ہے۔ مے خواری میں وہ کھل جاتے ہیں یا ان کی طبیعت ایسے موقعوں پر قابو میں رہتی ہے۔

ان حاکموں میں مروّت اور بزرگانہ شفقت پائی جاتی ہے یا بالکل غافل ہیں، سنجیدگی اور

متانت انہیں پسند ہے یا لطیفہ اور بذلہ سنجی (۵۱)۔

پروفیسر آرتھر کرسٹن لکھتے ہیں کہ: "جب ایران کے سفیر دوسرے ملکوں میں جاتے تھے تو ان کے ذمے یہ کام بھی ہوتا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو اس ملک کے راستوں اور گھاٹیوں سے واقفیت پیدا کریں کہ کہاں کہاں دریا ہیں، کہاں کہاں کنوئیں ہیں، عنان حکومت کس کے ہاتھ میں ہے فوج کی کیا حالت ہے وغیرہ" (۵۲)۔

ان تمام معلومات کا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر کبھی یہ فیصلہ ہوجائے کہ جس ملک میں سفیر گیا ہے، وہاں کے سربراہ کو زیر کیا جائے یا اس سے جنگ کی جائے یا اس کے راز فاش کیے جائیں تو وہاں کے حالات سے کلی طور پر واقفیت ہونے کی بنا پر ان مقاصد کے حصول میں خاطر خواہ کامیابی ہوگی۔ اچھی بری سبھی باتیں پیش نظر رہیں گی اور وہی کیا جائے گا جو ضروری ہوگا (۵۳)۔

ان تمام امور سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عہد قدیم میں ایک سفیر کی معرفت کتنی معلومات حاصل کی جاتی تھیں اور سفیر کو کس قدر اہم ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا پڑتا تھا۔

۵۔ تفاخر کا اظہار کرنا

عہد قدیم میں سفارت کا ایک مقصد تفاخر کا اظہار بھی ہوتا تھا۔ اس طرح اپنی برتری جتانا پیش نظر ہوتا تھا۔ اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ وفد کی شکل میں دوسری حکومتوں کے پاس جا کر اپنی، اپنی قوم اور ملک و ملت کی بڑائی بیان کرکے اپنی خوبیاں اور اوصاف واضح کیے جاتے تھے۔ جس سے ان حکومتوں پر رعب و دبدبہ اور برتری جتا کر اپنا لوہا منوانا مقصود ہوتا تھا یا پھر بیرون ملک سے آئے ہوئے نمائندوں کے سامنے اپنی قوت و غلبہ اور اختیار واقتدار کا مظاہرہ کرکے اپنی برتری کا اظہار کیا جاتا تھا۔ جیسا کہ "حیرہ" کے بادشاہ نعمان کے

دربار میں ہوتا تھا(۵۴)۔

یہ اسی طرح تھا جس طرح آج بین الاقوامی مجالس میں ہر ایک ملک کے نمائندے موجود ہوتے ہیں اور اپنے اپنے ملک کی نمائندگی کا حق اپنی برتری جتا کر کرتے ہیں۔ ایسے مواقع پر وہی سفیر صحیح نمائندگی کر سکتا ہے جو پوری طرح اہلیت رکھتا ہو اور وطن کی محبت سے سرشار ہو، ورنہ غلط سلط باتیں کر کے اپنے ملک کے وقار کو مجروح کرنے اور دنیا والوں کی نگاہوں میں ذلیل و حقیر کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھے گا۔ لہذا سفیر بہت زیادہ زیرک، ہوشیار، عقل و دانش اور بصیرت اور فراست جیسے اوصاف کا حامل ہونا چاہیے۔

۶۔ سفیر اور تحائف

عہد قدیم میں زیادہ تر بادشاہوں نے سفراء کو جب بھی بھیجا ہے، تحفے تحائف اور نفیس اشیاء کے ساتھ روانہ کیا ہے۔ جیسا کہ مسلمانوں کی ہجرت حبشہ کے وقت قریش مکہ نے عمرو بن العاصؓ اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو شاہ حبش نجاشی اور اس کے تمام مصاحبوں کے لیے تحائف اور ہدایا دے کر بھیجا اور یہ ہدایت کردی کہ بادشاہ کی ملاقات سے پہلے تمام مقربین اور اُمرائے حکومت کو تحائف اور ہدایا دے کر اپنا ہم خیال بنالینا(۵۵)۔

نجاشی کو جو تحفہ پیش کیا گیا وہ نہایت قیمتی تھا "یہ تحفہ چمڑا تھا"(۵۶)۔ ابن ھشام نے لکھا ہے کہ مکہ کا بڑا تحفہ چمڑا تھا تو انہوں نے بہت سے چمڑے اکٹھے کر کے بھیجے(۵۷)۔

اس قسم کے تحائف اور ہدایا ایک قسم کی سیاسی رشوت تھی جس سے مقصود وہاں کی حکومت کو خوش کر کے اپنا مطلب نکالنا ہوا کرتا تھا۔ اس لیے اسلام میں ایسی سیاسی رشوت کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ چونکہ نجاشی کی حکومت بھی ایک اصول پسند اور اسلامی روایات کی حامل مملکت تھی اس لیے جب سفیرانِ قریش تحائف لے کر نجاشی کے پاس پہنچے تو اس نے رشوت قبول کرنے سے انکار کردیا اور کہا:

"مااخذالله منی رشوة حین رد علی ملکی فاٰخذ الرشوة فیه (۵۸)" (جب اللہ تعالیٰ نے میرا ملک مجھے واپس لوٹایا تو اس نے مجھ سے رشوت نہیں لی، تو میں کیوں اس معاملے میں رشوت وصول کروں)۔

البتہ اگر خیر سگالی کے وفود اور سفارت بھیج کر تحائف کا تبادلہ کیا جائے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کے عمل سے ثابت ہے۔

خود رسول اللہ ﷺ لوگوں کے ہدایا اور تحفے قبول بھی فرماتے تھے اور ان کو ان کا صلہ بھی ضرور عطا فرماتے تھے، حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ: "رسول اللہ ﷺ ہدیہ قبول فرماتے تھے اور ان کا معاوضہ بھی دیتے تھے"(۵۹)۔

یمن کا مشہور بادشاہ ذی یزن جس نے حبشی حکومت ختم کر کے ایران کے زیر اثر عربی حکومت قائم کی تھی۔ اس نے حضور ﷺ کو ایک قیمتی حلّہ بھیجا جس کو اس نے ۳۳ اونٹوں کے بدلے خریدا تھا۔ حضور ﷺ نے قبول فرمایا اور پھر اس کو اپنی طرف سے ایک حلّہ ہدیہ بھیجا جو ۲۰ سے کچھ زائد اونٹ دے کر خریدا گیا تھا(۶۰)۔

خود نبی کریم ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا(۶۱): "تہادوا فان الهدية تثبت المودّة" (آپس میں تحائف و ہدایا کا تبادلہ کیا کرو۔ اس لیے کہ اس سے محبت بڑھتی ہے)

موجودہ دور میں اگر خیر سگالی کے جذبے کے تحت وفود بھیج کر ہدایا و تحائف کا تبادلہ کرلیا جائے تو اس سے برادر ممالک کے درمیان روابط کے رشتے مضبوط تر ہوجائیں گے۔ اس طرح اپنے ملک کی صحیح نمائندگی بھی ہوجائے گی اور آپس کے تعلقات میں استحکام بھی پیدا ہوگا اور اتحاد و اتفاق کی فضا پیدا کرنے میں ایک دانشمندانہ اقدام بھی ہوگا اور بیرونی مداخلت اور جارحانہ اقدام کی صورت میں ان ممالک کی ہمدردیاں بھی خود بخود حاصل ہوجائیں گی۔ جو ملک کے لیے نیک فال ہے۔

عہد جدید میں سفارت کے مختلف ادوار

ارتقاء

قرن اول میں عثمانی بادشاہوں نے خیر سگالی اور گفت و شنید کے جذبے کے تحت دوسرے مسلمان بادشاہوں کے ساتھ خاص مواقع کے لحاظ سے آپس میں سفارتی مشنوں کا تبادلہ کیا۔ ان مسلمان ممالک میں اناطولیہ، مصر، مراکش، ایران، ہند اور مشرق وسطیٰ شامل تھے[۶۲]۔

عثمانی بادشاہوں کا خیال تھا کہ سولہویں صدی سے ابھرتے ہوئے یورپ کے ساتھ سفارت خانوں کا قیام عمل میں لاکر مستقل سفراء کے ذریعے مسلسل سفارتی تعلقات کا تجربہ کیا جائے اور یورپی ریاستوں اور استنبول میں مستقل مشنری ادارے قائم کیے جائیں۔ تاہم عثمانی حکومت نے اس اسکیم کو مؤثر بنانے کے لئے اٹھارویں صدی کے خاتمے تک کوئی توجہ نہ دی اور صرف یورپی طاقتوں کے معاہدہ کی مضبوطی اور استنبول میں خارجی مشنوں کے بارے میں مراسلت ہی کو کافی سمجھا گیا[۶۳]۔

۱۷۹۲ء میں سلیم ثالث نے یورپ میں مستقل طور پر سکونتی سفارت خانے قائم کرنے کا فیصلہ کیا، چنانچہ سب سے پہلا سفارت خانہ ۱۷۹۳ء میں لندن میں کھولا گیا۔ اس کے بعد ویانا، برلن اور پیرس میں بھی سفارت خانے کھولے گئے۔ لیکن جلد ہی یہ سفارت خانے یونانی افسروں کے چارج میں چلے گئے اور ۱۸۲۱ء میں یونانی جنگ آزادی کے خاتمے پر بالکل بند کردئے گئے[۶۳]۔

۱۸۳۰ء میں لندن، پیرس، ویانا اور برلن میں سفیر بھیج کر مستقل سفارت خانے کھولنے کا ایک نیا قدم اٹھایا گیا۔ ۱۸۴۹ء کو طہران اور ۱۸۶۷ء کو واشنگٹن امریکہ میں مزید سکونتی مشن قائم کیے گئے۔ اور وزارت خارجہ کا قیام عمل میں لایا گیا[۶۵]۔

سفیروں کا انتخاب

۱۔ ابتداً سفیروں کا انتخاب محلاتی محافظوں کے دستوں سے کیا جاتا تھا۔ بعد میں حکومت کے اہل کاروں اور علماء کی جماعتوں سے کیا جانے لگا۔ شروع میں ان کے گریڈ اور ملازمت کے بارے میں غیر یقینی تھی۔ انیسویں صدی میں یورپین سفارتی اصطلاحات وضع کی گئیں اور وزارتوں اور مشنوں کی تکمیل کر کے ان کے سربراہ بھی مقرر کیے گئے۔ تو درجہ بندی کردی گئی[۶۶]۔

۲۔ جاحظ لکھتا ہے کہ ایران کے اصول سفارت میں خاص بات یہ تھی کہ:

"بادشاہ اپنے سفیروں کا انتخاب بڑی احتیاط کے ساتھ کرتا تھا درباریوں میں سے ایک شخص جب متعدد بار آزمایا جاچکتا تھا تب اس کو سفارت کا کام انجام دینے کے لیے مامور کیا جاتا تھا۔ سب سے پہلے بادشاہ اس کو پایۂ تخت کے کسی آدمی کے پاس خط پہنچانے کا حکم دیتا تھا اور اس کے ساتھ ہی ایک جاسوس کو بھی بھیجتا تھا کہ اس موقع پر جو باتیں ہوں ان کی آکر رپورٹ دے، خط لے کر جانے والے کی رپورٹ کا مقابلہ جاسوس کی رپورٹ کے ساتھ کیا جاتا تھا اگر بادشاہ کو اس کی دانائی اور ایمانداری پر اطمینان ہو جاتا تو پھر وہ اس کو سلطنت کے کسی دشمن کے پاس کوئی پیغام دے کر بھیجتا تھا اور پہلے کی طرح پھر ایک جاسوس اس پر متعین کرتا تھا تاکہ اس کی کارگزاری کی رپورٹ بادشاہ کو دے۔ اگر دوسری مرتبہ بھی قاصد اپنے امتحان میں پورا اترتا تو پھر بادشاہ کو اس پر پورا اعتماد ہو جاتا تھا[۶۷]"۔

سفیر کی خصوصیات

جب کوئی سفیر یا قاصد، ایلچی یا پیغام بر کہیں بھیجا جاتا ہے تو اول تو اس کے پیغام کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ارباب دول اس قاصد کے مستند اور معتبر ہونے کو سمجھتے ہیں۔ پھر اس کے اصل پیغام سفارت کی اچھائی اور برائی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اسی لئے عہدہ

سفارت کے لیے مخصوص پوزیشن اور اعلی مراتب والے افراد کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ یہ قانون زمینوں اور آسمانوں یا دونوں جہانوں میں مروج ہے اور اسی بنا پر انبیاء کے معصوم ہونے کا عقیدہ سچے مذہب والوں کا دین و ایمان ہے۔ اگر آپ صرف پیغام بر پر ایمان لائیں یا اسے معتبر سمجھیں۔ مگر سفیر کی توہین کریں تو یہ توہین پیغام بر یا قاصد کی نہیں مانی جاتی بلکہ بھیجنے والی سلطنت یا مرکز حکومت کی ذلت خیال کی جاتی ہے:۔

۱۔ ہر سفیر اور قاصد کو دیکھ کر لوگ بادشاہ کے کردار اور اس کی عقل مندی اور اس کے تدبر کے بارے میں رائے قائم کرتے ہیں[۶۸]۔

جناب نبی اکرم ﷺ نے مصر کے شاہ مقوقس کے دربار میں حاطب بن ابی بلتعہ کو بھیجا تھا جس کی ذہانت کی اس نے تعریف کی اور کہا کہ معلوم ہوتا ہے تمہارا بھیجنے والا بہت ذہین اور سمجھ دار ہے[۶۹]۔

۲۔ سفیر چونکہ نہایت ہی ذمہ دار اور اہم شخص ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے تقرر کے سلسلے میں بہت ہی زیادہ محتاط ہونے کی ضرورت ہے۔ سفارت اور ایلچی گری کے لیے ایک ایسا شخص چاہیئے جو بادشاہوں کی صحبتوں میں بیٹھ چکا ہو، گفتگو میں دلیر، بات کا دھنی اور کم گو ہو۔

۳۔ کافی سیاحت کر چکا ہو، ہر علم و فن سے تھوڑی بہت واقفیت رکھتا ہو، ذہین اور تیز حافظہ ہو، اس کی نظر ماضی پر ہو اور اس کی شخصیت پر کشش اور جاذب نظر ہو، اگر ان خوبیوں کے علاوہ سفیر عمر رسیدہ اور عالم بھی ہو تو کیا کہنے[۷۰]۔

۴۔ اگر سربراہ مملکت سفارت کے عہدہ کے لیے اپنے خاص مقرب کا انتخاب کرے، تو اور زیادہ بہتر ہوگا، کیونکہ اس پر کلی اعتماد اور بھروسہ کیا جاسکے گا، شہسوار، بہادر اور سپاہی قسم کا اگر سفیر ہوگا تو اس سے دوسرے ملک کے لوگوں پر اچھا اثر پڑے گا۔ وہ خیال کریں گے کہ ان کے ملک کے سبھی لوگ ایسے نڈر اور بہادر ہیں[۷۱]۔

۵۔ سفیر اگر اونچے گھرانے سے تعلق رکھتا ہوگا تو اس کی خاندانی وجاہت بھی اس کی عزت افزائی کا باعث بنے گی[(۷۲)]۔

جاحظؒ نے اپنی کتاب "التاج" میں آداب سفیر کے تحت لکھا ہے کہ:[(۷۳)]

۱۔ بادشاہ کے لیے لازم ہے کہ اس کا سفیر فطرت اور مزاج دونوں سے صحیح اور عمدہ ہو، فصیح البیان اور ادیب ہو۔

۲۔ بات کرنے، سمجھنے اور اس کا جواب دینے کی اہلیت رکھتا ہو۔

۳۔ بادشاہ کے الفاظ اور مفہوم کو صحیح طریق سے ادا کرنے کا اہل ہو اور قادر الکلام ہو۔

۴۔ قدرتی اور حقیقی لب ولہجہ سے بات کرے۔

۵۔ کسی لالچ اور خرابی کی طرف مائل نہ ہو۔

۶۔ جو بات بھی ذمہ لگائی گئی ہو، اس کو محفوظ کرے اور خفیہ راز سمجھے۔

۷۔ بادشاہ کے لیے لازم ہے کہ اپنا سفیر مقرر کرتے وقت اس کو پہلے ہی اچھی طرح آزما لے۔

یہ تمام اوصاف ایسے ہیں جو حقیقت پر مبنی ہیں، کیونکہ جو شخص حقیقت پسند ہوگا وہ جملہ امور میں حقیقت پسندی سے کام لے گا اور اس میں کسی قسم کی غلط بیانی یا کج روی کا بالکل احتمال نہیں ہوگا وہ شخص سفارت کاری کے امور کو باحسن طریق ادا کرنے کا اہل ہے۔

۶۔ سفیر کو موقع محل کے لحاظ سے قیمتی اور خوش نما لباس زیب تن کرنا چاہیے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ جب حروریہ کے پاس سفیر بن کر گئے تو وہ یمن کے نہایت قیمتی اور خوش نما کپڑے پہن کر گئے۔ حروریہ نے کہا کہ ابن عباسؓ یہ کیا لباس ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ:

"تم اس لباس پر اعتراض کرتے ہو، میں نے رسول کریم ﷺ کو بہتر سے بہتر کپڑوں میں دیکھا ہے[(۷۴)]"۔

گو نبی کریم ﷺ کو تکلف اور جاہ پسندی سے نفرت تھی لیکن کبھی کبھی نہایت قیمتی لباس زیب تن فرماتے تھے[۷۵]۔

مقولہ مشہور ہے "الناس باللباس" (لوگ لباس سے پہچانے جاتے ہیں) اس لئے اگر سفیر عمدہ لباس پہنے گا تو وہاں کے لوگوں پر خوش گوار اثر ہوگا۔ ایک شخص خراب کپڑے پہنے ہوئے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ تمہاری مالی حالت کیسی ہے، اس نے کہا اچھی ہے تو ارشاد ہوا کہ اگر خدا نے نعمت دی ہے تو صورت سے بھی اس کا اظہار ہونا چاہیے[۷۶]۔

۷۔ سفیر مختلف زبانوں کا ماہر ہونا چاہیے تاکہ سفارت کے حق کو پوری طرح ادا کرسکے اور جس ملک میں سفارتی مشن پر جائے تو وہاں کی زبان سے آگاہ ہو، تاکہ ان کی اپنی زبان میں باشندوں تک اصل بات پہنچاسکے۔ حضرت زیدؓ بن ثابت کہتے ہیں: "مجھے رسول اللہ ﷺ نے سریانی سیکھنے کا حکم دیا[۷۷]"۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے یہود کا رسم الخط سیکھنے کا حکم دیا اور فرمایا: "مجھے یہود کی کسی تحریر پر اعتماد نہیں ہے۔ اس لیے ان کی زبانیں سیکھو اور رسم الخط بھی[۷۸]"۔

سنن ابی داؤد کی روایت ہے حضرت زیدؓ کہتے ہیں کہ ان سے حضور ﷺ نے فرمایا: "میرے پاس ایسے خطوط بھی آتے ہیں جن کے متعلق میں پسند نہیں کرتا کہ انہیں ہر کوئی پڑھ لے تو کیا تم سریانی یا عبرانی سیکھ سکتے ہو میں نے عرض کیا کہ ہاں سیکھ سکتا ہوں، چنانچہ میں نے ۱۷ دن میں وہ زبان سیکھ لی[۷۹]"۔

نبی کریم ﷺ نے ہر حکمران کی طرف اپنا سفیر بھیجتے وقت اس بات کا خاص اہتمام کیا اور ایسے ایلچی کا انتخاب فرمایا جو اس کے مرتبہ و حیثیت کے مطابق گفتگو کرسکے اور وہاں کی قومی زبان نیز ملک کے حالات سے واقف ہو[۸۰]۔

۸۔ سفیروں کی ذہانت قابل داد ہوتی تھی۔ وہ اپنی ذہانت اور غیر معمولی قابلیت کی

بنا پر اپنے ملک کی نمائندگی کا حق ادا کرتے تھے۔ ان کا طرز تکلم اچھوتا، ان کا انداز بیان نرالا اور ان کی شگفتگی اور شائستگی مثالی ہوتی تھی۔ وہ لوگ اپنے کردار اور افعال و اقوال سے نمایاں حیثیت کے حامل ہوتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے جن لوگوں کو بطور سفیر بھیجا، ان کی علمیت و قابلیت، ان کے فضل و کمال، ان کی جرأت و بے باکی پر پورا دربار حیران رہ گیا۔

سفیر کے فرائض و ذمہ داریاں

سفیر کے حسب ذیل فرائض ہیں، جنہیں حسن و خوبی سے نبھانا اور ذمہ داری سے انجام دینا اس کے فرائض منصبی میں شامل ہے:

۱۔ سفیر حکومت کا نمائندہ ہوتا ہے۔ جس کو اپنے ملک کی طرف سے مکمل اختیارات حاصل ہوتے ہیں، اس کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ اپنی حکومت کے اہم معاملات کے بارے میں دوسری حکومت سے گفت و شنید کرے اور وہاں کے سربراہ سے وقتاً فوقتاً ملاقات کرکے اپنی مملکت کے لیے حقوق و فرائض کا تحفظ کرے[۸۱]۔

۲۔ سفیر کا معنی چونکہ "لوگوں کے درمیان پردہ اٹھانا" بھی آتا ہے۔ اس لیے اس کا فرض ہے کہ حکومتوں کی رنجشوں کو دور کرنے کے لیے ان کے سامنے صاف اور واضح حقائق کھول کر رکھ دے تاکہ ان کے درمیان صلح ہوجائے[۸۲]۔

۳۔ سفیر کا ایک فرض قوم کے درمیان اصلاح یا صلح کی کوشش کرنا بھی ہے[۸۳]۔ جیسے حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا کہ: "لوگ مجھے آپ کے اور اپنے درمیان سفیر بننے کے لیے کہتے ہیں یعنی انہوں نے مجھے سفیر بنایا ہے تاکہ لوگوں کے درمیان صلح کرادوں[۸۴]"۔

۴۔ سفیر کا ایک معنیٰ "مذہبی خیالات کی عکاسی کرنے والا" بھی بتایا گیا ہے[۸۵]۔ اس لحاظ سے سفیر کے خوش گوار فریضہ میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ اپنے مذہبی خیالات کی

عکاسی کرنے میں پوری تندہی سے کام لے کیونکہ دوسری حکومتوں کے ساتھ تعلقات استوار کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ وہاں تبلیغی اور سفارتی مشن قائم کر کے اسلامی روایات اور عقائد کی ترویج کی جائے یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ سفیر میں مذہبی رجحانات اور دینی خیالات بدرجہ اتم موجود ہوں اور وہ اپنی دلچسپی کا اظہار بھی کرتا ہے اور اس قسم کے عملی نمونے اور تاثرات چھوڑے کہ لوگ خود بخود اسلام کی صداقت اور حقانیت کو تسلیم کیے بغیر نہ رہ سکیں۔

۵۔ سفیر کے فرائض منصبی میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اپنے ملک کے سربراہ کو ہر لحظہ بدلتے ہوئے حالات سے باخبر رکھے اور اپنی کارکردگی کی رپورٹ باقاعدہ ارسال کرتا رہے۔ نبی کریم ﷺ سفیر سے خصوصیت کے ساتھ حسن کارکردگی کی رپورٹ طلب فرمایا کرتے تھے۔ علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ:

"نبی کریم ﷺ نے ابن لُتَیبَیَہ کو بنی ذبیان کی جانب صدقہ وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ جب وہ وہاں سے واپس آئے تو حضور ﷺ نے ان کا محاسبہ فرمایا اور ان سے پوری رپورٹ طلب فرمائی"۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عمال و حکام کا محاسبہ فرمایا کرتے تھے۔ اگر ان کی کسی قسم کی خیانت ظاہر ہوتی تو انہیں معزول کردیتے اور نیا امین و دیانت دار شخص مقرر فرماتے[۸۶]۔

سفیروں کے ذریعے مہمات

سفیروں کے ذریعے اسلحہ کی فراہمی اور دیگر فرمائشیں بھی کی جاتی ہیں اور ایسے موقعوں پر بڑی عاجزی اور انکساری کا ثبوت دیا جاتا ہے۔

بسااوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ دوسروں کو دھوکے میں رکھ کر ایک منظم فوج اور آزمودہ کار سپاہیوں کی معیت میں حملہ کر کے دشمن کو شکست بھی دے دی گئی ہے[۸۷]۔

سفیروں کے حقوق

۱۔ سفیروں کے ساتھ سلوک

سفیروں کے ساتھ ہر ہر قدم پر حسن سلوک سے پیش آنا چاہیئے۔ ان کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جائے اور ان کے ساتھ بالکل وہی سلوک ہونا چاہیئے جو بادشاہوں کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے۔ بادشاہوں نے ہمیشہ ایک دوسرے کی عزت اور بزرگی کا خیال رکھا ہے اور اسی لیے سفیروں کی ہمیشہ عزت کی ہے، اس سے بادشاہوں کے شرف اور ان کے مرتبے میں اضافہ ہوتا ہے[۸۸]۔

۲۔ سفیر کو رنجیدہ نہ کرنا

کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ حکومتوں میں باہم رنجشیں پیدا ہو گئیں اور دونوں کے سفیر ایسے حالات پیدا ہونے سے قبل ہی روانہ ہوگئے۔ اب اگر عین مخالفت کے عالم میں مخالف حکومت کا سفیر پہنچ جائے تو اس کو رنجیدہ نہ کیاجائے بلکہ روایتی انداز کے مطابق سفیروں کی تعظیم میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیاجائے۔ کیونکہ سفیر بذات خود مخالفت کا باعث بھی نہیں ہوسکتا۔ سفیر کا کام تو صرف پیغام پہنچانا ہے[۸۹]۔

۳۔ سفیروں کے قتل کی ممانعت

الف: زمانہ قبل از نبوت میں سفارتی آداب کو بالائے طاق رکھ کر قاصدوں اور سفیروں کو بے دریغ قتل کردیا جاتا تھا۔ صلح حدیبیہ سے پیشتر قریش کے پاس مسلمانوں کی طرف سے خراش نامی جو قاصد بھیجا گیا تھا قریش نے اس کے اونٹ کو مار ڈالا اور خود اسے بھی قتل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن لوگوں نے بچالیا[۹۰]۔

ب: موتہ دمشق کے قریب ایک مقام کانام ہے حضرت حارث رضؓ بن عمیر ازدی جو

شاہ بصرہ کے دربار میں سفارت کی خدمات انجام دے کر واپس آ رہے تھے، اسی مقام پر شرجیل ابن عمر غسانی کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ دربار رسالت ﷺ کے ایک قاصد کے ساتھ اس قسم کی جسارت کی گئی[۹۱]۔

ج: رسول اللہ ﷺ کا خط حبیبؓ بن زید عاصم لے کر گئے تھے۔ مسیلمہ کذاب نے ان کے دونوں ہاتھ پاؤں کٹوادیئے تھے[۹۲]۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کی سیاست کاری، احکامات الٰہی کو عملی جامہ پہنانے کا دوسرا نام تھا۔ اس لیے آپ ﷺ نے نہ صرف قاصدوں کے قتل کی ممانعت سختی کے ساتھ کردی، بلکہ اپنے سفیر حضرت حارثؓ بن عمیر ازدی کے انتقام کے لئے جمادی الاول ۸ ھ میں تین ہزار مجاہدین کی جمعیت فراہم کرکے حضرت زیدؓ بن حارثہ کو قیادت سونپی اور فرمایا اگر زیدؓ شہید ہوں تو جعفر طیارؓ اور ان کے بعد عبداللہ بن رواحہؓ اس جماعت کے امیر ہوں گے[۹۳]۔

۴۔ سفیر کی زیادتی کے باوجود اس سے تعرض نہ کرنا

نبی کریم ﷺ کے پاس مخالف اقوام کے سفیر اور قاصد آتے تھے اور وہ حضور ﷺ کے خلاف اپنی دشمنی کا اظہار بھی کرتے رہتے تھے نبی کریم ﷺ نہ تو ان کے خلاف جارحانہ اقدام کرتے تھے اور نہ ہی انہیں قتل کرتے تھے[۹۴]۔

مسیلمہ کذاب کے قاصد نے دربار نبوت میں نہایت گستاخانہ انداز گفتگو اختیار کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

''میں قاصد کا قتل کرنا گوارا نہیں کرتا، ورنہ تمہاری سزا قتل کے سوا اور کوئی نہیں تھی[۹۵]''۔

مؤرخین اس امر پر متفق ہیں کہ: ''اسی روز سے قاصدوں کا قتل ممنوع قرار پا گیا[۹۶]''۔

خسرو پرویز نے ہرقل کے اور راجپال نے سلطان محمود غزنوی کے قاصدوں کو

بلا تکلف قتل کر دیا تھا (۹۷)۔ مگر اسلام میں ہمیشہ قاصدوں کا قتل ممنوع رہا۔ دنیا پر اسلام کا یہ سب سے بڑا احسان ہے۔ تصور میں بھی تو نہیں آسکتا کہ کوئی فرمانروا قاصد کی اتنی بڑی گستاخی گوارا کر لے۔ لیکن حضور ﷺ تو ایک پیکر رحم تھے۔ آپ ﷺ کا کام قتل و اذیت نہیں بلکہ بندگان خدا کو فائدہ پہنچانا تھا۔

۵۔ سفیر کو نہ روکا جائے

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ: "اگر کسی ملک کا سفیر یا قاصد دوسرے ملک میں جا کر وہاں کا دین اور مذہب قبول کر لے، تو اسے وہیں رہنے پر مجبور نہ کیا جائے بلکہ اس کی خواہش کے برعکس اسے اپنے ملک میں واپس بھیج دیا جائے تاکہ وہ اپنی قوم کے ساتھ مل کر صورت حال واضح کر دے"۔

جیسا کہ ابو رافعؓ کہتے ہیں کہ: "مجھے قریش نے رسول اللہ ﷺ کی طرف اپنا سفیر بنا کر بھیجا جب میں حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچا تو میرے دل میں اسلام کی محبت پیدا ہو گئی۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! اب میں قریش کی طرف واپس نہیں جاؤں گا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں وعدہ خلافی نہیں کروں گا اور نہ ہی ان کے سفیر کو اپنے پاس روکوں گا"۔ تم ان کی طرف واپس چلے جاؤ اگر وہاں جا کر بھی تمہارے دل کی وہی کیفیت رہی جواب محسوس کر رہے ہو، تو چلے آنا (۹۸)"۔

اس سے معلوم ہوا کہ سفیر کو ایک مرتبہ اس کے ملک میں واپس بھیج دینا چاہئے تاکہ بین الاقوامی معاہدات کی خلاف ورزی نہ ہو اور حکومتوں کے درمیان خدشات پیدا نہ ہوں۔

۶۔ غیر مسلم اقوام کے سفراء کو قتل کرنے کی ممانعت

اسلام میں غیر مسلم اقوام کے سفراء کو بھی قتل کرنے کی ممانعت ہے۔ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ: "ابو سفیان ان لوگوں میں شامل تھا جن پر صلح حدیبیہ کی طے شدہ شرائط کی خلاف

ورزی کرنے کا حکم جاری کیا گیا تھا۔ جب وہ اپنی قوم (قریش مکہ) کے سفیر کی حیثیت میں مدینہ منورہ پہنچا تھا۔ تو نبی کریم ﷺ نے اسے قتل نہیں کیا تھا۔ حالانکہ انہوں نے اس وقت اسلام قبول نہیں کیا تھا[۹۹]"۔

اس سے معلوم ہوا کہ سفیر اپنی قوم کا اہم اور ذمہ دار شخص ہوتا ہے۔ وہ اگر زیادتی بھی کرجائے اور جذبات کی رو میں بہہ کر نازیبا گفتگو بھی کرجائے تو اسلام نے پھر بھی اسے ہر قسم کا تحفظ عطا کیا ہے۔

اسلامی سفارت کاری کے زریں اصول

۱۔ تکمیل مشن

حکومت کی جانب سے فیصلہ کن اعلانات یا دیگر امور جو سفیر کے ذمے لگائے جائیں وہ بلاخوف و خطر اور بلا تأمل پہنچا دئیے جائیں۔ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فاصدع بماتؤمر[۱۰۰]" (جس چیز کا تمہیں حکم دیا جارہا ہے اسے کھول کھول کر بیان کردیجئے۔) قرآن مجید میں دوسرے مقام پر ہے:

"یاایھاالرسول بلغ ماانزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالته[۱۰۱]"

(اے پیغمبر، جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچادو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا۔)

نوع انسانی کے عوام و خواص میں سے جو بات جس طبقہ کے لائق اور جس کی استعداد کے مطابق ہو اسے بلاکم و کاست، بے خوف و خطر پہنچا کر حجت پوری کردی جائے اور تکمیل مشن کردی جائے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے وصال پاک سے ۸۰ دن قبل خطبہ حجۃ الوداع میں چالیس ہزار سے زائد عاشقان اسلام کے سامنے علیٰ رؤوس الاشھاد اعلان فرمادیا:

"اللھم اشھد(۱۰۲)" (اے اللہ تو گواہ رہ میں تیری امانت پہنچا چکا ہوں)

نبی کریم ﷺ نے ہدایت ربانی اور آئین آسمانی کے موافق امت کو ہر چھوٹی بڑی چیز کی تبلیغ کی۔

۲۔ کوتاہی اور تنگی محسوس نہ کرنا

جب سفارت کا فریضہ سونپ دیا جائے تو پھر اس کو پہنچانے میں کوتاہی نہ کی جائے اور نہ ہی کسی قسم کی تنگی محسوس کی جائے اور اس بات کی پروا نہ کی جائے کہ مخالفین اس کا کیسا استقبال کریں گے۔ وہ بگڑتے ہیں، بگڑیں، مذاق اڑاتے ہیں، اڑائیں، طرح طرح کی باتیں بناتے ہیں، بنائیں، دشمنی میں اور زیادہ سخت ہوتے ہیں، ہوجائیں، اس کی تبلیغ میں کوتاہی نہ کی جائے اور نہ ہی اس کے پیغام کو پہنچانے میں تنگی کا اظہار کیا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فلایکن فی صدرک حرج منه(۱۰۳)"

(تمہارے دل میں اس پیغام پہنچانے سے کوئی جھجک نہ ہو)

دل تنگ ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ مخالفتوں اور مزاحمتوں کے درمیان اپنا راستہ صاف نہ پاکر آدمی کا دل آگے بڑھنے سے رکے۔ اس مضمون کو قرآن مجید میں متعدد مقامات پر "ضیق صدر" کے لفظ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ جیسے:

"ولقد نعلم انک یضیق صدرک بما یقولون فسبح بحمد ربک وکن من الساجدین(۱۰۴)". (ہمیں معلوم ہے کہ جو باتیں یہ لوگ تم پر بناتے ہیں ان سے تمہارے دل کو سخت کوفت ہوتی ہے اس کا علاج یہ ہے کہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کریں اور سجدہ کرنے والوں میں ہوجائیں۔)

اس لیے جو قوم مخالفت پر ہی کمر بستہ ہو، اگر وہ راہ راست پر نہ آئے تو غم نہیں کرنا چاہیئے اور نہ مایوس ہوکر اپنے فریضۂ سفارت کو چھوڑ دیا جائے۔

۳۔ سفیر کو اپنے مشن سے محبت ہونی چاہیئے

رسالت اور سفارت کا عہدہ ایک ایسا مقدس کام ہے کہ اس میں جب تک آدمی کو جنون کی حد تک محبت نہ ہو اس وقت تک اس کی صحیح طور پر ادائیگی ممکن نہیں ہے، قریش مکہ کے بار بار اصرار کرنے پر جناب ابوطالب نے حضرت رسول کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ تمہاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے تھے اور ایسا ایسا کہہ رہے تھے، ذرا میری جان کا بھی خیال کرو اور اپنی جان کا بھی، مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جس کو میں اٹھا نہ سکوں۔

اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"چچا! خدا کی قسم اگر وہ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں اور یہ چاہیں کہ میں اپنے مشن کو چھوڑدوں، تب بھی میں اس سے باز نہ آؤں گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو غالب کردے یا میں اس مشن کی تکمیل میں ہلاک ہوجاؤں[۱۰۵]"۔

۴۔ خلوص و محبت اور تائید ایزدی

اگر سفیر خلوص و لگن اور محبت سے کام کرے گا تو خداوند کریم کی مدد اس کے شامل حال ہوگی۔ قرآن مجید میں ہے۔

"واللہ یعصمک من الناس"[۱۰۶] (تم اپنا مشن جاری رکھو، خدا تعالیٰ تمہاری جان اور عزت و آبرو کی حفاظت کرے گا اور اس کی مدد شامل حال رہے گی۔)

۵۔ اقدام سے قبل خبر کی تحقیق کرنا

سفارت کے زریں اصولوں میں سے ایک ضروری اصول یہ ہے کہ اگر کسی قوم، شخص یا ملک کے بارے میں کوئی خلاف واقعہ خبر ملے تو سب سے پہلے اس کی تحقیق کرلی جائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "یاایھاالذین آمنوا ان جاء کم فاسق بنبإٍ فتبینوا ان تصیبوا قوما بجھالۃ فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین"[۱۰۷] (اے ایمان والو اگر کوئی غلط قسم

کا آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی قوم کو نادانی کی وجہ سے کوئی نقصان نہ پہنچادو اور پھر تمہیں اپنے کیئے پر پچھتانا پڑے۔)

اکثر نزاعات اور رنجشوں کی ابتداء جھوٹی اور من گھڑت خبروں سے ہوتی ہے اس لیے سب سے پہلے اختلاف و تفریق کے اس سرچشمے کو ہی بند کردیا جائے۔ فرض کیجئے ایک بے راہرو اور تکلیف دہ آدمی نے اپنے کسی خیال اور جذبے سے بے قابو ہو کر اگر کسی قوم کی شکایت کی اور آنکھیں بند کرکے اس بات کو سچ سمجھتے ہوئے کوئی قدم اٹھالیا جائے لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ اس شخص نے غلط بیانی کی ہے تو اس کا کتنا نقصان اٹھانا پڑے گا اور جو اسلامی مملکت کے حق میں فضا خراب ہوئی ہے اس کا قوم اور ملک کو کتنا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو بنو مصطلق سے زکوٰۃ لینے کے لئے بھیجا۔ اس قبیلے کا سردار ام المؤمنین حضرت جویریہؓ کا والد تھا۔ ولید بن عقبہ راستے ہی میں سے ڈر کے مارے لوٹ آئے اور آکر عرض کیا کہ حارث نے زکوٰۃ بھی روک لی اور میرے قتل کے درپے ہو گیا۔ اس نے لشکر جمع کرلیا اور اسلام سے مرتد ہو گیا ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے حضرت خالدؓ بن ولید کی زیر امارت ایک فوجی دستہ بھیج دیا لیکن انہیں تاکید کردی کہ پہلے تحقیق و تفتیش اچھی طرح کرلینا۔ جلدی سے حملہ نہ کردینا۔ حضرت خالد نے جاسوسوں کے ذریعے معلوم کیا کہ لوگ بدستور مسلمان ہیں، نمازیں ادا کرتے ہیں، اذانیں ہورہی ہیں، چنانچہ حضرت خالدؓ خود گئے اور وہاں کے اسلامی منظر سے خوش ہوئے انہوں نے واپس آکر سرکار نبوی ﷺ میں ساری خبر کردی (۱۰۸)۔ اس طرح تحقیق احوال کرنے سے ایک بہت بڑے فتنے سے نجات مل گئی۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "تحقیق و تلاش، بردباری اور دور بینی خدا کی طرف سے ہے اور عجلت اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے" (۱۰۹)۔

ایسے ہی حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کے بتانے پر جب تک خط بھیج کر صورت حال

کا جائزہ نہیں لے لیا کوئی اقدام نہیں کیا، بلکہ ہدہد سے فرمایا:

"سننظر اصدقت ام کنت من الکاذبین. اذھب بکتابی ھذا فالقہ الیھم"[۱۱۰] (ہم دیکھتے ہیں کہ تو نے سچ کہا ہے یا تو جھوٹا ہے۔ میرا یہ خط لے جا اور اسے ان لوگوں کی طرف ڈال دے۔)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے خط ہدہد کے حوالے کر کے یہ تاکید بھی فرمادی کہ اس کا جواب بھی لے کر آنا۔ تحقیق احوال سے پتہ چلا کہ ملکہ سبا کی گمراہی محض مشرک ماحول میں آنکھیں کھولنے کی وجہ سے تھی، نفس کی بندگی اور خواہشات کی غلامی کا مرض اس پر مسلط نہ تھا۔ جونہی اس پر حق واضح ہو گیا تو وہ. حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے مسلمان ہو کر ان کے دربار میں پہنچ گئی۔ اس طرح ایک خونریز جنگ سے نجات مل گئی اور سلیمانی مشن کی تکمیل بھی ہو گئی۔

۶۔ خطوط مختصر اور جامع ہوں

وہ خطوط جو ایک مملکت کی طرف سے دوسری حکومت کو ارسال کیے جائیں وہ نہایت مختصر مگر جامع ہونے چاہئیں۔ جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام نے نہایت اختصار کے ساتھ صاف، واضح اور دو ٹوک بات لکھ دی حالانکہ بقول قرآن مجید "اولوا قوۃ و اولوا بأس شدید" (زور آور اور سخت جھگڑالو قسم کی قوم تھی)۔ ایسا مختصر جامع اور پر عظمت خط ان سے قبل شاید ہی دنیا میں کسی نے لکھا ہو۔ خط کا مضمون قرآن مجید نے یوں ذکر کیا ہے: "انہ من سلیمان وانہ بسم اللہ الرحمن الرحیم الاتعلوا علیّ وأتونی مسلمین"[۱۱۱].

یہ خط سلیمان علیہ السلام کی جانب سے ہے اور اللہ رحمن و رحیم کے نام سے شروع کیا گیا ہے۔ میرے مقابلے میں سرکشی نہ کرو اور مسلم ہو کر میرے پاس حاضر ہو جاؤ)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطوط بھی بہت مختصر مگر جامع اور دو ٹوک ہوتے تھے۔ جیسے آپ

نے حکمرانوں کو ایک فقرہ خصوصیت کے ساتھ لکھوایا کہ:

"اسلم تسلم" (اسلام قبول کر لو بچ جاؤ گے)۔

۷۔ امراء، وزراء اور مشیروں سے مشاورت

جب کسی ملک کی سفارت پہنچے تو سربراہ مملکت کو اپنے وزراء و امراء اور مشیروں سے اس کے بارے میں ضرور مشورہ کر لینا چاہیئے تاکہ ایک تو صورت حال واضح ہو جائے۔ دوم اس کے بارے میں باہمی مشورہ کر کے اصول و ضوابط طے کر لئے جائیں۔ جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس سے سفارت پہنچنے پر ملکہ سبا نے اپنے مشیروں اور درباریوں کو بلا کر مشورہ کیا۔ اس نے کہا: "قالت یاایها الملؤا افتونی فی امری ماکنت قاطعة امرا حتی تشهدون"[١١٢]۔

(ملکہ نے خط سنا کر) کہا اے سرداران قوم میرے اس معاملے میں مجھے مشورہ دو کہ کیا جواب دیا جائے اور کیا کاروائی کی جائے۔ جیسا کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں کسی اہم معاملہ کا فیصلہ تمہارے مشورہ کے بغیر نہیں کرتی)۔

گو درباریوں کا مشورہ جذباتی تھا اور وہ لڑائی کرنے کے حق میں تھے مگر ملکہ نے انہیں سمجھایا کہ جلدی نہ کی جائے بلکہ ان کی طاقت، طبعی رجحانات، نوعیت حکومت اور اس بات کا پتہ لگائیں کہ ان کی دھمکیوں کی پشت پر کون سی طاقت کار فرما ہے۔ اگر تحفے تحائف اور بدلے دے کر ہم آنے والی مصیبت کو ٹال سکیں تو زیادہ اچھا ہو گا ورنہ جو ان کے طور طریقے اور رویہ معلوم ہو گا ہم اس کے مناسب حال کاروائی کریں گے۔ چنانچہ اسی پر اتفاق ہو گیا۔

۸۔ آداب شاہانہ کا خیال رکھنا

سربراہ مملکت کی خدمت میں وفود کی شکل میں حاضر ہو کر سفارتی امور بجالاتے وقت آداب شاہانہ کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کو ہدایت کر دی تھی کہ: "ثم تول عنهم فانظر ماذا یرجعون"[١١٣]۔ (پھر الگ ہٹ کر دیکھ کہ وہ کیا

رد عمل ظاہر کرتے ہیں)

بد بد کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ تاکید بھی کردی کہ ملکہ کی خدمت میں خط پیش کرکے وہاں سے ایک طرف ہٹ جانا کیونکہ قاصد یا سفیر کا وہیں سر پر کھڑا رہنا آداب شاہانہ کے خلاف ہے۔

اسلامی نظام سفارت اور دیگر نظام ہائے سفارت میں فرق

اسلامی نظام سفارت و دعوت اور دیگر نظام ہائے سفارت میں بنیادی فرق یہ تھا کہ پہلی حکومتیں اپنی سفارت کے ذریعے ملک و ملت، مال و دولت، جاہ و حشم اور کسی حد تک اپنے مذہب کا تحفظ چاہتی تھیں۔ ان کا مقصد یہ ہوا کرتا تھا کہ وہ کس طرح اپنے مدمقابل کو زیر کریں اور برتر رہ کر اپنا تحفظ کرتے ہوئے اقتدار پر مضبوطی سے ڈٹے رہیں۔ اس سلسلے میں غدر، بدعہدی، دھوکہ بازی، بے جا خوشامد وغیرہ کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔ جونہی ان لوگوں کو تحفظ حاصل ہوا، تو وہ خود سر ہوجاتے۔ نیز ان حکومتوں کے لیے یہ ضروری نہیں تھا کہ آیا وہ سفارتی نظریہ پر یقین رکھتی ہیں یا نہیں۔

لیکن اسلامی نظام سفارت خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سفارت کا بنیادی مقصد صرف اسلامی تحریک کا فروغ اور اعلائے کلمۃ اللہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہ نفس نفیس اور آپ کے سفراء نے پورے وثوق اور کامل یقین کے ساتھ تحریک اسلامی کے داعی کی حیثیت سے فرائض سفارت انجام دئیے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے مشن کی تکمیل اور اپنے مقصد کے حصول میں کسی قسم کی مخالفت یا مداخلت کی پروا نہیں کی اور کسی موقعہ پر بھی کسی قسم کی سستی یا کمزوری کا اظہار نہیں ہونے دیا۔ بالکل صحیح اور دوٹوک بات کہہ کر اپنے موقف پر سختی سے ڈٹ جاتے تھے۔ ان کی اس جرأت و دلیری اور بے باکی پر اکثر اوقات دیگر حکومتیں حیران و ششدر رہ جاتی تھیں۔ انہوں نے نہ کبھی تحفے تحائف اپنے ساتھ

لیے اور نہ ہی بے جا خوشامد و چاپلوسی کی۔

اسلامی تصور سفارت کی مختلف صورتیں

اس سلسلے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی سفارت کس قدر اصول پسندی اور اسلامی مشن کی تکمیل کی عکاسی کرتی ہے۔ جس کا اظہار انہوں نے ملکہ سبا کے نام ایک سفارت میں "اَلَّاتعلوا علی وأتونی مسلمین "(۱۱۴) سے کیا۔ لیکن اس کے مقابلے میں ملکہ اور قوم سبا کا کردار بھی بخوبی واضح ہو جاتا ہے، جو کہ تحفے و ہدایا کے چکر میں پڑ جاتے تھے(۱۱۵)۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سفارتی صداقت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سفارتی مہمات کے شاہکار معاہدۂ حدیبیہ کا جدید ڈپلومیسی کے ایک نمونہ سے موازنہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کن زرّیں اصولوں کو پیش نظر رکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاہدات یا سفارت میں کس قدر سچائی غالب ہوا کرتی تھی۔

معاہدہ حدیبیہ کرتے وقت ابوجندلؓ جائے مذاکرات پر آ گئے۔ وہ اسلام قبول کر چکے تھے لیکن قریش کی قید میں تھے۔ سہیل بن عمرو نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا اور ساتھ ہی بصورت دیگر معاہدہ طے نہ کرنے کی دھمکی دی۔ آپ نے ابوجندلؓ کو واپس کر دیا اور فرمایا:

"ابوجندلؓ! صبر اور ضبط سے کام لو، خدا تمہارے لیے اور مظلوموں کے لیے کوئی راہ نکالے گا، صلح اب ہو چکی اور ہم ان لوگوں سے بد عہدی نہیں کر سکتے"(۱۱۶)۔

ابو بصیرؓ، مدینہ پہنچے تو معاہدہ کے مطابق ان کو واپس کر دیا گیا(۱۱۷)۔ لیکن ایک وقت ایسا آ گیا کہ قریش نے مجبور ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لکھ بھیجا کہ معاہدہ کی اس شرط سے ہم باز آتے ہیں، اب جو مسلمان چاہے، مدینہ جا کر آباد ہو سکتا ہے۔ ہم اس سے تعرض نہ کریں گے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لکھ بھیجا تو ابوجندلؓ اور ان کے ساتھی مدینہ آ کر آباد ہو گئے(۱۱۸)۔

نبی کریم ﷺ نے اس معاہدہ حدیبیہ میں جس بصیرت سے قریش کو یہودیوں کے متعلق غیر جانب دار رہنے پر آمادہ کرلیا، وہ آپ ﷺ کی زبردست سیاسی اور سفارتی کامیابی کی دلیل ہے[۱۱۹] ۲۰ دنوں کے بعد آپ ﷺ نے خیبر کا رخ کیا اور ایسا سفارتی کمال دکھایا کہ اہل خیبر بے یارومددگار رہ گئے اور ان کی مدد کے لیے کوئی بھی نہ پہنچا۔ یہاں تک کہ غطفان کے حلیف بھی اپنے گھروں میں بیٹھے تماشا دیکھتے رہے[۱۲۰]۔

(تفصیل کے لیے چھٹا باب ملاحظہ ہو)

حوالہ جات

۱۔ الراغب، الاصفهانی، حسین بن محمد، المفردات فی غریب القرآن، مطبع مصطفیٰ البابی الحلبی مصر، ۱۹۶۱ء (سفر)

۲تا۴۔ ابن منظور، ابوالفضل محمد بن مکرم، لسان العرب، مطبع دار بیروت، ۱۹۵۵ء، ج۴ (سفر)

۵۔ الحسینی، السید محمد مرتضیٰ، تاج العروس، مطبع حکومتہ الکویت، کویت ۱۹۷۳ء ج ۱۲، ص ۱۴۱ (سفر)

۶۔ المقریزی، تقی الدین احمد بن علی، امتاع الاسماع، مطبعتہ لجنتہ التالیف والترجمہ والنشر، ج ۱ ص ۳۰۷

۷۔ القلقشندی، ابوالعباس احمد، کتاب صبح الاعشیٰ، المطبوعہ، قاہرہ ۱۳۳۳ھ۔ ج ۶۔ ص ۳۶۸

۸۔ الراغب الاصفهانی، حسین بن محمد، المفردات فی غریب القرآن، ص ۲۳۳

۹۔ القرآن الحکیم، الحج (۲۲):۷۵

۱۰۔ القرآن الحکیم، النساء (۴):۷۹

۱۱۔ الراغب الاصفهانی، حسین بن محمد، المفردات فی غریب القرآن، ص ۲۳۴

۱۲۔ الحسینی، السید محمد مرتضیٰ، تاج العروس، ج ۱۲، ص ۱۴۱ (سفر)

۱۳۔ The Encyclopaedia Americana, AMERICANA CORPORATION 1961, vol. I p. 470 . (Ambassador)

۱۴تا۱۶۔ The Encyclopaedia of Islam, , Leiden, E, J. Brill, 1965, vol. II, (C - G) p. 694, (Elci).

۱۷تا۱۹۔ ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، ج۴، ص ۳۷ (سفر)

۲۰۔ الراغب الاصفہانی، حسین بن محمد، المفردات فی غریب القرآن، ص ۲۳۴ (سفر)

۲۱۔ القرآن الحکیم، الانفطار (۸۲):۱۱

۲۲۔ القرآن الحکیم، عبس (۸):۱۵-۱۶

۲۳۔ الراغب الاصفہانی، حسین بن محمد، المفردات فی غریب القرآن، ص ۲۳۴ (سفر)

۲۴۔ ابن عبدالبر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، مطبع دائرہ المعارف، حیدر آباد ۱۳۳۶ھ ج۱، ص ۴۱۵

۲۵۔ The American People's Encyclopaedia, Chicago, Spencer Press, 1959. vol. 7, p. 125 (Diplomatic Service)

۲۶تا۲۷۔ The Encyclopaedia of Islam, vol. II. (C - G) p. 694, (Elci).

۲۸۔ The Shorter Oxford English Dictionary, Oxford, Clarenden Press,1959, vol. I. (A -M) p. 514 (DIPLOMACY).

۲۹۔ Hasan, S. Karmi, AL-MANAR, English - Arabic Dictionary, Beirut, 1971, p . 175 (Diplomacy).

۳۰۔ The American People's Encyclopaedia, vol. 7, p. 125 (Diplomacy).

۳۱۔ Encyclopaedia Britannica, London, 1951, vol . 7, p. 404, (Diplomacy).

۳۲۔ The Shorter English Dictionary, vol. I, p. 514.

۳۳تا۳۵۔ Encyclopaedia Britannica, vol . 7, p. 406.

۳۶۔ الحسینی، محمد مرتضیٰ، تاج العروس، ج ۱۲، ص ۱۴

۳۷۔ The Shorter Oxford English Dictionary, vol. I, p. 514. (Diplomacy).

۳۸۔ The American People's Encyclopaedia, vol. 7, p. 125

۳۹تا۴۰۔ Satow, S. Ernest, A Guide to Diplomatic Practice, University Press, Glasgow, 1966, Book -I, Chapter -I, Page I,(Diplomacy).

۴۱۔ ابن عبدالبر، الاستیعاب فی معرفتہ الاصحاب، ج۲، ص ۴۱۵

۴۲- Oxford Dictionary, vol. I, p.406. : The Encyclopaedia Americana, vol.I p.470 (Ambassador).

۴۳ تا ۴۴- بیٹ لینڈ ڈبلیوای- اردو ترجمہ انصاری حمید احمد، تاریخ جمہوریۂ روما، دارالطبع جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد دکن، ۱۹۲۶ء، ج ۱، ص ۴۷، ۷۶، ۸۲، ۹۱، ۹۴، ۱۰۱، ۲۲۳

۴۵- ابن ہشام، السیرہ النبویۃ، مطبع دار احیاء التراث العربی بیروت، لبنان ۱۹۷۱ء ج ۳، ص ۳۲۱، ۳۳۳

۴۶- الطبری، محمد ابن جریر، تاریخ الامم والملوک، مطبع حسینیہ المصریہ، ۱۳۳۶ھ، ج ۱، ص ۵۲

۴۷ تا ۵۱- طوسی، نظام الملک، سیاست نامہ، مطبع بردین وشر کائہ انجی پیرس، ۱۸۹۱ء باب ۲۱، ص ۸۷،

۵۲- کرسٹن آر تھرسین، فرانسیسی کتاب "L" IRAN SOUSLES SASSANIDES"
فارسی ترجمہ آقائی مجتبیٰ محمد، شاہنشاہی ساسانیاں، مطبع مجلس تہران ۱۳۱۴، ص ۱۱۳

۵۳- طوسی، سیاست نامہ، باب ۲۱، ص ۸۷

۵۴- آلوسی، محمود شکری، بلوغ الارب فی معرفہ احوال العرب، المطبعۃ الرحمانیہ مصر، ۱۹۲۴ء، ج ۱، ص ۲۸۰

۵۵ تا ۵۸- ابن ہشام، السیرہ النبویۃ، ج ۱، ص ۳۵۸، ۳۶۳

۵۹ تا ۶۰- ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، مطبع مجیدی کانپور ۱۳۴۶ھ، ج ۲، ص ۱۴۲

۶۱- المقدسی محمد بن مفلح، الآداب الشرعیۃ، مکتبہ الریاض الحدیثہ، الریاض ۱۹۷۱ء ج ۱، ص ۳۳۵

۶۲ تا ۶۶- The Encyclopaedia of Islam, vol. II. (C - G) p. 694, (Elci).

۶۷- الجاحظ عمر بن بحر، التاج فی اخلاق الملوک، دار الفکر بیروت، ۱۳۷۵ھ، ص ۲۱۵

۶۸- طوسی، نظام الملک، سیاست نامہ (فارسی) باب ۲۱، ص ۸۷

۶۹- الزرقانی محمد بن عبدالباقی، شرح علی المواھب اللدنیۃ، المطبعة المصریۃ ۱۲۹۱ھ، بولاق، ج ۳، ص ۳۴۹

۷۰ تا ۷۲- طوسی، نظام الملک، سیاست نامہ، باب ۲۱، ص ۸۷

۷۳- الجاحظ، عمر بن بحر، التاج فی اخلاق الملوک، ص ۲۱۴

۷۴ تا ۷۶- ابوداؤد سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، ج ۲، ص ۲۰۳

۷۷ تا ۷۹- البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، المطبعۃ المیمنیۃ مصر، ۱۳۲۰ھ، ج ۴، ص ۱۵۰

۸۰- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۲۳

۸۱- The Encyclopaedia of Americana, vol. I, p. 470, (Ambassador).

۸۲- ابن منظور، ابوالفضل محمد بن مکرم، لسان العرب، ج ۴، ص ۳۷۰ (سفر)

۸۳- الحسینی، محمد مرتضیٰ، تاج العروس، ج ۱۲، ص ۴۱ (سفر)

۸۴- لسان العرب، ج ۴، ص ۳۵ (سفارۃ)

۸۵- The Encyclopaedia of Islam, vol. II. (C - G) p. 694, (Elci).

۸۶- البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، ج ۴، ص ۱۵۰

۸۷ تا ۸۹- طوسی، نظام الملک، سیاست نامہ، باب ۲۱، ص ۸۷

۹۰- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۳، ص ۳۲۸

۹۱- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۲۸

۹۲- البلاذری احمد بن یحیٰ، کتاب فتوح البلدان، ای، جی برل، (لیڈن) ۱۸۶۶ھ، ص ۹۲

۹۳- البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، ج ۳، ص ۳۷

۹۴ تا ۹۶- ابن قیم، زادالمعاد فی ہدی خیر العباد، ج ۲، ص ۱۹۴

۹۷- محمد قاسم، تاریخ فرشتہ، مطبع نولکشور، لکھنؤ ۱۸۶۴ء، ج ۱، ص ۱۱

۹۸ تا ۹۹- ابن قیم، زادالمعاد فی ہدی خیر العباد، ج ۲، ص ۱۹۵، ۲۰۴

۱۰۰- القرآن الحکیم، الحجر، (۱۵):۹۴

۱۰۱- القرآن الحکیم، المائدۃ (۵):۶۷

۱۰۲- ابن ہشام، السیرہ النبویہ، ج ۴، ص ۲۵۲

۱۰۳- القرآن الکریم، الاعراف (۷):۲

۱۰۴- القرآن الکریم، الحجر، (۱۵):۹۷-۹۸

۱۰۵- ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۱، ص ۲۸۵

۱۰۶- القرآن الکریم، المائدۃ (۵):۶۷

۱۰۷- القرآن الکریم، الحجرات (۴۹):۶

۱۰۸ تا ۱۰۹- ابن کثیر، ابوالفداء اسماعیل، تفسیر القرآن العظیم، مطبعۃ الاستقامہ بالقاہرہ ۱۹۵۶ء، طبع ۴، ج ۴،

ص۲۰۸-۲۰۹ (الحجرات)

۱۱۰تا۱۱۳- ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ج۴، ص۲۱۰، النمل: ۲۷:۳۱

۱۱۴تا۱۱۵- القرآن الکریم، النمل (۲۷):۳۱- (یہ کہ تم لوگ میرے مقابلے میں تکبر مت کرو اور میرے پاس مطیع ہو کر چلے آؤ-)

۱۱۶تا۱۱۸- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج۳، ص۳۳۳

۱۱۹- الجوزیہ، ابن قیم، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، ج۲، ص۳۲۴

۱۲۰- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج۳، ص۳۴۴

دوسرا باب

* بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل اہم حکومتیں اور ان کے سفارتی نظام

1 سلطنت مشرقی رومن

2 سلطنت فارس

3 حکومت حبش

4 حکومت یمن

5 عرب کی مختلف ریاستیں اور قبائل

دوسرا باب

بعثتِ نبوی ﷺ سے قبل اہم حکومتیں اور ان کے سفارتی نظام

اس باب میں بعثتِ نبوی ﷺ سے قبل اہم حکومتوں کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ کہ ان کا محل وقوع کیا تھا۔ ان کے سیاسی، اقتصادی، معاشرتی اور خصوصاً سفارتی نظام کی کیا نوعیت تھی۔ ان کے آپس کے تعلقات کیسے تھے۔ کیونکہ:۔

"سفارتی نظام اصولوں کے گروہ کی تشکیل اور تعمیل کو اپنی لپیٹ میں لیتا ہے۔ جو ایک سلطنت کے مثالی طرز عمل کو قالب میں ڈھالتے ہیں، جب وہ دوسری سلطنتوں کے ساتھ اپنے مفادات کے تحفظ یا فروغ کے لیے مذاکرات کررہی ہوتی ہے"۔

سفارتی نظام، سلطنت کے مفادات کا تحفظ کرتا ہے اور اس کی سالمیت کو برقرار رکھنے کے لیے تشکیل دیا جاتا ہے۔ یہ قومی وقار بلند کرنے، معیشت کے مفادات کو فروغ دینے اور ضرورت پڑنے پر جنگ کے لیے تیار رہنے کے لیے وسائل مہیا کرتا ہے۔

اُن دنوں حسبِ ذیل دنیا کی اہم سلطنتیں تھیں جن کا مرحلہ وار ذکر کیا جاتا ہے:۔

۱۔ سلطنتِ مشرقی رومن

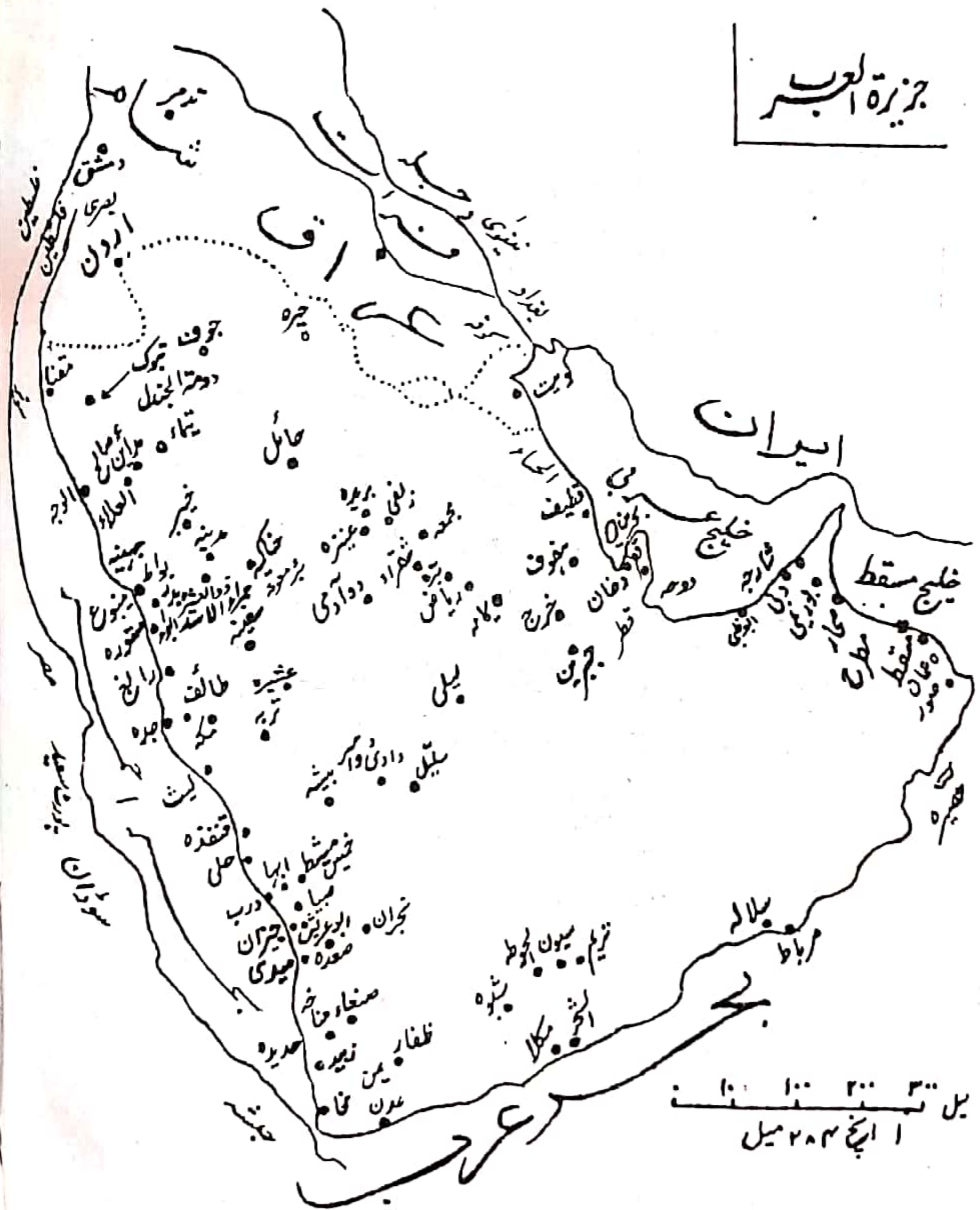
۲۔ سلطنتِ فارس

۳۔ سلطنتِ حبش

۴۔ حکومتِ یمن

۵۔ عرب کی مختلف ریاستیں اور قبائل

۶۔ عرب جاہلیہ میں سفارت



جزیرۃ العرب
عراق
ایران
خلیج مسقط
بحر عرب
اردن
دمشق
فلسطین
تبوک
دومۃ الجندل
تیماء
حائل
خیبر
مدینہ
ینبوع
جدہ
مکہ
طائف
کویت
قطیف
ہفوف
ریاض
قطر
دوحہ
شارجہ
مسقط
عمان
صحار
مطرح
ابہا
نجران
صعدہ
صنعاء
زبید
یمن
عدن
مکلا
حدیدہ
سوڈان
میل ۳۰۰ ۲۰۰ ۱۰۰ ۱۰
۱ انچ ۲۸۴ میل

۱۔ سلطنتِ مشرقی رومن

۷۵۳ قبل مسیح میں رومۃ الکبریٰ کی بنیاد پڑی اور اس کے ساتھ ہی رومانی سلطنت کا وجود قائم ہوا۔ تقریباً ایک ہزار پچاس سال تک اس کا دارالخلافہ رومہ کا شہر رہا۔ اس تمام عرصے میں رومانی حکومت نے پوری دنیا کو فتح کرلیا۔

۳۲۱ ق م میں جب قسطنطین اعظم نے بیزانیتوم میں پایۂ تخت کو منتقل کرلیا تو اس نے اس کا نام اپنے نام پر قسطنطنیہ رکھا اور آج تک اس کا یہی نام ہے۔ قسطنطنیہ ہمیشہ سے علم و حکمت کا گھر، سلطنت کا مرکز اور مذہب کا مرجع رہا ہے[1]۔

پانچویں صدی عیسوی میں اس کا حدود اربعہ یہ تھا۔ سلطنتِ مشرقی رومن کے مغرب میں بحیرۂ ایڈریاٹک، مشرق میں دریائے دجلہ کے سواحل، شمال میں تاتار کا بالائی علاقہ اور جنوب میں اس کی حدود ممالکِ حبشہ تک وسیع تھیں۔

انتظامی امور

قسطنطین اعظم کے بعد رومن سلطنت کو سب سے زیادہ ترقی قیصر یوستینیانوس کے زمانہ میں حاصل ہوئی۔ یہ قیصر ۵۲۷ء تا ۵۶۵ء یعنی ۳۹ سال تک حکمران رہا۔ اپنی حکومت کے ابتدائی پانچ سال اس نے فارس کے ساسانی بادشاہوں کے ساتھ جنگ کرنے میں گزار دیئے۔ آخر ایک "دائمی صلح کا معاہدہ" طے پایا، گو یہ بعد میں قائم نہ رہا۔

اس قیصر کو خوش قسمتی سے ایک نہایت دلیر اور مدبر جنرل "بلیزار یوس" نامی مل گیا تھا۔ جو دنیا کے چند مشہور فاتحین میں سے گزرا ہے۔ اس نے ایطالیہ کو فتح کیا۔ رومۃ الکبریٰ کی فصیلوں پر پرچم نصب کیے۔ اور شمالی افریقہ وغیرہ ممالک پر تسلط قائم کیا۔ جس سے قیصر کی سلطنت اور قلمرو میں وسعت پیدا ہوئی[2]۔

سینیٹ (Senate) کی ذمہ داریاں

سلطنتِ روما میں ۴۴۸ تا ۳۶۷ ق-م حکام کے کئی عہدے تھے- جن میں سینیٹ کو زیادہ دخل حاصل تھا- معاملات داخلی جن میں قیام امن اور کوتوالی کے انتظامات داخل تھے- ان کا شمار سینیٹ کے اہم فرائض میں تھا اور شہر کے انتظامی معاملات بھی اس کے سپرد تھے- حکام جب اپنی قوتِ فیصلہ سے کام نہ لے سکتے تو سینیٹ سے مشورہ کرتے- قومی خدمات کا انعام، رسوم کے اخراجات، قحط سالی میں غلہ کی خریداری، ان سب کے لئے سینیٹ کی منظوری کی ضرورت تھی، سلطنت کی اراضی کے انتظام میں سینیٹ کو پورا دخل تھا-

ڈکٹیٹروں کا تقرر بھی اکثر سینیٹ کی رائے سے ہوتا- بلکہ خاص اشخاص کو وہ نامزد بھی کرتی- مذہبی معاملات میں سینیٹ پجاریوں اور پیش گوئی کرنے والوں کی مجلسوں سے رائے لیتی تھی[۳]-

نظامِ حکومت

مشرقی رومن سلطنت کی تاریخ میں قیصر "یوستینیان" نہایت نیک نام شاہنشاہ گزرا ہے - اس کے زمانے میں اس حکومت کو بہت عروج اور اثر حاصل ہوا تھا- اس نے ایسے قوانین اور احکام بنائے، جو بعد کے زمانہ میں قانون وضع کرنے کی بنیاد ثابت ہوئے- اور آج تک قانون کے اصول ہیں- اسی وجہ سے اس کو شہرتِ لازوال حاصل ہوئی-

اس نے یورپ میں ریشم کی صنعت کو داخل کیا، گرجے تعمیر کروائے، چھاؤنیاں بنوائیں، محلات کی بنیادیں رکھیں- سب سے زیادہ مشہور چیز جس سے اس کے نام کو شہرت حاصل ہوئی، وہ ایا صوفیہ کا گرجا ہے، جسے عثمانی سلاطین نے فتح قسطنطنیہ کے وقت مسجد جامع میں تبدیل کرلیا تھا- اور آج تک ایاصوفیہ کے نام سے مشہور ہے- اور باہر سے آنے والے سیاحوں کی دلچسپی کا مرکز ہے[۴]-

شخصی نظامِ حکومت

رومن سلطنت میں شخصی نظامِ حکومت رائج تھا۔ وہ حکومتیں جہاں ایسے نظام جاری ہوں، ان کی ترقی و تنزلی کا دارومدار حکمرانوں کی قابلیت یا نااہلی پر ہوا کرتا ہے، اگر بادشاہ شان و شوکت والا اور عالی ہمت ہوا تو سلطنتیں عظیم الشان ہوں گی۔ ورنہ یا تو مٹ جائیں گی یا برائے نام ریاستیں رہ جائیں گی۔

یوستینیان کے مرنے کے بعد ایسے لوگ تخت نشین ہوئے، جن میں شاہی اور حکمرانی کے جوہر نہ تھے۔ اور وہ اس قابل بھی نہ ہوئے کہ اتنی عظیم الشان سلطنت کو صرف سنبھالے ہی رہتے۔ اسی وجہ سے اس کی تمام شان و شوکت خاک میں مل گئی۔

یوستینیان کے بعد اس کا بھتیجا یوستین دوم اور اس کے بعد طیباریوس تخت نشین ہوئے۔ اور ان کے بعد شاہنشاہ موریس کی باری آئی۔ جس وقت موریس تخت پر بیٹھا ہے سلطنت کی حالت بہت نازک ہو چکی تھی۔ اور اندرونی اور بیرونی خلفشار تھا۔ موریس نے خیال کیا کہ خانہ جنگیاں شروع کرنے سے سلطنت کی رہی سہی ساکھ بھی جاتی رہے گی۔ اس کی حالت سدھارنے کے لیے غیر ممالک کی فتوحات کا سلسلہ زیادہ مناسب ہوگا۔ لہذا اس نے مشرقی اطراف میں فارس والوں سے جنگ چھیڑ دی اور سات برس تک ان سے لڑتا رہا۔ لیکن کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہ کرسکا[۵]۔

روما کا سیاسی اور سفارتی نظام

الف: خارجی معاملات اور نظام سفارت

خارجی معاملات میں سینیٹ کے اراکین کو خاص دخل تھا۔ سفارتوں کا روانہ کرنا اور خیر مقدم کرنا اور صلح ناموں پر بحث کرنا اور طے کرنا انہی کا کام تھا۔ ان کے سوا کوئی اس کام

کو نہیں کرسکتا تھا۔ کیونکہ حکام کا قیام مستقل نہ ہوتا تھا۔

روما کے سپہ سالار دشمن کے ساتھ کوئی عارضی سمجھوتہ کرلیتے اور شرائط صلح کے طے کرنے کے لیے اس کے سفیروں کو روما بھیج دیتے۔ بعض وقت سپہ سالار خود واپس آتا اور سینیٹ کے ان جلسوں کی صدارت کرتا۔ جن میں شرائط صلح پر بحث ہوتی۔ مگر روما کی طرف سے فیصلہ کرنے کا حق سینیٹ ہی کو تھا۔ جس طرح سینیٹ دشمنانِ ملک کے ساتھ نامہ و پیام کرتی اسی طرح حلیفوں پر نگرانی رکھتی اور سلطنتِ روما کے ساتھ یا آپس میں ان کے جو تعلقات تھے، ان پر بھی نظر رکھتی۔ نزاعات یا صلح ناموں سے جو مسائل پیدا ہوتے، باغیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے، یہ سب مسائل سینیٹ میں پیش ہوتے(٦)۔

ب: روما میں سفیروں کی اہمیت

روما کے اطالوی حلیف جن پر روما کی فوج میں شرکت لازمی تھی۔ عبا پوش کہے جاتے تھے۔ قیمتی زیوروں کا زیادہ رواج نہ تھا۔ مردوں کی انگوٹھیاں لوہے کی ہوتیں، البتہ جب کہ وہ کسی سلطنت کے عہدہ پر فائز ہوتے یا سفارت کا کام انجام دیتے تو سونے کی انگوٹھی پہن سکتے تھے(٧)۔

ج: سفیر کا تحفہ قبول کرنے سے انکار

۳۲۶ تا ۳۱۳ ق۔م میں اہل روما کا اہم ترین ذریعۂ معاش زراعت تھا۔ وہ خود کاشت کرتے تھے۔ ان کی محنت کو معزز خیال کیا جاتا تھا۔

کسانوں کی حالت بہتر تھی۔ اس زمانے کے متعدد قصے موجود ہیں۔ مثلاً سامنیم کے سفیر جب زرین تحفے لے کر مے نیس کیوزیس کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ خود اپنا ساگ پات کا کھانا پکا رہا تھا اور اس نے تحفے لینے سے انکار کردیا(٨)۔ اس سے معلوم ہوا کہ قوم کفایت شعاری پسند کرتی تھی۔

د: روم اور فارس کی سیاسی کشمکش اور سفارتی حل

فارس اور روم اُن دنوں دنیا کی دو عظیم سلطنتیں تھیں۔ ان میں زمانہ قدیم سے عداوت چلی آرہی تھی۔ اس کا اصلی سبب حکومت کی خواہش تھی۔ کیونکہ ان دنوں یہی دونوں سلطنتیں دنیا کی سب سے بڑی سلطنتیں تھیں۔ وہ ہمیشہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی فکر میں رہتے تھے تاکہ اپنے ممالک میں توسیع کرسکیں۔ ان کی دشمنی کا یہ سلسلہ سکندر اعظم کے زمانہ تک اور اس کے بعد رومانیوں کے عہد حکومت میں اسلام کے عہد تک قائم رہا۔

قیصر یوستینیان کے زمانہ میں جب کسریٰ انوشیروان عادل فارس پر تخت نشین ہوا تو اس کو رومیوں سے صلح رکھنا پسند نہ آیا کیونکہ رومی بادشاہ غطیانوس نے بد عہدی کی تھی۔ چنانچہ اس نے روم پر فوج کشی کر دی اور ملک شام فتح کر کے شہر انطاکیہ تک پہنچ گیا[۹]۔ ایشائے کوچک میں قتل و غارت کا بازار گرم کردیا۔ اس حالت کو دیکھ کر یوستینیان نے بلیزاریوس کو نوشیروان کے مقابلے پر روانہ کیا۔ جس نے پے در پے حملے کر کے اس کو پسپا کردیا۔ نوشیروان نے دوبارہ سنبھل کر حملے کیے لیکن وہ کامیاب نہ ہوسکا اور متواتر بیس سال ۵۴۱ء تا ۵۶۱ء جنگ جاری رہی۔ جب دونوں تھک ھار گئے تو دونوں صلح پر راضی ہوگئے۔ سنہ ۵۶۲ء میں معاہدہ ہوا کہ ایران و روم کے درمیان تجارت میں آزادی ہو، عیسائیوں کو مذہبی آزادی دی گئی اور یہ کہ یوستینیان پر تیس ہزار دینار سالانہ خراج ادا کرنا مقرر ہوا۔ اس کے بعد دونوں کی سرحدیں جنگ سے پہلے کی پوزیشن پر بحال ہوگئیں[۱۰]۔

روما کی معاہداتی سلطنتیں

روما کے خارجی معاملات میں یہ اصول تھا کہ جس چیز سے ایک کو نفع ہے اس سے دوسرے کو یقیناً نقصان ہوگا اور ہمسایہ سلطنتیں ایک دوسرے کو شبہ کی نگاہ سے دیکھتی تھیں۔ لیکن اقوام میں باہمی تعلقات کا ہونا ناگزیر تھا۔

"ایلچی را زوالے نیست" کا اصول مسلم تھا۔ اعلانِ جنگ اور مصالحت کے لیے مذہبی رسوم کا ہونا ضروری تھا اور قسمیں کھائی جاتی تھیں۔ ان کے لیے خاص ضوابط تھے جن کی سختی کے ساتھ پابندی کی جاتی تھی اور ان میں سے بین الاقوامی قانون پیدا ہوا مگر ایام امن میں دو سلطنتوں کے درمیان دوستانہ تعلقات قائم کرنے کے لیے کسی خاص میثاق کی ضرورت تھی کیونکہ اس زمانے میں خیال تھا کہ اگر دو سلطنتوں میں دوستانہ تعلقات نہیں تو دونوں میں دشمنی کا ہونا ضروری ہے۔ پرانے زمانے میں کسی سلطنت نے اتحادوں سے اتنا کام نہیں لیا جتنا کہ رومانے [۱۱]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں رومی سلطنت کی حالت

عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابتدائی زمانے میں رومی اپنی شہنشاہی کا تمام مشرقی حصہ کھو چکے تھے، آرمینیہ، شام، مصر، ایشائے کوچک ہر جگہ صلیبی علم کے بجائے درفش کاویانی لہرا رہا تھا۔ ایرانی قسطنطنیہ کا محاصرہ کیئے ہوئے پڑے تھے، ہرقل (ہرکلیوس) قیصر روم قسطنطنیہ سے فرار کا سامان کرچکا تھا کہ مکہ کا پیغمبر نبوت کی پر جلال آواز میں مترنم ہوا۔
"الم. غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون فی بضع سنین (۱۲). (رومی قریب کے ملک میں مغلوب ہوگئے، وہ مغلوبی کے بعد عن قریب چند سالوں کے اندر غلبہ پائیں گے)

دفعتہً ہوا کا رخ بدل گیا، سنہ ۶۱۶ء بمطابق سنہ ۶ھ صلح حدیبیہ کے زمانے میں نینوی (موصل) کے میدان میں رومی شہنشاہ ہرقل نے ایرانیوں کو ایسی فیصلہ کن شکست دی [۱۳]۔ کہ ان کے ہاں شاہ گردیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا، رومیوں نے ایک ایک کر کے اپنا ملک واپس لے لیا، اور ایران سنبھل ہی نہ سکا۔

قسطنطنیہ کے رومی اس فتح سے کیا فائدہ اٹھاتے جب کہ صدیوں کی بیرونی جنگوں نے

ایک طرف ملک کو تاخت و تاراج کر دیا تھا تو دوسری طرف مذہبی فتنے بھی ان کے ہاں ناقابلِ بیان تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب خود اسلام کا نیرِ تاباں شعاع افگن ہوا اور حکمران فرقے سے مسلمانوں کی جنگ ہوئی تو دوسرے فرقے کے عیسائیوں نے انہیں خوش آمدید کہا۔ ان کی مدد کی اور اپنوں کی بجائے ان کے ماتحت رہنے کو ترجیح دی[۱۴]۔

قیصرِ روم نے رسول اللہ ﷺ کے خط کی قدر کی تھی اور اسلام کی حقانیت کو تسلیم کرلیا تھا۔ لیکن ظاہری طور پر اپنے اسلام کا اعلان نہ کرسکا۔

۲۔ سلطنتِ فارس

فارس ایک وسیع و عریض مملکت ہے اس کے عراق کی جانب میں ارجان، کرمان کی جانب میں السیرجان اور بحر ہند کے ساحل کی طرف سیراف واقع ہے جبکہ سندھ کی جانب مکران کا علاقہ ہے۔

یہ علاقہ فارس بن طہورث کے نام سے منسوب ہے جو کہ ایک عادل بادشاہ تھا۔ اس کا عہدِ حکومت طوفانِ نوح کے بالکل قریب کے زمانے میں تھا[۱۵]۔

فارس کی فضیلت

فارس کے بارے میں بہت سی باتیں مشہور ہیں۔ ابن لہیعہ کہتے ہیں "فارس اور روم عجم کے قریش ہیں"[۱۶]۔

نبی کریم ﷺ سے بھی ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ "لوگوں میں اسلام کے لحاظ سے سب سے دور روم ہے اور اگر اسلام ثریا کے ساتھ بھی لٹک جائے تو فارس اس کو ضرور حاصل کرلیں گے"[۱۷]۔

فارس کی سرزمین اسلام سے بہت پہلے قدیم زمانے سے موجود ہے اسکی حدیں دریائے بلخ سے آذر بائیجان کے آخر تک، آرمینیہ، فارسیہ سے فرات تک، عرب کے

ریگستانوں سے عمان و مکران تک اور کابل سے طخارستان تک تھیں[۱۸]۔

فارس کا نظام حکومت

فارس کی تہذیب و ثقافت بہت پرانی ہے اس کے سلاطین جن کا لقب کسریٰ ہوا کرتا تھا اس بات کے دعوے دار تھے کہ ان کی رگوں میں خدائی خون ہے۔ اہلِ ایران بھی انہیں اسی نظر سے دیکھتے تھے کہ گویا وہ خدا ہیں۔ ان کا اعتقاد تھا کہ ان سلاطین کی فطرت میں ایک مقدس آسمانی چیز ہے۔ چنانچہ یہ لوگ ان کے آگے سر بسجود ہوتے، ان کی الوہیت کے ترانے گاتے، اور انہیں قانون سے، تنقید سے، بلکہ بشریت سے بالاتر تصور کرتے تھے۔ فرطِ ادب سے ان سلاطین کے نام بھی اپنی زبان پر نہ لاتے اور نہ کوئی شخص ان کی مجلس میں بیٹھنے کی ہمت کرسکتا تھا۔ لوگوں کو سوائے احکام کی بجا آوری کے کسی معاملے میں دخل دینے کا حق نہیں تھا۔ ملک و قوم پر حکومت کرنے کے لیے ایک خاص گھرانہ (کیانی خاندان) متعین تھا۔ اہلِ ایران سمجھتے تھے کہ صرف اسی گھرانے کے افراد تخت و تاج کے وارث اور ملک و سلطنت کے مالک ہوسکتے ہیں اور یہ حق وراثت میں بیٹے کو باپ سے منتقل ہوتا رہے گا۔ اس حق میں کسی کو دست درازی کی مجال نہیں اگر اس خاندان میں کوئی سن رسیدہ نہ ملتا تو بچہ ہی کو اپنا شہنشاہ تسلیم کر لیتے اور اگر کوئی مرد باقی نہ رہتا تو عورت ہی کو تاج شہنشاہی پہناتے۔ چنانچہ شیرویہ کے بعد اس کے سات سالہ بچے اردشیر کو شہنشاہ تسلیم کیا گیا۔ اور خسرو پرویز کے بیٹے فرخ زاد خسرو کو طفلی کی حالت میں لوگون نے بادشاہ بنایا اور کسریٰ کی لڑکی بوران بھی تخت نشین ہوئی اور دوسری بیٹی آزرمی دخت بھی حکومت کرچکی ہے[۱۹]۔

اونچ نیچ کا فرق، طبقوں کا تفاوت اور پیشوں کی تقسیم، ایرانی سوسائٹی اور زندگی کا اٹل قانون تھا، جس میں ردو بدل ممکن نہ تھا پروفیسر آرتھر کرسٹن سین کا بیان ہے:

"سوسائٹی کے مختلف طبقوں کے درمیان ناقابل عبور فاصلہ تھا[۲۰]۔ حکومت کی

طرف سے عوام کو ممانعت تھی کہ وہ طبقہ امراء سے کسی کی جائیداد کو خرید سکیں،[۲۱] سیاست ساسانی کا یہ محکم اصول تھا کہ ہر گز کوئی شخص اپنے اس رتبہ سے بلند تر رتبہ کا خواہاں نہ ہو، جو اس کو پیدائشی طور پر یعنی از روئے نسب حاصل ہے[۲۲]۔ کوئی شخص مجاز نہ تھا کہ سوائے اس پیشہ کے جس کے لیے خدا نے اسے پیدا کیا ہے، کوئی دوسرا پیشہ اختیار کر سکے۔

شاہانِ ایران حکومت کا کوئی کام کسی نیچ ذات کے آدمی کے سپرد نہیں کرتے تھے۔ عوام کی مختلف جماعتوں میں نہایت صریح امتیاز تھا۔ سوسائٹی میں ہر شخص کی ایک معین جگہ تھی[۲۳]۔

فارس میں جنسی بے راہروی اور ملکی حالات

ایران اور روم دنیا کی پرانی تہذیبوں کی بانی حکومتیں ہیں، لیکن انسانیت کی دشمن سرگرمیوں کا پرانا مرکز بھی یہی حکومتیں رہی ہیں۔ ان میں ہمیشہ اخلاقی قدریں پامال ہوتی رہیں۔ جن رشتوں سے ازدواجی تعلقات پر زد پڑتی ہے۔ ایرانیوں کو ان رشتوں کی حرمت و کراہت سے بالکل انکار نہ تھا مثلاً یزد گرد دوم پانچویں صدی کے حکمران نے اپنی بیٹی کو اپنی زوجیت میں رکھا پھر اسے قتل کر دیا[۲۴]۔

بہرام چوبین چھٹی صدی عیسوی کے حکمران نے اپنی بہن سے اپنا ازدواجی تعلق رکھا[۲۵]۔ پروفیسر آرتھر کرسٹن سین کے بیان کے مطابق اس قسم کا رشتہ ایران ہیں کوئی ناجائز فعل تصور نہیں کیا جاتا تھا بلکہ ایک عبادت اور کار ثواب سمجھا جاتا تھا۔

مشہور چینی سیاح زھوئن سیانگ کا بیان ہے کہ "ایرانی قانون معاشرت میں ازدواجی تعلقات کے لئے کسی رشتہ کا بھی استثناء نہ تھا"[۲۶]۔

فارس میں مانی کی تحریک اور اس کا انجام

تیسری صدی عیسوی میں شاہ بور بن ازدشیر کے زمانے میں یہ شخص سامنے آتا ہے۔

یہ تحریک ملک کے بڑھتے ہوئے شدید شہوانی رجحان کا ایک غیر فطری اور سخت رد عمل تھا اور نور و ظلمت کی مفروضہ کش مکش کا نتیجہ تھا۔ اس نے تجرد کی زندگی اختیار کرنے کی دعوت دی تاکہ دنیا سے شر و فساد کے جراثیم ہی ختم ہو جائیں۔ اس لیے اس نے نکاح کو حرام قرار دیا تاکہ انسان جلد سے جلد فنا ہو جائے اور نسل انسانی منقطع ہو کر نور و ظلمت پر دائمی فتح حاصل ہو۔ "بہرام نے ۲۷۶ء میں مانی کو قتل کر دیا تھا کہ اس کا مقصد پورا ہونے سے قبل اس کو ختم ہو جانا چاہیے"[۲۷]۔

ایران میں مزدک کی تحریک اور اس کا انجام

۴۸۷ء میں مزدک کی تحریک اٹھی اس نے اعلان کیا کہ تمام انسان یکساں طور پر پیدا ہوئے ہیں، اس لئے ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں۔ لہذا ہر ایک کو دوسرے کی ملکیت میں مساوی حقوق حاصل ہیں اور چونکہ مال و عورت ہی دو ایسے عناصر ہیں جن کی حفاظت و نگرانی کا انسان اہتمام کرتا ہے اس لئے ان میں مساوات و اشتراک کی سخت ضرورت ہے۔ شہرستانی کا بیان ہے کہ "مزدک نے تمام عورتوں کو سب کے لئے حلال قرار دے دیا اور مال، زن کو آگ، پانی اور چارہ کی طرح مشترک اور عام کر دیا"[۲۸]۔

اس تحریک کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی، طُرفہ و تماشہ یہ کہ اس کی سرپرستی شاہ ایران قباد نے کی۔ نوجوانوں نے اس تحریک کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور پورے ایران میں جنسی انار کی اور شہوانی بحران پیدا ہو گیا۔ طبری کا بیان ہے "اوباش اور آوارہ مزاج لوگوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور مزدک اور مزدکیوں کے پرجوش ساتھی اور دست و بازو بن گئے۔ عام شہری اس بلائے ناگہانی کا شکار تھے، اس تحریک کا اتنا زور ہوا کہ جو چاہتا، جس کے گھر میں چاہتا، گھس آتا اور مال و زن پر قبضہ کر لیتا اور صاحب مکان کچھ بھی نہ کر سکتا۔ ان مزدکیوں نے قباذ کو ابھارا اور اس کو معزولی کی دھمکی دے کر تیار کر لیا کہ وہ بھی اس دعوت کو اپنائے۔ نتیجہ

یہ ہوا کہ دیکھتے ہی دیکھتے یہ عالم ہو گیا کہ نہ باپ اپنے لڑکوں کو پہچان سکتا تھا اور نہ ہی لڑکا اپنے باپ کو۔ کسی کا بھی اپنی ملکیت پر اختیار اور قبضہ نہیں تھا[۲۹]۔

طبری کا بیان ہے کہ: "اس تحریک سے پہلے قباذ ایران کے اچھے فرمانرواؤں میں تھا لیکن مزدک کی پیروی کی وجہ سے حدود مملکت اور سرحدوں میں پراگندگی اور ابتری پھیل گئی[۳۰]۔

کسریٰ انوشیروان نے اس تحریک کو ختم کیا اور بانی تحریک مزدک کو قتل کروا کر سولی پر لٹکایا، اور اس کے ساتھ ہی اس کے ایک لاکھ پیروکاروں کو ایک ہی دن میں قتل کروادیا[۳۱]۔

اسی انوشیروان کے آخری زمانہ میں نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی[۳۲]۔ اور اسی کے پوتے خسرو پرویز نے جو کہ ہرمز کا بیٹا تھا، اس نے نبی کریم ﷺ کے نامہ مبارک کو چاک کیا تھا جس کے بارے میں حضور ﷺ نے بد دعا کی تھی۔ تو اس کے بیٹے شیرویہ نے اس کو قتل کر دیا تھا[۳۳]۔

سلطنتِ فارس کا سیاسی نظام

۵۷۹ء میں جب کسریٰ انوشیروان کا انتقال ہو گیا تو اس کی جگہ اس کا بیٹا ہرمز چہارم اورنگ تخت شاہی پر بیٹھا۔ اس کی ماں خاقان اعظم کی بیٹی تھی۔

یہ بہت ظالم اور جابر تاجدار تھا۔ اس لیے اس کی رعایا اس سے باغی ہو گئی۔ وہ اس بغاوت ہی کے فرو کرنے میں مصروف رہا۔ اور سلطنت کی سرحدوں کی حفاظت پر توجہ نہ دے سکا۔ جس کی وجہ سے رومیوں کو میدان صاف ملا اور وہ عراق کی جانب سے بلا تکلف ملک میں بڑھتے چلے گئے۔ اس طرف سے رومیوں نے قتل و غارت شروع کردی اور دوسری جانب شمالی اور مشرقی سرحدات پر تاتاری قوموں نے لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ قریب تھا کہ بیرونی حملہ آوروں اور اندرونی خلفشار کی وجہ سے سلطنت فارس کا وجود صفحۂ ہستی سے مٹ

جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ملک فارس کو ایک دلیر اور مدبر جنرل بہرام عطا فرمایا جس نے
تھوڑی سی مدت میں ملکی بغاوت، رومی فتوحات اور تاتاری حملوں کا رخ پھیر دیا، اس کی
فتوحات اور شجاعت و مردانگی دیکھ کر اہلِ فارس اس کی طرف مائل ہوگئے۔ بہرام نے موقع
سے فائدہ اٹھاتے ہوئے رائے عامہ کو ہرمز کے حق میں مزید خراب کرنے کی کوشش کی۔
اس نے تاتاری خاقان شاہ شابہ کو شکست دے کر اس کو قتل کردیا[۳۴]۔ اور ہرمز کو لکھ
بھیجا اس نے مسرت کا اظہار کیا اور پوری مملکت میں اس کی تشہیر کی[۳۵]۔

تاتاری شاہ شابہ کے قتل کے بعد اس کے بیٹے برموزہ بن شابہ نے لشکر کشی کی اور
بہرام کے مقابلے میں صف آرا ہوا۔ ایک شدید لڑائی کے بعد برموزہ قلع بند ہوگیا۔ اس نے
شاہ فارس شاہنشاہ ہرمز سے امان چاہی۔ بہرام نے شاہ کو لکھ بھیجا اس نے منظور کرلیا۔ اور
بہرام کو امان دینے اور نرمی کے ساتھ پیش آنے کی ہدایت کی۔ شاہ نے اپنے خصوصی ایلچی
بہرام کے پاس بھیجے۔ برموزہ قلعہ سے باہر آیا اور ہرمز کے پاس پہنچ گیا[۳۶]۔ اس نے اس
کی بہت عزت کی اور حسنِ سلوک کا اظہار کیا اور اپنے برابر تخت پر بٹھایا۔ برموزہ نے ہرمز کو
تمام حالات سے آگاہ کردیا اور ساتھ ہی ان تمام خزانوں اور ساز و سامان کا بھی ذکر کردیا جو
بہرام نے خفیہ طور پر چھپا کر اپنے پاس رکھے تھے۔ اور یہ کہا کہ جو مال و دولت اس کے ہاتھ لگا
ہے اس میں سے بہت کم حصہ اس نے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ اس پر ہرمز نے بہرام کو
لکھا کہ جو کچھ مال و دولت تمہارے ہاتھ لگا ہے وہ جلد میرے پاس بھیج دے۔ اس پر بہرام
سخت برہم ہوا اور اس نے اپنے سپاہیوں کو بھی خبردار کردیا اور ہرمز کو نہایت برے انداز
میں پیش کیا۔ جس پر اس نے اور اس کے سپاہیوں نے صاف انکار کردیا۔ جب ہرمز کو اس
کا علم ہوا تو وہ بہت غمگین ہوا۔ اور بہرام اور اس کے سپاہیوں کو عذر لکھ بھیجا لیکن بہرام اور
اس کے ساتھیوں نے اس کو قبول نہ کیا اور بہرام نے اپنے سفیر کے ہاتھ ہرمز کے پاس
ایک تھیلا بھیجا جس میں مڑی ہوئی چھریاں تھیں۔ جب ہرمز نے دیکھا تو اسے معلوم ہوگیا کہ

وہ باغی ہوگیا ہے۔ ہرمز نے چھریون کے کنارے کاٹ کر واپس بہرام کو بھجوادیئے۔ بہرام کو بھی اس کے ارادے کا علم ہوگیا۔ تو اس نے تاتاری بادشاہ خاقان سے اس بات پر صلح کرنے کی آمادگی ظاہر کی۔ کہ وہ تمام چیزیں اور اراضی واپس لوٹادے گا جو اس نے زبردستی چھینی ہیں (۳۷)۔

بہرام کی انتہائی کوشش یہ تھی کہ وہ ہرمز اور اس کے بیٹے پرویز کے درمیان کشیدگی پیدا کردے کیونکہ اگر پرویز اپنے باپ پر غلبہ حاصل کرلے گا تو اس سے بہرام کو فائدہ ہوگا (۳۸)۔

کیونکہ ہرمز نے بہرام کو ترکی بہ ترکی جواب دیا تھا اس لئے بہرام اور اس کے ساتھی ناراض ہوگئے تھے یعقوبی نے لکھا ہے کہ:

"اس بات سے ہرمز کی پوزیشن کمزور ہوگئی اور اس کی فوج اس کے خلاف ہوگئی وہ اس پر ناراض تھے اور اس کی حکومت کو ناپسند کرتے تھے۔ انھوں نے ہرمز کے بیٹے پرویز کو خط لکھا۔ وہ آذر بائیجان سے ایک لشکر سمیت آیا۔ اہلِ فارس نے ہرمز کو تخت سے اتار دیا اور اس کی جگہ پرویز کو بادشاہ بنالیا، ہرمز کو گرفتار کرکے جیل بھیج دیا گیا۔ اس کی دونوں آنکھیں پھوڑ دی گئیں۔ اور وہ ایک عرصہ تک قید میں رہا" (۳۹)۔

ایرانی بادشاہ کی شہنشاہِ روم کے دربار میں سفارت

بہرام نے پرویز کی بادشاہت کو تسلیم نہ کیا اور اسے ذلیل و خوار کرنے کی انتہائی کوشش کی۔ پرویز خفیہ طور پر قسطنطنیہ بھاگ گیا اور شہنشاہ موریس سے اپنا آبائی ملک حاصل کرنے کے لیے امداد مانگی۔ تاریخ یعقوبی میں ہے: "شہنشاہ روم نے اس معاملہ میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا۔ کچھ لوگوں نے مشورہ دیا کہ اس کی پیش کش کو قبول نہ کیا جائے اور بعض نے کہا، کہ قبول کرلیا جائے۔ چنانچہ شاہ نے امداد دینے کے علاوہ اپنی بیٹی کا نکاح بھی

اس کے ساتھ کردیا۔ اور اسے ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ واپس روانہ کیا۔ اور اس پر کچھ شرائط بھی عائد کیں، جب کہ اس کو مکمل فتح حاصل ہوجائے۔ کسریٰ نے اپنے ساتھیوں میں سے تین آدمیوں کو بطور سفیر خاص بھیجا اور انہیں ہر وہ شرط قبول کرنے کی ہدایت کی جو بھی شاہنشاہ روم عائد کرے۔ شاہ روم نے اپنی بیٹی اور عظیم الشان لشکر کو اپنے بھائی ثیادوس کی سرکردگی میں روانہ کیا۔ ان کے ساتھ ایک ایسا شخص بھی تھا جو ایک ہزار مردوں کے ہم پلہ تھا۔ کسریٰ شاہِ روم کی بیٹی کے ساتھ شادی کرنے کے بعد لشکر لے کر آذر بائیجان کی طرف چل پڑا"[۴۰]۔

ملک بچانے کے لیے سفارت

شاہِ فارس کسریٰ نے جب بہرام پر قابو پالیا تو بہرام شکست خوردہ ترک بادشاہ خاقان کے پاس چلا گیا۔ خاقان کا ایک بھائی تھا جو اس سے دشمنی رکھتا تھا۔ بہرام نے موقع پاکر خاقان کے سامنے اس کے بھائی کی برائی کی۔ جس کا اس کے بھائی کو علم ہوگیا۔ اس نے بہرام کو دھمکی دی۔ تو بہرام نے کہا جب جی چاہے میرے ساتھ مقابلہ کرلینا۔ چونکہ خاقان اپنے بھائی سے نالاں تھا اور وہ اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے اپنے بھائی اور بہرام کو ایک ایک تیر کمان دے کر شہر سے باہر جا کر مقابلہ کرنے کے لیے کہا۔ خاقان کے بھائی نے بہرام پر وار کیا۔ تو اس سے اس کے ہتھیار ٹوٹ گئے۔ لیکن جب بہرام نے اس کو پھینکا تو خاقان کا بھائی مر گیا۔ خاقان بغض و عناد کی وجہ سے اپنے بھائی کے مارے جانے پر بہت خوش ہوا۔ کیونکہ اس کی موجودگی کے سبب وہ اس سے ڈرتا تھا[۴۱]۔

کسریٰ پرویز کی شاہ خاقان کے پاس سفارت اور سفیر کی سیاسی چال

ادھر پرویز کسریٰ بہرام کو شاہ خاقان کے پاس دیکھ کر خوف محسوس کرتا تھا اور اس کی طرف سے کسی وقت بھی خطرے میں پڑنے کا امکان تھا۔ اس نے فارس کے سر کردہ لوگوں

میں سے ایک شخص کو جس کا نام بہرام جزا بزین تھا خاقان کے پاس عمدہ تحائف دے کر بطور سفیر خاص بھیجا کہ وہ شاہ خاقان سے بہرام شوبین کو واپس کرنے کی درخواست کرے اور انتہائی عاجزی سے اس کے معاملے کو پیش کرے۔ بہرام جزا بزین تحائف لے کر خاقان کے پاس پہنچا اور بہرام شوبین کے بارے میں اپنی درخواست پیش کی۔ لیکن اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔

پھر وہ خاقان کی بیوی کے پاس گیا اور اسے ہیرے جواہرات اور قیمتی سامان پیش کر کے اپنا مدعا بیان کیا۔ اس نے اپنے آدمیوں میں سے ایک شخص کو بلایا جو بہت بلند ہمت، بہادر اور مضبوط دل تھا۔ اس نے اس سے کہا کہ بہرام شوبین کو جا کر قتل کر دو، وہ گیا۔ اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ چونکہ وہ خواب گاہ میں تھا۔ اس لیے اس نے اجازت نہ دی۔ اس نے کہا کہ مجھے شاہ خاقان نے ایک نہایت ضروری کام کے لیے بھیجا ہے۔ تو اس نے اجازت دے دی۔ جب وہ اندر داخل ہوا تو اس نے کہا بادشاہ نے مجھے ایک خط دیا ہے جسے میں آپ کو خفیہ طریقے سے ایسی جگہ دوں گا جہاں کوئی بھی موجود نہ ہو تو بہرام اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کے اتنا قریب ہو گیا گویا اس سے سرگوشی کر رہا ہے۔ ایلچی نے اپنی بغل میں سے ایک تیز دھار خنجر سے اس کو گھائل کر دیا اور خود جلدی سے بھاگ کر گھوڑے پر سوار ہو کر نکل گیا"[۴۳]۔

ان تمام حالات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سلطنت فارس میں سفارتی نظام کن خطوط پر استوار کیا جاتا تھا۔ اور اس کی حیثیت کیا تھی۔ کیونکہ ان کے پیش نظر کوئی لائحہ عمل نہیں تھا ماسوائے اس کے کہ اپنے اقتدار کا تحفظ کرنا۔ اس کے لئے انہوں نے اپنے حقیقی بھائیوں تک کو قتل کروا دیا۔

سلطنتِ فارس کی مرکزی حیثیت

اردشیر کے زمانہ میں ملک فارس کو بہت وسعت حاصل ہوئی اس نے آذر بائیجان اور

آرمینیہ دونوں ملکوں کو فتح کر کے ساتھ شامل کرلیا مشرق کی طرف سے اس نے ملک سیستان ابہر شہر (جو آجکل خراسان کا علاقہ کہلاتا ہے)۔ مرو، خوارزم اور باختر کو بھی زیر نگین کر کے اپنی سلطنت کی توسیع کی[۴۳]۔

طبری کے مطابق "شاہ کوشان نے جس کے قبضے میں اس وقت وادی کابل، پنجاب، طوران، مکوران، (کوئٹہ کے جنوب کا علاقہ) مکران (خلیج عمان، اور بحر ہند کے ساحل کا علاقہ) وغیرہ تھے، اردشیر کے پاس سفیر بھیجے اور اس کی حکومت کو تسلیم کیا، لہذا اس کی سلطنت اتنی وسیع ہو گئی کہ اس میں ایران، افغانستان، بلوچستان، صحرائے مرو، علقہ خیوہ تا جیحون شمال کی جانب میں اور مغرب میں بابل اور عراق شامل تھے[۴۴]۔

اردشیر نے دارالسلطنت طیسفون کی فتح کے تھوڑا عرصہ بعد شہنشاہ ایران کا لقب اختیار کر کے باقاعدہ تاجپوشی کی۔

اسی طرح اہلِ فارس نے تمام ایران کے لوگوں پر اپنا تسلط قائم کر کے ایک نئی مشرقی سلطنت کی بنیاد ڈالی، جو رومن ایمپائر کے دوش بدوش چلتی رہی، اس سے رومیوں نے اندازہ کرلیا کہ نئی سلطنت پرانی کی نسبت زیادہ طاقتور اور رومن ایمپائر کی مشرقی سرحدوں کے لئے زیادہ خطرناک ہے[۴۵]۔

فارس تک تجارتی راستے

مشہور چینی سیاح ہیوٹن سیانگ اپنے سفر نامہ میں لکھتا ہے کہ "ایران کی صنعتی پیداوار میں سونے، چاندی، تانبے اور بلور کی بنی ہوئی چیزیں، نایاب قسم کے موتی اور دوسری مختلف قسم کی قیمتی اشیاء شامل ہیں یہاں کے کاریگر ریشم کا نہایت باریک دبیا، اونی کپڑے اور قالین وغیرہ بن سکتے تھے"[۴۶]۔

چونکہ ایران کی صنعتوں میں پارچہ بافی عمدہ اشیاء میں شمار ہوتی رہی ہے۔ لہذا اسے

عروج تک پہنچانے کی پوری کوشش کرتے رہے تاکہ اپنی صنعتوں کی بدولت دوسرے ملکوں سے تجارتی تعلقات قائم رہیں۔ اس طرح روابط و ضوابط بھی رکھے جاسکتے تھے۔ لہذا خشکی کے راستے سے جو تجارت ہوتی تھی اس کے لیے قدیم کاروانی راستے استعمال کئے جاتے تھے۔ طیسفون سے جو دجلہ کے کنارے پر سلطنت کا پایۂ تخت تھا! ایک شاہراہ حلوان اور کنگاور ہوتی ہوئی ہمدان پہنچتی تھی۔ جہاں سے مختلف راستے مختلف سمتوں کو جاتے تھے ایک جنوب کو جو خوزستان اور فارس میں سے گذرتا ہوا خلیج فارس تک پہنچتا تھا۔ دوسرے رَے کو (جو طہران جدید کے قریب واقع تھا) جہاں سے گیلان اور کوہستان البرز کی تنگ گھاٹیوں کو طے کرتا ہوا بحر خزر تک جاتا تھا یا خراسان میں سے گزر کر وادی کابل کی راہ سے ہندوستان میں جا داخل ہوتا تھا یا ترکستان اور گزرگاہ تارم میں سے ہو کر چین پہنچ جاتا تھا۔

سمندر کے راستے کی تجارت بہت اہم تھی۔ اس لیے اس کے لیے بہت سی اہم بندرگاہیں تعمیر کروائی گئیں۔ رینو لکھتا ہے کہ:

"ایرانیوں نے عربوں کے ساتھ مل کر جہازوں کا ایک معقول بیڑا تعمیر کرلیا۔ ایرانی جہاز مشرقی سمندروں میں یکے بعد دیگرے نمودار ہوتے گئے شروع شروع میں تو رومی اور حبشی جہازوں کے ساتھ رقابت رہی لیکن آخر میں ایرانیوں کی بحری طاقت کو غلبہ ہو گیا[۴۷]۔

مال تجارت جو ایران میں سے ہو کر گزرتا تھا اس میں سب سے اہم چیز ریشم تھی چین سے جتنا ریشم ایران میں لایا جاتا تھا اہل ایران اس کے بہت بڑے حصے کو خود کپڑا بننے کیلئے رکھ لیتے تھے اور مغربی ممالک میں جس قیمت پر چاہتے تھے فروخت کرتے تھے لیکن چھٹی صدی سے اہل روم نے خود اپنے ہاں ریشم کے کیڑے پالنے شروع کئے۔ اس طرح وہ ریشم کی صنعت میں خود کفیل ہوگئے۔ ایران کے راستے شام کے قیمتی پتھر (قدرتی اور مصنوعی) بحر قلزم کے مرجان اور موتی شام اور مصر کے بنے ہوئے کپڑے اور مغربی ایشیا کے مسکرات بھی چین میں ایران کے راستے سے جاتے تھے[۴۸]۔

ان حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ فارس کو دنیا میں کیا خصوصیت حاصل تھی اور پوری دنیا کے لیے تجارتی راستے ایران ہی سے ہو کر گزرتے تھے۔

فارس کا سفارتی نظام

تجارت کے ذریعے سفارت

پروفسیر آرتھر کرسٹن سین لکھتے ہیں کہ: "مشرقی ایران اور اس کے آس پاس کی ریاستیں خاصی خوش حال تھیں لیکن چند جنگ جو خانہ بدوش قبائل بیرون علاقوں سے ان اطراف میں آن گھسے تو ان کے آنے کے باوجود وہاں کے اصلی باشندوں کی زندگی میں کوئی بڑے تغیرات پیدا نہیں ہوئے، بے شک چند اجنبی سردار جن کی تعداد نسبتاً بہت تھوڑی تھی حکومت پر قابض ہوگئے لیکن ان نئے حاکموں نے جہاں تک ہوسکا محکوم اقوام کے تمدن کے ساتھ موافقت اختیار کرلی لیکن ساتھ ہی یونانی تمدّن کے بچے کھچے آثار صدیوں تک ان اجزاء کے ساتھ مل جل کر باقی رہے جن کا منبع ایرانی اور ہندوستانی تمدن تھا ان حکومتوں کے ماتحت جو یکے بعد دیگرے آئیں۔ امن پسند لوگ اپنی منفعت بین الاقوامی تجارت مسلسل کرتے رہے۔ تجارتی تعلقات شاذو نادر ہی خلل پذیر ہوئے اور شاہنشاہ چین مغربی ممالک کے ساتھ تجارتی وسائل میں آسانیاں حاصل کرنے کی خاطر وسط ایشیا کی ان ریاستوں کے ہاں اکثر اپنے سفیر بھیجتے رہے"(۴۹)۔

دراصل تجارت ایک ایسا پیشہ ہے جس کے لیے وسیع ملکی تعلقات کی ضرورت ہے کیونکہ ہر ملک کی اپنی پیداوار و صنعت و حرفت اسی ملک تک محدود نہیں رہتی بلکہ اسے اپنے مال کی کھپت کے لیے بیرونی منڈیوں کی تلاش ہوتی ہے جیسے آجکل امریکہ، برطانیہ، روس، فرانس وغیرہ کو اپنے جنگی سامان اور اسلحہ کی فروخت کی فکر دامن گیر ہے۔ اور وہ نئی سے نئی

ایجاد کو منہ مانگے داموں فروخت کر رہے ہیں۔ اسی ضرورت کی بنا پر ہر ملک ان کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش میں ہے۔ اس طرح ان ممالک کا سفارتی و تجارتی تعلق و رابطہ پوری دنیا کے ساتھ ہے۔ بعینہٖ اس دور میں فارس کو مال و اسباب اور صنعت و حرفت کی وجہ سے یا دیگر ممالک کو اپنا مال گزارنے کے لیے فارس کے علاقوں میں سے گزرنے کے لیے فارس سے تعلقات استوار کرنے کی ضرورت تھی نیز دیگر ممالک میں تجارت کے معاملات کو بہتر سے بہتر اور راستوں کو ملکی ضروریات کے مطابق بنانے کے لیے اپنے نمائندے اور سفیر بھیجنے کی ضرورت پڑتی تھی لہذا انہیں اس معاملے میں معاہدے بھی کرنے پڑتے تھے اور بعض خودسر حکومتیں ان کی خلاف ورزی کرنے میں بھی کوئی باک نہیں سمجھتی تھیں۔ جیسا کہ کیکاؤس شاہ فارس کے بیٹے سیاہ وخش کے ساتھ کئے گئے معاہدہ کی خلاف ورزی کرکے ترک شاہنشاہ افراسیاب نے اسے قتل کروا دیا تھا[۵۰]۔

جس کا بدلہ کیکاؤس کے پوتے کیخسرو نے افراسیاب پر قابو پانے کے بعد اس طرح ذبح کرکے لیا جس طرح اس نے اس کے باپ کو ذبح کیا تھا[۵۱]۔

تجارتی سفروں کے لیے روما اور فارس کے مابین معاہدے

۱۔ پہلا معاہدہ

تجارت سفارتی تعلقات کا ایک ذریعہ تھا جس کے لئے حکومتوں کے مابین معاہدات نہایت ہی ناگزیر تھے شاہ نرسی اور قیصر ڈائیو کلیشین کے درمیان ۲۹۸ء میں صلح نامہ طے ہوا تھا جس میں ایک شرط یہ تھی کہ رومن ایمپائر کی طرف آمد و رفت اور تجارتی سفروں کے لئے سابقہ راستہ اور اہم مرکز شہر نصیبین ہی کو دونوں ملکوں (رومن ایمپائر اور فارس) کے درمیان آمد و رفت کا واحد مرکز برقرار رکھا جائے لیکن صلح نامے کی اس شرط کو نرسی شاہ فارس نے

قبول نہ کیا[۵۲]

۲۔ دوسرا معاہدہ

مؤرخ مار سیلینوس کے زمانے سے شہر بٹنی میں جو فرات کے مشرقی کنارے کے قریب واقع تھا ہر سال ستمبر کے شروع میں ایک بہت بڑا میلہ لگتا تھا جس میں ہندوستان اور چین کا مال تجارت بکثرت آکر فروخت ہوتا تھا، قیصر ہونوریوس (HONORIUS) اور تھیوڈوسیوس صغیر (THEODOSIUS THE YOUNGER) کے ایک فرمان مجریہ ۴۱۰ء کی رو سے جن شہروں میں ایرانیوں کے ساتھ تجارتی لین دین کی اجازت تھی ان میں سے ایک تو مشرق میں دجلہ کی جانب شہر نصیبین تھا اور مغرب میں فرات کی جانب شہر کیلی نیکوس، چونکہ نصیبین اور سنگارا (سنجار) کے باشندے ان شہروں کو خالی کر گئے تھے لہذا ۳۶۳ء کے صلح نامے کی رو سے وہ سلطنت روم کے حوالے کر دئیے گئے[۵۳]۔

۳۔ تیسرا معاہدہ

۵۶۲ء میں خسرو اول (انوشیروان) اور قیصر جسٹینین (JUSTINIAN) کے درمیان صلح نامہ طے ہوا جس کی شرط میں یہ طے ہوا تھا کہ اس صلح نامے کی دفعہ (۳) میں یہ قرار پایا کہ ایرانی اور رومی تاجر ہر قسم کا مال تجارت اسی طرح لاتے اور لے جاتے رہیں جیسا کہ وہ ہمیشہ سے کرتے آئے ہیں لیکن چاہئے کہ کل مال تجارت محصول خانوں میں سے ہو کر جائے اور دفعہ (۴) میں یہ شرط لکھی گئی کہ فریقین کے سفیر اور سرکاری قاصد اس بات کے مجاز ہوں گے کہ جب وہ فریق ثانی کے ملک میں وارد ہوں تو ڈاک کے گھوڑوں کو سواری کے لئے استعمال کر سکیں اور ان کے ہمراہ خواہ کتنا ہی مال کیوں نہ ہو اس کو بلا رکاوٹ جانے دیا جائے اور اس پر کوئی محصول نہ لیا جائے[۵۴]۔

گویا فارس کو مرکزی مقام کی حیثیت حاصل تھی اس لیے پوری دنیا کے ساتھ اس کے

سفارتی روابط قائم تھے جو تجارت کی شکل میں استوار تھے۔

سفیر کے بارے میں ایرانی بادشاہ کے تاثرات

ایرانی بادشاہ اردشیر بن بابک سفیر کے بارے میں کہا کرتا تھا کہ: "کتنے ہی خون ہیں، جو سفیر کے کہنے پر ناحق بہائے گئے، کتنے ہی لشکر ہیں، جنہیں قتل و غارت کر دیا گیا، کتنی ہی فوجیں ہیں، جن کو شکست کا سامنا کرنا پڑا، اور کتنی ہی عزتیں ہیں، جو پامال کر دی گئیں، اور مال جو کہ لوٹ لئے گئے اور کتنے ہی عہد و پیمان اور معاہدے ہیں، جو سفیر کی خیانت اور اس کی دروغ گوئی کی وجہ سے توڑ دئے گئے"(۵۵)۔

ایرانی بادشاہ اردشیر بن بابک نے سفیر کے بارے میں جن ذاتی تاثرات کا اظہار کیا ہے، اس کے مطابق اسے تلخ تجربات ہیں، کہ سفیر کی ایک ادنیٰ سی بات دونوں حکومتوں کے درمیان بہت بڑی خلیج حائل کر سکتی ہے اس لئے بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے اردشیر نے سفیر کی رپورٹ کی تصدیق کے لئے اپنا ذاتی لائحہ عمل تیار کیا ہے تاکہ کسی قسم کی بے لطفی اور بد نظمی پیدا نہ ہونے پائے لہذا سفیر کی بات کی پوری طرح چھان بین کر لی جائے۔

اس کا کہنا ہے کہ بادشاہ جب اپنے سفیر کو کسی دوسری حکومت میں بھیجے تو اس کے پیچھے ایک دوسرے سفیر کو بھی لگادے اور اگر دو سفیر بھیجے تو دو شخص اس کی نگرانی کے لیے مقرر کردے جو اس کی حرکات و سکنات کا جائزہ لیتے رہیں، اگر ممکن ہو تو ان سفیروں اور دونوں شخصوں کو راستے میں اکٹھا ہونے کا موقع نہ دے اور نہ ہی وہ آپس میں ملاقات کر سکیں، اور نہ ہی ایک دوسرے کو پہنچان سکیں۔

پھر بادشاہ پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ دیکھے کہ دوسرے بادشاہ کی طرف سے اس کے پاس جو سفیر اچھا یا برا پیغام یا خط لے کر آئے تو اس کے بارے میں اس وقت تک اپنے کسی

اچھے یا برے تاثر کا اظہار نہ کرے، جب تک کہ کسی دوسرے قاصد کے ذریعے اس کے خط کی ہو بہو نقل کر کے اس کے پاس دوبارہ بھیج کر اس کی تصدیق نہ کر لے، کیونکہ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ سفیر یا قاصد متوقع باتوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کر دیتا ہے اور اس میں اپنی طرف سے ایسی باتوں کا اضافہ کر دیتا ہے، جو توقعات کے خلاف ہوتی ہیں، اور مُرسل (بھیجنے والے کو) کو مُرسَل الیہ (جس کی طرف بھیجا گیا ہو) کے خلاف برانگیختہ کر دیتا ہے تو وہ دھوکے میں آجاتا ہے اور بہتان تراشی کرتا ہے اور جھوٹا تصور کرنے لگتا ہے"[56]۔

اس طرح ایک، تو خبر کی تصدیق ہو جائے گی دوسرے ہر سفیر محتاط رہتے ہوئے صحیح خبر دینے کی کوشش کرے گا۔ جس سے کئی قسم کی قباحتوں سے دوچار نہیں ہونا پڑے گا۔

ایران میں سفارت کاری کے اصول و ضوابط

بادشاہ کے دربار میں ہمیشہ اجنبی اور دور دراز کی قوموں کے سفیر آتے رہتے تھے[57]۔ ان کی بڑی خاطر کی جاتی تھی جب کوئی سفیر وارد ہوتا تھا، تو حاکم سرحد فوراً اس کی اطلاع بادشاہ کو پہنچاتا تھا۔ ہر صوبے کا گورنر جس میں سے وہ گزرتا تھا اس بات کا اہتمام کرتا تھا کہ ہر مقام پر سفیر کے رتبے کے مطابق اس کے ٹھہرنے کی جگہ تیار رہے۔ جب گورنر کو اس کی آمد کا مقصد معلوم ہوتا تھا تو وہ بادشاہ کو اس سے مطلع کرتا تھا۔ تب بادشاہ کی طرف سے ایک جلوس اس کے استقبال کو جاتا تھا اور اپنے ساتھ اسے شاہی محل میں لاتا تھا۔ اس کے بعد اسے باضابطہ دربار میں باریاب کرتا تھا اس طرح وہ خود تخت پر بیٹھتا تھا اور ارکانِ سلطنت اس کے گرد کھڑے ہوتے تھے[58]۔

سفیر سے وہ اس کا نام اور سفر کے حالات دریافت کرتا تھا اور پھر اس کے آنے کا مقصد پوچھتا اور اس کے ملک کے حالات، اس کے بادشاہ اور اس کی فوج کے متعلق معلومات حاصل کرتا۔ اس کے بعد بادشاہ بڑے جاہ و جلال اور پرشکوہ طریقے کے ساتھ جو ایک سفیر کے شایان شان ہوتا اسے اپنے ساتھ محل میں لے جاتا اور اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتا، شکار میں ساتھ

لے جاتا اور بالآخر اسے خلعت دے کر مناسب رسم و رسوم کے ساتھ جو سفیر کی شان کے لائق ہوتی تھیں، اسے رخصت کرتا تھا(۵۹)۔

کوئی شخص براہِ راست دربار میں نہیں جاسکتا تھا۔ دربار تو درکنار وہ یہ بھی نہیں کرسکتے تھے کہ سیدھے اور آسان ترین راستے سے پایۂ تخت کی طرف آسکیں بلکہ ان سفیروں اور قاصدوں اور مسافروں کو سرحدی شہروں میں سے کسی ایک میں روک لیا جاتا تھا(۶۰)۔ شام کی طرف سے آنے والوں کو ھیت میں، حجاز کی طرف سے آنے والوں کو العذیب میں، فارس کی طرف سے آنے والوں کو صریفین میں، ترکستان سے آنے والوں کو حلوان میں، خزر اور الان کی طرف سے آنے والوں کو الباب والابواب (دربند) میں، ان شہروں میں سفراء اور قاصدوں کی پوری رپورٹ باشاہ کو بھیجی جاتی تھی اور جب تک بادشاہ کی طرف سے ان کے متعلق کوئی فیصلہ صادر نہ ہوتا وہ اپنے سفر کو جاری نہیں رکھ سکتے تھے(۶۱)۔

اس سے ظاہر ہے کہ سفیر کو اپنے آنے کا مقصد بادشاہ کی ملاقات سے پہلے بیان کردینا پڑتا تھا تاکہ اس کا جواب تیار رکھا جائے فوج کا اعزازی دستہ جو اس کے استقبال کے لئے جاتا تھا اس بات پر بھی مامور ہوتا تھا کہ جہاں تک ہوسکے، احتیاط کریں کہ وہ ملک کے حالات کو زیادہ بھانپنے نہ پائے(۶۲)۔

قیصر روم کے سفیر کی رپورٹ

ایک مرتبہ اختتام جنگ کے بعد جب خسرو پرویز عراق واپس آیا، تو مختلف بادشاہوں کے سفیر اس کے دربار میں حاضر ہوئے۔ ان میں قیصر روم کا سفیر بھی تھا۔ اس نے شاہی محل کو دیکھا اور اس کی شان و شوکت کی تعریف کی۔ لیکن محل کے آگے جو صحن تھا اس میں ایک جگہ کجی تھی۔ اس پر اس نے کہا کہ اس کو مربع شکل کا ہونا چاہیئے تھا۔ اسے بتایا گیا کہ اس جگہ ایک بڑھیا کا جھونپڑا تھا۔ جو باوجود بادشاہ کی ترغیب دلانے کے اس کو بیچنا نہیں چاہتی تھی۔ بادشاہ نے نہیں چاہا کہ اس پر زبردستی کرکے اسے مجبور کیا جائے اس

کجی کا باعث یہ ہے سفیر نے کہا کہ "ایسی کجی تناسب سے کہیں خوبصورت ہے"(۶۳)۔

ایران کا نظامِ مراسلت

اہلِ ایران ہمیشہ دستور اور قاعدے کے بہت پابند رہے ہیں۔ سرکاری خطوط ہوں یا ذاتی مراسلے، ہر ایک کو وہ ایک مقررہ صورت اور قاعدے کے ساتھ تحریر کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ ہر ایک تحریر میں علمی مقولے، مثالیں، وعظ و نصیحت، اشعار اور لطیف اشارے کنائے وغیرہ اسطرح داخل کئے جاتے تھے کہ مجموعی طور پر وہ ایک خوش آئند چیز بن جاتی تھی۔ جن قاعدوں کے ساتھ خط میں مضمون اور القاب لکھے جاتے تھے ان میں کاتب اور مکتوب الیہ کے باہمی تعلق اور اس کے تمام مدارج کا نہایت اختصار کے ساتھ لحاظ رکھا جاتا تھا۔ اس تصنع اور عبارت آرائی کا میلان عام طور پر پہلی کتابوں میں اور بادشاہوں کے تخت نشینی کے خطبوں میں پایا جاتا ہے۔

اعلیٰ حکام ایک دوسرے کو جو خطوط لکھتے تھے یا ایرانی حکومت اور بیرونی حکومتوں کے درمیان جو خط و کتابت ہوتی تھی ان میں یہ خصوصیت اور بھی زیادہ نمایاں ہوتی تھی(۶۴)۔

اس لئے خط و کتابت کے لئے نہایت ذہین و فطین اور رمز شناس شخص کا انتخاب کیا جاتا تھا جو رموزِ مملکت اور مزاجِ شاہاں سے بخوبی واقف ہو، کیونکہ تحریر ایک ایسی نازک چیز ہے جس میں بے بہا باریکیاں اور راز پنہاں ہوتے ہیں اور جس میں قلم کی ایک ادنیٰ جنبش ذاتی اور سفارتی تعلقات کو بری طرح متاثر کرسکتی ہے اس لئے اس میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے جیسے کہ: "شاہ پور پسر اردشیر نے آخری اشکانی بادشاہ کے منشی داربنداہ کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا تھا اس لیے کہ اس نے اپنے بادشاہ کی طرف سے ایک توہین آمیز خط اردشیر کو لکھا تھا"(۶۵)۔

۳۔ حکومت حبش

یمن اور افریقہ کے درمیان بحرِاحمر اور بحرِعرب کے جو کنارے حائل ہیں ان کو بحرِ حبش کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ یمن کے مقابل بحرِ حبش عبور کر کے افریقہ کے سواحل پر جو آبادیاں ہیں اور جو دراصل سبا کی تجارتی نو آبادیاں تھیں اس قطعہ کو عرب جغرافیہ دان حبش کہتے ہیں۔ اور یہ یورپین اقوام میں ایبی سینا، یونان میں ایتھوپیا اور خود اہلِ حبش میں جیز کہلاتا ہے[۶۶]۔

لغت عرب میں "حبش" کے معنی اختلاط و امتزاج کے آتے ہیں۔ چونکہ عرب مؤرخین کے نزدیک حمیر (سبا) اور حبشہ کے اصل باشندوں کے اختلاط سے یہ قوم عالم وجود میں آئی۔ اس لیے انہوں نے ان کا یہ نام تجویز کیا ہے[۶۷]۔

علمائے انساب کا خیال ہے، کہ "جب اہلِ حبش" نے یمن پر حملہ کر کے قبضہ کرلیا تو سبا کے خاندانوں میں یہ کہہ کر سلسلہ ازدواج قائم کیا کہ اصل میں وہ طے بنی کہلان کی اولاد ہیں۔ اور سبا ہی کی ایک شاخ ہیں[۶۸]۔

یورپین اور مستشرقین کی رائے یہ ہے کہ اہل حبش غیر مخلوط سامی الاصل نہیں ہیں۔ بلکہ اصل باشندوں کے ساتھ عرب کے مختلف خطوں کے مختلف قبائل مل گئے ہیں[۶۹]۔

ان امور کی روشنی میں یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ افریقی قبائل اور سبا کے عرب قبائل کے اختلاط سے حبش کی قوم وجود میں آئی ہے۔

القزوینی کا بیان ہے کہ:

"حبش کا علاقہ بہت وسیع ہے اس کے شمال میں خلیج بربری، جنوب میں جنگلات، مشرق میں زنج (حبشی) اور مغرب میں البجہ کے علاقے ہیں۔ حبش میں سخت گرمی پڑتی ہے، اور لُو زیادہ چلنے کی وجہ سے وہاں کے لوگوں کے رنگ بہت سیاہ ہوتے ہیں۔

وہاں کے اکثر باشندے عیسائی مذہب کے پیروکار ہیں۔ اور مسلمان بھی بہت تھوڑی تعداد میں موجود ہیں۔ آبادی تو اتنی زیادہ نہیں ہے لیکن رقبے کے لحاظ سے ایک وسیع مملکت ہے، جنگلات کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ پانی کی سخت قلت ہے۔ بارشیں بہت کم ہوتی ہیں"(۷۰)۔

حبش کا رقبہ اور حیثیت

حبش کا رقبہ دولاکھ ستانوے ہزار مربع میل ہے(۷۱)، یہاں کی حکومت بھی دنیا کی قدیم ترین حکومتوں میں تھی۔ یہود کے مصادر سے معلوم ہوتا ہے کہ ملکۂ سبا حبشہ ہی میں رہتی تھی، اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی اولاد آج تک حبشہ کی حکمران ہے، یہود نے ہیکل سلیمانی کی تباہی کے بعد یہاں آباد ہونا شروع کیا(۷۲)۔ "حبشہ ۵۲۲ء سے لے کر ظہور اسلام تک مشرقی بحراحمر اور افریقہ کی ساری تجارت پر مسلسل قابض رہا۔ بلکہ شاید وہ ہندوستان کی تجارت پر بھی قابض تھا"(۷۳)۔

مخلوط قوم کا دارالحکومت

اُسی مخلوط سبائی قوم کا دارالحکومت شہر اکسوم تھا۔ جو ملک حبش کے صوبہ "تجریے" میں بجانب مشرق واقع تھا۔ اس شہر کے آثار اب تک باقی ہیں اور اہل حبش اس کو مقدس شہر سمجھتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ جس زمانہ میں حمیر نے زیدان کے قلعہ میں اپنی حکومت کا پرچم بلند کیا، اس زمانہ میں حبش نے اکسوم میں حکومت کی بنیاد ڈالی۔ جو تقریباً ۱۱۵ق م سے چھٹی صدی ہجری تک قائم رہی(۷۴)۔

نجاشی (شاہ حبش)

عرب حبشہ کے بادشاہ کو نجاشی کا لقب دیتے ہیں(۷۵)۔ حبش کی زبان میں نجوس کے

معنیٰ "بادشاہ" کے ہیں۔ اصحمہ بن ابجر مشہور نجاشی حبش کے ان خوش قسمت بادشاہوں میں سے ہے جس نے نبی کریم ﷺ کی بعثت کا زمانہ پایا اور اسلام کی دولت سے مشرف ہوا۔ اسی کے زمانہ میں مسلمانوں نے پہلی ہجرت حبشہ کی جانب کی۔ نجاشی نے ان کو باعزت پناہ دی۔ اور قریش کے اس مطالبہ کو ٹھکرا دیا۔ کہ مسلمانوں کو ان کے حوالے کردیا جائے اور حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کی اس تقریر سے متاثر ہو کر جو نجاشی کے دربار میں انہوں نے صداقت اسلام اور حقیقت اسلام پر کی تھی، اس نے اسلام قبول کرلیا(۷۶)۔ یہی وہ نجاشی ہے جس کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا سلسلۂ مراسلت رہا ہے۔ اور یہی وہ نجاشی ہے جس کے انتقال پر حضور ﷺ نے اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ اور صحابہؓ کو بذریعہ وحی ان کے انتقال کی خبر دی(۷۷)۔

شاہ حبش نجاشی نے اسلام قبول کیا تو اس کی ریاست کو نبی کریم ﷺ نے اسلامی ریاست میں مدغم نہیں کیا بلکہ حکم دیا تھا کہ حبشہ پر حملہ نہ کیا جائے جب تک کہ اہل حبشہ خود جارح اقدام نہ کریں(۷۸)۔

حبش کا مذہب

شروع ہی سے اس پر مصر کے مذہب کا اثر رہا ہے۔ یہ لوگ بھی مصری اور یمنی قبائل کی طرح بت پرست تھے۔ لیکن جب رومی بادشاہوں کے اثر سے مصر نے عیسائیت کو قبول کرلیا تو اس کا اثر حبش پر بھی پڑا۔ اور ۳۳۰ء میں سب سے پہلے اذینہ نجاشی نے عیسائیت کو قبول کیا(۷۹)۔

سیاسی کشمکش اور سفارتی نظام

چونکہ روم اور ایران کی آپس میں رقیبانہ کشمکش تھی۔ اس لئے یمن اور حبش نے بھی ان سے اثر لیا۔ اور سیاسی اور تجارتی رقابت کی وجہ سے ان میں بھی کشمکش پیدا ہو گئی۔ جس

کے نتیجہ میں یمن اور ایران ایک جانب نظر آتے تھے۔ اور حبش اور روم دوسری جانب۔ پھر یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ جس زمانہ میں حبش میں عیسائیت کا ظہور ہوا اس کے قریب یمن میں یہودیت نے قدم جمائے۔ اگرچہ اس زمانہ میں عیسائیت کو کافی فروغ حاصل تھا لیکن عرب نے عیسائیت کو قبول نہیں کیا۔ انہی کی تقلید میں یمن نے بھی عیسائیت کی جانب رجحان نہ کیا۔

چوتھی صدی عیسوی میں جب اذینہ نجاشی نے عیسائیت کو قبول کرلیا تو یمن اور حبش کے درمیان مذہبی منافرت کے جذبات زیادہ مشتعل ہوگئے۔ اسی اشتعال کے نتیجے میں "اصحاب اخدود" کا سانحہ پیش آیا۔ اور ذو نواس شاہِ یمن کے اس ظلم کی دادرسی کے لیے نجران کے ایک سردار دوس ذو ثعلبان نے نجاشی کے توسط سے قیصر روم تک فریاد پہنچائی اور قیصر روم نے نجاشی حبش کو حکم دیا کہ وہ یمن پر حملہ کر کے حمیریوں سے انتقام لے[۸۰]۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ہے: " In the early part of the 6th century the King of the Homerites, on the opposite coast of The Red Sea, having persecuted the Christians, the Emperor Justinian requested the King of Abyssinia, Caleb or El- Esbaha to avenge their cause. He conquerred Yemen"[81].

(چھٹی صدی کے شروع میں شاہ حمیر نے بحر احمر کے مخالف کنارے پر عیسائیوں کو سخت تکلیف پہنچائی۔ شاہ جسٹینین اول نے شاہ حبش کالب یا الازبحا کو لکھا کہ ان کی امداد کرے۔ چنانچہ اس نے حمیر کے ہاتھ سے یمن چھین لیا)۔

نجران کا سردار قیصرِ روم کے دربار میں

ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ: "دوس نے قیصرِ روم کے پاس براہِ راست فریاد کی اور قیصر نے ایک حکم نامہ دے کر اس کو نجاشی کے پاس بھیج دیا۔ دوس جب قیصر کا شاہی فرمان نجاشی

کے پاس لے کر پہنچا تو وہ ستر ہزار فوج کے ساتھ یمن پر حملہ آور ہوا۔ ذو نواس بھی فوج گراں لے کر مقابلہ پر آیا۔ مگر شکست کھا گیا اور گھوڑے پر سوار دریا میں کود گیا۔ کہ پار اتر کر فرار ہوجائے مگر پار نہ ہوسکا اور دریا میں غرق ہوگیا"(۸۲)۔ لڑائی کا انجام یہ ہوا کہ ذو نواس کو شکست ہوئی اور یمن پر حبشی قبضہ ہوگیا اور یہ علاقہ نجاشی کے قبضہ میں آگیا(۸۳)۔ حبش کافی بڑا علاقہ تھا۔ اس نے ایرانیوں سے یمن کو چھین لیا تھا۔ مگر جب یہ شمالی عرب میں بڑھے تو ولادت نبوی ﷺ کے سال یہ "اصحاب الفیل" کیڑا کھائے ہوئے کھوکھلے دانوں کی طرح ختم ہوگئے۔ اور جلد ہی عہد نبوی ﷺ میں ان کی حکومت عرب میں بھی اور خود حبش میں بھی خانہ جنگیوں وغیرہ میں پھنس کر بیکار و معطل ہوگئی(۸۴)۔ اور مسلمان مہاجرین خود ہمیشہ حبش کی ان خانہ جنگیوں سے پریشان رہے۔

۴۔ حکومت یمن

عرب کے پڑوس کی قدیم ترین سلطنتوں میں ایک یمن تھی۔ یہ "یمن" اس لئے کہلاتا ہے کہ کعبہ سے داہنی جانب واقع ہے یا پھر اس لئے کہ سر سبز و شاداب ہونے کی وجہ سے وہ بابرکت ہے(۸۵)۔

یمن کے جنوب مشرق میں حضر موت، شمال میں عسیر کے علاقے، مغرب میں بجانب بحر احمر قتاب، مشرقی جانب میدانی علاقہ ہے، قتاب اور وسط میں معین اور سباء معین اور خلیج عقبہ کے درمیان جو یمن سے شام و مصر کا راستہ تھا ۷۰ دن کی مسافت تھی(۸۶)۔

کبھی یمن کا دارالحکومت مآرب ہوا کرتا تھا، جو جزیرہ نما عرب کے انتہائی جنوب میں واقع تھا، لیکن ایک قیامت خیز سیلاب کے بعد صنعاء کی تعمیر کی گئی۔ یمن کے بادشاہوں کو صدیوں "تبع" کے لقب سے یاد کیا جاتا رہا ہے(۸۷)۔ اس کے معنیٰ "طاقت ور" کے ہیں۔

امام راغبؒ نے لکھا ہے کہ: " "تبع" رؤساء یمن کا لقب تھا کیونکہ وہ سیاست و

ریاست میں ایک دوسرے کی اتباع کرتے تھے، بعض نے اس کا معنیٰ مطیع و فرمان بردار بھی لیا ہے (۸۸)"۔

یمن کے تخت پر حیرا کی بادشاہت تھی، جو شمال مشرق میں واقع تھی۔ شاہانِ حیرا صنعاء کی شاہی نسل کی ہم جد شاخ سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ وقتاً فوقتاً ایران کی اطاعت کا دم بھرتے تھے۔

یمن کی مرکزیت اور اہمیت

جنوبی عرب میں ہندوستان کی بحری تجارت کا اہم مرکز یمن تھا، جس میں صنعاء، قصر، غمدان، مآرب، نجران اور عدن جیسے بڑے بڑے شہر شامل تھے۔ ابن خرداذ بہ نے عدن کے بارے میں لکھا ہے: "عدن میں عنبر، عود، مشک ملتا ہے اور سندھ، ہندوستان، چین، زنج، حبشہ، فارس، بصرہ، جدہ اور بحر قلزم کے سامان اور مال ہر وقت مل سکتے ہیں (۸۹)"۔

یمن کی قدیم تجارت کا اندازہ اس بیان سے ہوتا ہے، جو ہندوستانی اشیاء کی کثرت اور ان کی کھپت کی وجہ سے ہے۔

احمد امین نے لکھا ہے: "قدیم زمانہ میں تجارت اہل یمن کے ہاتھ میں تھی، اور یہ لوگ تجارت میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے، ان کے ہاتھ حضرموت اور ظفار کے مال اور ہندوستان کی چیزیں شام اور مصر جایا کرتی تھیں (۹۰)"۔

یمن کا سیاسی نظام

عرب مؤرخین کا دعویٰ ہے کہ یمن نے ایک زمانہ میں اس حد تک ترقی کی تھی کہ وہاں کے سلاطین نے تمام ایران کو فتح کر لیا تھا۔ چنانچہ سمرقند کی وجہ تسمیہ یہ بتاتے ہیں کہ یمن کا ایک بادشاہ جس کا نام شمر تھا اس نے سمرقند کو کھدوا کر برباد کر دیا تھا۔ اس بناء پر ایرانی اس مقام کو شمر قند کہنے لگے، پھر معرب ہو کر سمرقند ہو گیا (۹۱)۔

عظیم الشان قلعوں اور عمارتوں کے آثار، جو اب بھی کچھ کچھ باقی ہیں اس بات کی قطعی شہادت ہیں کہ اس ملک میں کبھی بلند پایہ کا تمدن موجود تھا۔ علامہ ہمدانی نے ذکر کیا ہے:۔

"یمن کے مشہور قدیم قصر اور ایوان، جن کا ذکر اہلِ عرب نے اشعار اور امثال میں کیا ہے، کثرت سے ہیں جن کی تعداد ۲۰ سے بھی زیادہ ہے"[۹۲]۔

حرم کعبہ پر یمنی غلاف

یمن کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ: "حرم کعبہ پر سب سے پہلے جس نے پردہ اور غلاف چڑھایا وہ یمن کا حمیری بادشاہ اسعد تبع تھا۔ یمن میں خاص قسم کی چادریں بنی جاتی ہیں جن کو برد یمانی کہتے ہیں، یہ پردہ اور غلاف انہی چادروں سے تیار کیا گیا تھا"[۹۳]۔

علامہ ازرقی نے لکھا ہے کہ: "آنحضرت ﷺ نے بھی یمنی پردہ چڑھایا تھا"[۹۴]۔

یمن پر حبشی قبضہ اور ابرہہ کی سیاسی چال

چھٹی صدی کے اوائل میں یمن میں مقیم عیسائیوں کو آگ کے گڑھوں میں دھکیل کر مار ڈالا گیا۔ تو نجاشی نے قیصر روم کے اشارہ سے یمن پر فوج کشی کی۔ عرب کہتے ہیں۔ کہ اس حملہ کا مقصد صرف مذہبی مشن کی تکمیل تھی۔ رومیوں کا ظاہری بیان یہ ہے کہ اس سے مقصود صرف تجارتی راستوں کی حفاظت تھی۔ لیکن صلح کی شرائط سے ظاہر ہوتا ہے کہ "تمام اکسومی عیسائی ہوجائیں گے"۔

عرب مؤرخین کا بیان ہے کہ: "شاہ یمن نے نجاشی کے حملہ آوروں کو اس قدر سخت شکست دی کہ مجبوراً ان کو حبش واپس لوٹ جانا پڑا"۔ یونانی عیسائی کہتے ہیں کہ: "وہ حمیریوں کو سزادے کر واپس پھر گئے"۔

طبری کی ایک روایت ہے کہ: "پہلی دفعہ ارياط فتح یمن کے لئے آیا۔ لیکن ناکام ہوا۔ پھر نجاشی نے ابرہہ کو بھیجا اور اس نے فتح کیا۔ اس کے بعد ابرہہ باغی ہو گیا۔ اس کے مقابلہ میں حبش سے ارياط بھیجا گیا۔ اور وہ دھوکے سے مارا گیا"[۹۵] یہ درست معلوم نہیں ہوتا۔ اصل یہ ہے کہ شاہ یمن نے پہلی دفعہ نجاشی کے لشکر کو بری طرح شکست دی۔ تو دوبارہ نجاشی نے ارياط کو فوج دے کر بھیجا جس نے یمن پر قبضہ کرلیا۔ ابرہہ اس کے ساتھ تھا[۹۶]۔ ارياط یمن کا پہلا گورنر بنایا گیا لیکن چند سالوں کے بعد ابرہہ نے بغاوت کر کے ارياط کو قتل کر ڈالا۔ اور یمن کا خود مختار بادشاہ بن بیٹھا۔ جب نجاشی الاصحم کو خبر پہنچی تو وہ غصے سے آگ بگولا ہو گیا اور اس نے قسم کھائی کہ ابرہہ کو قتل کر کے اس کے دارالسلطنت کو پیروں تلے روندے گا(۹۷)۔

ابرہہ نے یہ سنا تو بہت گھبرایا اس نے اپنے جسم سے کچھ خون نکال کر ایک شیشی میں بند کیا۔ اور ایک تھیلہ میں یمن کی خاک بھری اور دونوں چیزوں کو سفیر کے ہاتھ نجاشی کے پاس بھیجا اور اس کو لکھا کہ جس طرح ارياط آپ کا تابع فرمان تھا اسی طرح یہ غلام بھی ہمیشہ تابع اور مطیع رہے گا۔ جب سے میں نے سنا ہے کہ حضور والا مجھ سے خفا ہیں اس وقت سے سخت پریشان ہوں۔ اور میں آپ کی قسم کو پورا کرنے کے لیے اپنا خون اور یمن کی خاک بھیج رہا ہوں۔ کہ آپ اس خون کو یمن کی خاک پر ڈال کر پیروں سے روند دیجئے۔ اور اپنی قسم پوری کر لیجئے۔ نجاشی نے ابرہہ کی معافی کو وقت کی مصلحت کے مناسب خیال کرتے ہوئے قبول کرلیا۔ اور یمن پر ابرہہ کی گورنری کی منظوری دے دی۔ اس طرح وہ مطمئن ہو کر یمن پر حکومت کرنے لگا[۹۸]۔

یمن پر حبشی قبضے کا مقصد

یوروپی مؤرخوں کا خیال ہے کہ چونکہ حبشہ بیزنطینی حکومت کے ماتحت نہیں تو زیر

اثر ضرور تھا اس لئے بیز نطینی حکومت کو توقع تھی، کہ یمن پر حبشی قبضے سے اسے معاشی مدد ملے گی اور ہندوستان سے ریشم کی خریداری یمن کے ذریعے سے آسان ہوجائے گی۔ اس سلسلے میں کئی بیز نطینی سفارتیں بھی یمن آئیں۔ لیکن ایرانی تاجر اپنے وسیع کاروبار کے باعث منڈیوں پر چھائے رہے، بلکہ خود عدن اور دیگر یمنی منڈیوں میں ایرانی اثرورسوخ بڑھتا ہی گیا۔ چنانچہ مرزوقی نے لکھا ہے کہ: "عدن میں عطر بنتا تھا جو اپنی لاجواب خوبیوں کے باعث ہند اور سندھ اور فارس و روم تک جاتا تھا"(۹۹)۔

کعبہ ابراہیمی کے مقابلے میں صنعاء کے گرجے کی تعمیر

ابرہہ بہت متعصب قسم کا عیسائی تھا۔ اس نے اپنی حکومت میں عیسائی مبلغ بھی مقرر کیے اور مختلف شہروں میں بڑے بڑے گرجے تعمیر کروائے۔ ان تمام میں سب سے بڑا اور مشہور کلیسا دارالحکومت صنعاء میں تیار کرایا۔ کلیسا یونانی لفظ ہے اور عرب القلیس بولتے ہیں، اس کی اعلیٰ تعمیر اور بلندی کی وجہ سے(۱۰۰)۔

ابن جریرؒ اور ابن کثیرؒ نے محمد ابن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ یہ کلیسا فن تعمیر میں بے مثال تھا۔ جب یہ تعمیر ہوگیا تو ابرہہ نے نجاشی کو لکھا کہ جو گرجا میں نے تعمیر کرایا ہے اس کی مثال پوری تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ میری خواہش ہے کہ اطراف و جوانب کے عرب کعبتہ اللہ کو چھوڑ کر اس کا حج کریں۔

یہ ارادہ کرکے ابرہہ ایک لشکر جرار اور ہاتھیوں کی کثیر تعداد لے کر کعبہ ابراہیمی کو تباہ کرنے کے لئے مکہ کی جانب روانہ ہوا۔ قریش اور دوسرے قبائل عرب کو ابرہہ کے ارادوں کا علم ہوا تو وہ مکہ کو خالی کرکے قریب کے پہاڑوں میں چلے گئے۔

لشکر کی اگلی قطاروں میں ہاتھی تھے اور ان کے پیچھے لشکر جرار۔ ابھی یہ لشکر مکہ تک نہیں پہنچا تھا کہ راہ میں ہی اچانک پرندوں کے غول کے غول نمودار ہوئے اور لشکر کے سر پر

فضاء میں چھاگئے۔ ان کی چونچ اور ان کے پنجوں میں سنگریزے تھے۔ پرندوں نے ان سنگریزوں کو لشکر پر پھینکنا شروع کیا۔ جس شخص کے سنگریزے لگتے تھے بدن پھوڑ کر باہر نکل آتے تھے اور فوراً ہی اعضاء گلنے اور سڑنے لگتے تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تھوڑی دیر میں سارا لشکر تباہ و برباد ہو گیا[١٠١]۔

قرآن کریم نے اس واقعہ کو سورۃ الفیل میں معجزانہ کمالات کے ضمن میں یوں ذکر کیا ہے۔"الم ترکیف فعل ربک باصحاب الفیل. الم یجعل کیدھم فی تضلیل و ارسل علیھم طیرا ابابیل. ترمیھم بحجارۃ من سجیل. فجعلھم کعصف ماکول[١٠٢]".

اصحاب فیل کا یہ واقعہ ماہ محرم میں ولادت باسعادت محمد ﷺ سے پچاس روز قبل پیش آیا[١٠٣]۔ عرب میں یہ واقعہ اتنی شہرت رکھتا تھا کہ انہوں نے اس سال کا نام "عام الفیل" رکھدیا۔ اور اس کے بعد تاریخی واقعات کو اس سنہ کے حساب سے شمار کرنے لگے جو عیسوی سنہ کے حساب سے ۵۷۱ء ہوتا ہے۔

کعبہ ابراہیمی کے بارے میں ابرہہ کے جارحانہ اقدام کا مقصد

عرب مؤرخین کی رائے کے مطابق اس مہم کا مقصد صرف کعبہ کو گرانا تھا۔ لیکن جدید یورپی مصنفین کا خیال ہے کہ یہ واقعہ ضمنی پیدا ہو گیا ہو گا۔ ورنہ ابرہہ کی اصل غرض روم وفارس کی باہمی جنگ میں خشکی کی راہ سفر کر کے اور صحرائے حجاز کو عبور کر کے شام جانا اور اپنے ہم مذہبوں (بیز نطینی شہنشاہ) کو ایران کے خلاف مدد دینا تھا۔

مگر عرب مؤرخین اس کا سبب اپنے بعض ہم وطنوں کی شرارت بتاتے ہیں۔ چنانچہ ان کا کہنا ہے کہ: "کلیسائے صنعاء کی تعمیر سے بت پرست عربوں کو سخت غصہ آیا۔ تو ایک عرب نے اس کو گندا کر دیا۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ کسی مکے والے کی شرارت ہے۔ اور خانہ کعبہ کی خاطر کلیسا کی توہین کی گئی ہے لہٰذا وہ بھڑک اٹھا۔ اور چڑھ دوڑا[١٠٤]۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ متعصب عیسائی تھا۔ وہ خانہ کعبہ کی عظمت کو برداشت نہ کرسکا جیسا کہ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ اس نے نجاشی کو لکھا کہ وہ اس کلیسا کی بدولت عرب کے حج کو بدلنا چاہتا ہے[۱۰۵]۔

یمن کا نظام سفارت

کوئی باقاعدہ سفارتی نظام نہیں تھا البتہ تجارت کے پیشہ کے در پردہ عام رواج تھا کہ اپنے اپنے مذہب کی ترویج کرتے تھے۔ یمن کے لوگ بھی تجارت پیشہ تھے۔ تجارت ایک ایسا پیشہ ہے جس کے ذریعے عالم عرب سے رابطہ برقرار رکھا جاسکتا ہے نیز آپس کے تعلقات کو مضبوط کرنے کے لئے تجارت ہی ممد و معاون ثابت ہوسکتی تھی۔ رومی سوداگر تاجرانہ یمن کے سواحل تک پہنچتے تھے لیکن جہاں جہاں گزرتے تھے اسباب سوداگری کے ساتھ عیسائیت کی سوغات بھی ساتھ ساتھ بانٹتے جاتے تھے۔ عیسائی راہب بھی مخصوص مقاصد کے ساتھ ملک میں دورہ کرتے تھے، پہلے اثر نے عدن اور دوسری کوشش نے نجران میں جہاں پہلے شجر پرستی ہوتی تھی، عیسائیت کو فروغ دیا۔ یورپ کے جو طریقے آج ہیں وہی پہلے تھے۔ مذہبی اور سیاسی اغراض پر تجارت کا پردہ ہمیشہ ڈالا کرتے ہیں، یہی پردہ اس وقت بھی ڈال رہے تھے، ان تدابیر سے نجران یمن میں عیسائیت کا مرکز قرار دیا گیا تھا(۱۰۶)۔

اس طرح یمن کی حکومت کے پیشِ نظر عیسائیت کی ترویج ہی تھی جس کے لئے وہ ہر حیلہ کرتے رہے۔

۵۔ عرب کی مختلف ریاستیں اور قبائل

عرب کی وجہ تسمیہ

"عرب اور اعراب کے معنیٰ فصاحت اور زبان آوری کے ہیں"، اور چونکہ اہل عرب

اپنی زبان آوری کے سامنے تمام دنیا کو ہیچ سمجھتے ہیں اس لیے انہوں نے اپنے آپ کو "عرب" اور دنیا کی دیگر تمام اقوام کو عجم کہہ کر پکارا"(۱۰۷)۔

عربہ کے معنیٰ سامی زبانوں میں دشت اور صحرا کے ہیں اور چونکہ عرب کا بڑا حصہ دشت و صحرا ہے اس لیے تمام ملک کو عرب کہنے لگے(۱۰۸)۔

عرب کا حدود اربعہ

عرب ایک جزیرہ نما ہے جو براعظمِ ایشیاء کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ شمال میں شام کی حدود سے اس کی حدیں ملتی ہیں، مشرق میں دریائے فرات اور بحر ہند واقع ہے، جنوب میں بھی بحر ہند نے اس کو گھیر رکھا ہے، اور مغرب میں بحیرہ احمر ہے۔ اس جزیرہ نما کو جبلِ سراۃ جس کا سلسلہ یمن سے شام تک پھیلا ہوا ہے، دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔

۱۔ مغربی حصہ دامنِ کوہ سے لے کر ساحلِ بحیرۂ احمر تک نشیبی ہے اور اسی لئے یہ علاقہ "غور" (نشیب) یا گرمی زیادہ ہونے کی وجہ سے "تہامہ" کہلاتا ہے۔

۲۔ مشرقی حصہ ابھرتا ہوا عراق و سماوہ تک پھیل گیا ہے۔ مرتفع ہونے کی وجہ سے اس علاقہ کو "نجد" کہا جاتا ہے۔ ان دونوں حصوں کے درمیان جو علاقہ واقع ہے وہ "حجاز" کہلاتا ہے اس لیے کہ یہ دونوں حصوں کے درمیان حد فاصل ہے۔ وہ حصہ جو مشرق میں نجد کو لیتے ہوئے یمامہ، بحرین، عمان کو اپنے اندر شامل کرتا ہے۔ "عروض" کہلاتا ہے اس لیے کہ یہ یمن اور نجد کے درمیان چوڑائی میں پھیلا ہوا ہے، حجاز سے جنوبی جانب جو میدانی علاقہ ہے وہ "یمن" کہلاتا ہے(۱۰۹)۔

ملک عرب کے باشندے

ملک عرب کے عام باشندے دو طبقوں میں منقسم تھے، ایک اہل مدر اور دوسرے اہل وبر۔

اہل مدر: وہ لوگ تھے جو آبادیوں میں رہتے تھے۔ ان کے پاس کھیتی باڑی، نخلستان،

میوے، بھیڑ بکری، اونٹ، تجارت، غرض کہ کسب و معیشت کے معقول ذرائع تھے اور وہ اپنے دور کے تمدن کی زندگی بسر کرتے تھے۔

اہلِ وبر: وہ لوگ تھے جو صحراؤں اور ریگستانوں میں بے گھر بار کی زندگی بسر کرتے تھے، ان خانہ بدوش لوگوں کا سہارا اونٹ تھا۔ یہ لوگ پورے سال پانی کے چشموں اور چارہ گھاس کی تلاش میں رہا کرتے تھے۔ گرمی کے ایام میں صحراؤں اور ریگستانوں میں اچھی طرح بسر کرلیتے تھے مگر جاڑے میں عراق اور شام کی حدود میں چلے جاتے تھے۔ یا دیگر بستیوں کے آس پاس جا کر بڑی تنگ دستی اور عسرت کی زندگی بسر کرتے تھے[۱۱۰]۔

عربی اقوام کے مختلف قبائل اور خاندان

مؤرخین عربی اقوام کو مندرجہ ذیل تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

۱۔ بائدہ ۲۔ عاربہ ۳۔ مستعربہ

۱۔ بائدہ

یہ وہ اقوام ہیں جن کے حالات نامعلوم اور آثار ناپید ہو چکے ہیں۔ تاریخ ان کے بارے میں زیادہ وضاحت نہیں کرتی، جس سے نہ تو حقیقت پر روشنی پڑتی ہے اور نہ ہی طرح طرح کے خیالات کی تردید ہوتی ہے۔ ان کے مشہور قبیلے عاد، ثمود، طسم اور جدیس ہیں[۱۱۱]۔ قرآن کریم ان کے بارے میں یہ بیان کرتا ہے کہ: "فاما ثمود فاهلكوا بالطاغية. واما عاد فاهلكوا بريح صرصر عاتية[۱۱۲]"۔ (قوم ثمود سخت کڑک کے ذریعہ ہلاک کردی گئی اور قوم عاد تند و تیز باد صرصر کے ذریعہ تباہ ہو گئی)۔

طسم اور جدیس کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ کسی زنانہ افسانوی واقعہ کی بنا پر آپس میں کٹ مرے[۱۱۳]۔

۲۔ عاربہ

یہ وہ یمنی باشندے ہیں جن کا نسب یعرب بن قحطان سے ملتا ہے اور جن کو تورات میں یارح بن یقطان کہا گیا ہے۔ عربوں کا خیال ہے کہ یہی بزرگ ان کی زبان کے اصل بانی ہیں۔ انہی یمنیوں میں حمیر کے گھرانے ہیں جن میں زید الجمہور، قضاعہ، سکاسک قابل ذکر ہیں، نیز قبائل کہلان جن میں ہمدان، طئی، مذحج، کندہ، لخم مشہور ہیں، لخم کی اولاد میں منذر اور اس کے بیٹے حیرہ ہیں، ازد سے اوس و خزرج مدینہ میں، اور غساسنہ شام میں سکونت پذیر ہوئے، یمن میں حمیر کی حکمرانی تھی، اور انہی میں سے نواب اور بادشاہ بنتے تھے[۱۱۳]۔

۳۔ مستعربہ

یہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں جو تقریباً انیسویں صدی قبل مسیح حجاز آ کر آباد ہوئی۔ اور شاہان جرھم سے دامادی کا رشتہ جوڑ کر وہاں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ یہاں ان کی نسل کثرت سے پھیلی۔ لیکن ان کے حالات اس قدر پردۂ اخفا میں ہیں کہ اب تاریخ میں بھی عدنان سے اوپر کوئی صحیح نسب نامہ کا پتہ نہیں چلتا۔ چنانچہ عربی نسل کا صحیح سلسلۂ نسب عدنان پر ہی ختم ہوجاتا ہے۔

اس سلسلے کے مشہور قبائل ربیعہ، مضر، انمار اور ایاد ہیں، ربیعہ سے عبدالقیس اور عبدالقیس سے وائل کے دونوں بیٹوں بکر اور تغلب کی نسل چلی۔ مضر سے قیس عیلان اور یاس بن مضر کے قبائل نے جنم لیا۔

قیس عیلان کے مشہور قبیلے ھوازن اور غطفان ہیں، غطفان سے بغیض کے دو بیٹے عبس وذبیان کی نسل جاری ہوئی۔ یاس کی اولاد سے تمیم بن مراھذیل بن مدرکہ، اسد بن خزیمہ اور کنانہ بن خزیمہ کے خاندان ہیں اور کنانہ سے خاندان قریش چلتا ہے۔

پھر قریش کے متفرق گھرانے جمح، سہم، مخزوم، تیم، عبدالدار اور عبد مناف ہیں، عبد

مناف کے چار بیٹے تھے، عبد شمس، نوفل، مطلب اور ہاشم۔ ہاشم سے عبدالمطلب پیدا ہوئے اور عبدالمطلب کے دس بچے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے والد عبداللہ، ابوطالب اور حضرت عباسؓ انہی کی اولاد ہیں[۱۱۵]۔

عرب جاہلیہ میں سفارتی نظام

عرب ایک جزیرہ نما ہے، جہاں کی زمین بنجر اور خشک ہے بارش بہت کم ہوتی ہے، نیز نہروں اور چشموں کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ زمین نہ تو زراعت کے قابل ہے اور نہ شہری زندگی کے لئے موزوں، اس لیے فطری تقاضوں کے ماتحت وہاں کے باشندے دیہاتی خانہ بدوش زندگی گزارتے تھے۔ البتہ قریش اور قحطانی اس بات سے مستثنیٰ تھے وہ شہری زندگی گزارتے تھے۔ قریش کو خانہ کعبہ کی تولیت کا شرف حاصل تھا۔ اسی وجہ سے یمن اور شام کے تجارتی سفروں میں ان سے کوئی تعرض نہیں کرتا تھا۔ البتہ قحطانی خانہ جنگیوں میں مصروف رہتے تھے۔ آپس میں دشمنی، مسلسل جنگ، ہمیشہ کی شورش وہنگامہ ان کی زندگی کا لائحہ عمل بنے ہوئے تھے، ان کا اپنا کوئی اجتماعی تمدن نہ تھا۔ نہ سیاسی حکومت تھی نہ فوجی نظام[۱۱۶]۔

عرب کے رہنے والوں کو یہ معلوم ہوچکا تھا کہ اپنا طرزِ زندگی درست کرنے کے لئے انہیں غیر ممالک کے بسنے والوں سے میل جول پیدا کرنا اور ان کے ساتھ تجارت کو فروغ دینا ضروری ہے، یمن اور عدن مشرقی دنیا کے تجارتی مال کی قدیم منڈی تھے۔ جہاں سے دوسرے ممالک میں عرب تاجروں کے ذریعہ مال جایا کرتا تھا۔ مگر بعد میں ایرانیوں اور رومیوں کے عمل دخل کی وجہ سے یہاں کی تجارت پر زوال آگیا۔ بحر احمر پر رومیوں کے غلبہ کے بعد جب یمنیوں کی تجارت کمزور پڑنے لگی تو اہل یمن نے بحری راستہ کی بجائے اندرونی عرب کے بری راستوں سے غیر ملکوں کا تجارتی سفر شروع کیا۔ یہ راستہ حضر موت

سے شروع ہوتا تھا۔ اور بحر احمر کے اوپر صحرائے نجد سے بچتا ہوا مکہ مکرمہ تک جاتا تھا۔ جس کی وجہ سے مصر و شام اور یمن کے درمیان مکہ بہت بڑی منڈی بن گیا، اور حجازیوں میں تجارت خوب چلی، خاص طور سے قریش نے جنوب میں یمن کا اور شمال میں شام کا تجارتی سفر شروع کیا۔ قرآن حکیم نے "رحلة الشتاء والصيف"[۱۱۷]. میں ان ہی تجارتی اسفار کو بیان کیا ہے، اطراف عرب سے لوگ حجاز کے تجارتی اور مرکزی شہر مکہ میں آتے اور ہر قسم کا ملکی اور غیر ملکی سامان آسانی سے حاصل کرتے۔ مکہ کا سب سے بڑا سالانہ بازار عکاظ میں ہوتا تھا جو طائف کے راستہ میں ایام حج کے قریب لگتا تھا۔ اور اسی کے قریب ایام حج میں ذوالمجاز کا بازار لگتا تھا۔ اور مکہ سے بڑے بڑے تجارتی قافلے باہر جاتے تھے[۱۱۸]۔ طبری نے لکھا ہے: "بعض اوقات ان قافلوں میں ۲۵۰۰ بار بردار اونٹ ہوا کرتے تھے"[۱۱۹]۔ "رسول اللہ ﷺ بھی بعض اوقات ان تجارتی قافلوں میں نکلتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے پہلی مرتبہ بارہ سال کی عمر میں اور دوسری مرتبہ ۲۵ سال کی عمر میں ملک شام کا تجارتی سفر فرمایا[۱۲۰]۔

عرب کے بیرون ممالک سے سفارتی تعلقات کی نوعیت

۱۔ سامان تجارت کی ترسیل

قریش کے لئے تجارت کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ ان کے پاس صنعت و حرفت کے لئے خام پیداوار، جس میں جانوروں کے چمڑے شامل تھے، باہر کی منڈیوں میں نکالنے کی جانب متوجہ ہونے کی ضرورت تھی۔ یمن کی کھالیں بہت پہلے مشہور تھیں۔ طائف میں بھی یہ فن بہت کمال کو پہنچ گیا تھا۔ چنانچہ اس کا نام ہی "بلد الدباغ" پڑ گیا تھا[۱۲۱]۔

اس لئے انہوں نے اپنی قابلیتوں کو تجارت پر پوری طرح مرکوز کردیا اور ہندوستان کے برابر عرب صحرائے اعظم کی پوری داخلی و خارجی تجارت کو منظم کر کے اپنے آپ کو مرکز و محور بنادیا۔ اس سلسلے میں عبد مناف کی اولاد کی مساعی قابل داد ہے۔ ڈاکٹر عمر فروخ نے

لکھا ہے کہ:

"عبد مناف کی اولاد نے اپنے عنفوانِ شباب ہی میں محسوس کرلیا کہ مکہ مکرمہ تجارتی قافلوں کا ہیڈ کوارٹر ہے اور مختلف علاقوں کے مابین معاش کی تلاش اور تجارت کی غرض سے جانے کے لیے یہی ایک راستہ ہے اور تجارت کا معاملہ داخلی امن کا محتاج ہوتا ہے۔ اور ہمسایہ ملکوں کے ساتھ میل جول رکھنے کے لئے امن و حفاظت کی بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے، اسی وجہ سے انہوں نے اپنے لوگوں کے لیے چوکی پہروں کا انتظام کیا اور دیگر حکومتوں سے عہدوپیمان لیا تاکہ انہیں مضبوط و طاقت ور ممالک میں اپنے قافلوں کو تجارت کی غرض سے لے جانے کا حق حاصل ہوجائے۔ یہی وہ معاہدہ تھا جس کا ذکر قرآن کریم کی سورۃ قریش میں کیا گیا ہے[۱۳۲] کہ قریش کو دیگر ممالک کی سرزمین میں بلا روک ٹوک بغیر کسی حلیف کے گزرنے کی اجازت تھی اور ان کو جو فلاح اور دولت نصیب ہوئی وہ محض اللہ کا فضل اور خانہ خدا کی برکت تھی[۱۳۳]۔

نیز عبد مناف کے بیٹوں نے مختلف مقامات سے پروانہ راہداری حاصل کیا، یہی وجہ ہے کہ قریش کے تجارتی قافلوں کو پورا تحفظ حاصل ہوگیا۔ اور ان کے راستوں کا امن وامان مستقل ہوگیا[۱۳۴]"۔

۲۔ تجارتی اور سفارتی معاہدے اور خصوصی مراعات کا حصول

طبری نے لکھا ہے کہ: "عبد مناف کے چاروں بیٹے ہاشم، عبد شمس، نوفل اور مطّلب اپنے باپ کے بعد قوم کے سردار بنے۔ تو ان چاروں نے اپنے ملک اور قوم کے لئے بیرونی ممالک سے خصوصی مراعات حاصل کیں"[۱۳۵]۔ چنانچہ:

ھاشم: ہاشم نے سب سے پہلے قریش کے لئے دوسرے ملکوں میں خصوصاً شام میں رومی اور غسانی بادشاہوں سے سکونت کے لئے اجازت نامے حاصل کیے اور تجارتی معاہدے طے

کئے، اس کی وجہ سے قریش حرم سے دور دور منتشر ہوگئے[۱۲۶]۔

عبد شمس: "عبد شمس نے حبش کا سفر کر کے نجاشی الاکبر سے اجازت حاصل کی اور مختلف تجارتی اور سفارتی معاہدے طے کئے، اس کی وجہ سے قریش حبشہ چلے گئے"[۱۲۷]۔

نوفل: "نوفل وہ شخص تھا جس نے کسریٰ ایران سے عراق اور ارضِ فارس میں آنے جانے کی اجازت حاصل کی اور اس کی وجہ سے قریش عراق جا کر آباد ہوگئے"[۱۲۸]۔

مطّلب: "مطّلب نے یمن جا کر ملوک حمیر سے نو آبادی کی اجازت حاصل کی اور اس وجہ سے قریش نے یمن جا کر اپنا وطن بنالیا"[۱۲۹]۔

چونکہ ان چاروں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قریش کی حالت درست کردی۔ اس لئے ان کو مجبرون کہتے ہیں[۱۳۰]۔ انہوں نے اس بات کے پروانے حاصل کئے کہ وہ بے خوف وخطر امن و حفاظت کے ساتھ ان کے ملکوں میں تجارت کے لئے آیا جایا کریں گے[۱۳۱]۔

رسول اللہ ﷺ کے پردادا جناب ہاشم چونکہ غریب پرور اور سیر چشم تھے اس لئے ان کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

یعقوبی نے لکھا ہے کہ: "چونکہ قریش تنگی کی حالت میں تھے اور ان کا کاروبار مکے سے آگے نہ بڑھتا تھا اس لئے ہاشم نے شام کا سفر کیا، وہاں ان کی سیر چشمی وغیرہ کی خبر قیصر تک پہنچی تو انہیں باریابی کا موقع دیا گیا اور اجازت دی کہ حجازی چمڑا اور کپڑے وہاں لا کر فروخت کیا کریں"[۱۳۲]۔

ابن سعدؒ نے مزید لکھا ہے کہ: "قیصرِ روم نے ہاشم کو نجاشی کے نام سفارتی خط دیا تھا۔ اسے دیکھ کر نجاشی نے ان لوگوں کو اپنے علاقے میں تجارت کے لئے آمدورفت کا عام پروانہ عطا کیا"[۱۳۳]۔

یعقوبی نے لکھا ہے کہ: "واپسی میں ہاشم نے درمیانی قبائل سے پرامن گزرنے کے

لیے معاہدے کئے(۱۳۴)۔

ابن حبیبؒ نے لکھا ہے: "ہاشم نے قیصر کو یہ لالچ دیا کہ وہ حجازی سامان براہِ راست لایا کریں گے۔ جس سے وہ زیادہ سستے داموں فروخت ہوسکے گا۔ قیصر کی اجازت ملنے پر ہاشم مکے آئے اور مقامی تاجروں کا ایک بڑا کاروان لے کر شام روانہ ہوئے۔ انہوں نے اسی سفر میں غزہ (فلسطین) میں وفات پائی(۱۳۵)۔

تمام روایات متفق ہیں کہ تمام قسم کے معاہدے رسول اللہ ﷺ کے پر دادا ہاشم کے زمانے میں عمل میں آئے(۱۳۶)۔

تجارت کے کاروبار کو مزید فروغ دینے کے لئے ہاشم کی کوششیں قابلِ داد ہیں۔

ابن سعدؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ: "ہاشم نے راستے کے عرب قبائل سے یہ معاہدہ بھی کیا تھا کہ کاروانوں کو پر امن گزرنے دیا جائے تو اس کے بدلے میں قریش ان کا سامان بغیر کرائے کے تجارت کے لئے لے جایا کریں گے(۱۳۷)۔ اس امن وامان کے معاوضہ میں قریش ان قبائل کے ساتھ یہ سلوک کرتے تھے کہ ان کی ضرورت کی چیزیں لے کر وہ خود ان کے پاس جاتے تھے۔ اور خرید وفروخت کرتے تھے۔ اس طرح یہ بھی قریش کی تجارت کے فروغ کا ایک سبب تھا۔

۳۔ غیر ملکی دورے

قریش کے نظام سفارت کا ایک طریق یہ تھا، کہ وہ تجارت کی صورت میں ملکوں ملکوں پھر کر اپنی راہ ہموار کرتے تھے۔ اور قافلوں کی شکل میں دور دراز علاقوں میں جاتے تھے جس سے ان کو ہر لحظہ بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ سمجھوتہ کرنے میں کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا۔ چنانچہ قریش نے جب مسلمانوں کو حج کرنے سے روک دیا تھا، تو انہوں نے سب سے مؤثر دھمکی ان کو یہ دی کہ ہم تمہاری شام کی تجارت کا قافلہ روک دیں گے (۱۳۸)۔ آخر اسی سے دب کر سنہ ۶ ھ میں انہوں نے مقام حدیبیہ میں صلح کرلی، اس صلح کے زمانہ میں قریش

کا قافلہ بدستور شام اور ایشیائے کوچک تک پہنچنے لگا۔

چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ نے دعوتی اور تبلیغی خطوط شاہان عالم کے نام روانہ کئے تو ان میں ایک خط قیصرِ روم کے نام بھی تھا۔ جب مسلمان سفیر خط لے کر بیت المقدس پہنچا، تو وہاں قریش کے سوداگر موجود تھے[۱۳۹]۔

عرب میں قریش کی مرکزی حیثیت

قریش کا حلیفی نظام

مکہ کے ایک طرف فلسطین و شام و عراق، دوسری طرف مصر، تیسری طرف حبشہ، چوتھی طرف یمن، اور پانچویں طرف کے ممالک ہزاروں میل کی مسافت پر واقع ہیں اس کے باوجود قریش تاجر " رحلة الشتاء والصيف "کے مطابق برابر اپنے مشن پر جاتے تھے[۱۴۰]۔ ہزاروں میل کی جان لیوا مسافت، راستے میں خورد و نوش کا مسئلہ، سفر کی تھکان ان سب سے بڑھ کر خود مختار، فاقہ مست قبائل اور لٹیروں کا بھی سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اس کے لیے قریش کا حلیفی نظام (خفارہ یا بدرقہ یعنی راہداری حاصل کرنا) ضروری قرار دیا گیا تھا۔ قریشی راہداری کے بغیر عرب کے کسی شخص کو بھی تجارتی سامان لے کر حجاز، نجد وغیرہ کے وسیع رقبے میں پھیلے ہوئے مصری قبائل کی سرزمین سے گزرنے کی اجازت نہ تھی، اور قریشی بدرقہ حاصل کرنا ضروری تھا[۱۴۱]۔

قریش کا طے اور کلب قبائل سے دوستانہ تھا۔ جو شمالی عرب میں خیبر اور دومة الجندل کے اہم رقبے پر پھیلے ہوئے تھے۔ اور یہیں سے عراق، شام اور مصر کو راستے جاتے تھے[۱۴۲]۔

بنی عمرو بن مرثد سے دوستی کی بنا پر قبائل ربیعہ کی سرزمین قریش کے لیے محفوظ تھی۔ جس سے بحرین و عمان یعنی پورے مشرقی عرب کی منڈیوں تک رسائی حاصل ہو گئی

تھی۔ حتی کہ اگر کسی کو بحرین کے سوق مشقر جانا ہوتا، تو قریشی خفارہ (راہداری) ہی حاصل کیا جاتا[۱۴۳]۔

جنوبی عرب میں مہرہ اور حضرموت کے علاقے ہیں، سوق مہرہ جانا ہوتا تو بنی محارب کا بدرقہ حاصل کیا جاتا۔ حضرموت کے سوقِ رابیہ جانے کے لیے قریشی قبیلہ آکل المرار کا خفارہ (راہداری) حاصل کرتے اور دیگر لوگ کندہ کے آل مسروق کا۔ لیکن قریشی سرپرستی کی وجہ سے آکل المرار کو اپنے حریفوں پر برتری حاصل ہو گئی[۱۴۴]۔

غرض عرب کا شمال، جنوب، مشرق، مغرب اور درمیانی پورا حصہ قریشی معاہدوں کی زنجیر میں جکڑ گیا تھا۔ ان کے میلے اور ان کے کاروان جتنے مفید ثابت ہوتے، ان کو قرآن نے دو معجز نما لفظوں میں یوں یاد دلایا ہے کہ: "اطعمھم من جوع و آمنھم من خوف" (فاقے کی جگہ کھانا اور خوف کی جگہ امن) اس نے قریش کو پورے عرب میں ایک مرکزیت عطا کردی۔ اور حج کے موقعہ پر کعبہ و عرفات کے لیے عرب کے انتہائی کونوں سے ہر سال آنے والے لوگوں کے لیے محور قرار دیا گیا۔ کعبہ کی جو عام عظمت اہل عرب کے دل میں تھی اس کی بنا پر قریش "جیران اللہ"[۱۴۵] (خدا کے پڑوسی) سمجھے جاتے تھے اور لوگ ان کو نہیں ستاتے تھے، ان کا خیال اور لحاظ کرتے تھے۔ اس لیے قریش کے تجارتی قافلے بے دھڑک ادھر ادھر پھرا کرتے تھے۔

بعثت نبوی ﷺ کے وقت اہم حکومتوں کا مختصر جائزہ اور نئی قیادت کی ضرورت

رسول اللہ ﷺ کے دور کی حکومتوں اور اہم قوموں کے حالات کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ تاریخ انسانی کا تاریک ترین دور تھا۔ صدیوں سے انسانیت جس پستی کی طرف جارہی تھی اس کے آخری نقطہ کی طرف پہنچ گئی تھی۔ روئے زمین پر اس وقت کوئی ایسی

طاقت نہ تھی جو گرتی ہوئی انسانیت کا ہاتھ پکڑ سکے۔ اور ہلاکت کے غار میں اس کو گرنے سے روک سکے۔ انسان اس دور میں خدا کو بھول کر خود اپنے آپ کو بھی بھول چکا تھا۔ وہ اپنے انجام سے بالکل بے خبر اور بے فکر اور برے بھلے کی تمیز سے قطعاً محروم ہو چکا تھا۔ پیغمبروں کی دعوت کی آواز عرصہ ہوا دب چکی تھی۔ ان کی تعلیمات سے صرف چند خدا شناس اور نیک لوگ ہی شناساں تھے۔ جو آٹے میں نمک کے مترادف تھے۔ دین دار اشخاص دین کی امانت کو اپنے سینہ سے لگائے ہوئے زندگی کے میدان سے کنارہ کش ہو کر دیر و کلیسا اور صحراؤں کی تنہائیوں میں پناہ گزیں ہو گئے تھے اور زندگی کی کشمکش، اس کے مطالبات اور اس کی خشک و تلخ حقیقتوں سے دامن بچا کر دین و سیاست اور روحانیت و مادیت کے معرکہ میں شکست کھا کر اپنے فرائض قیادت سے سبکدوش ہو گئے تھے اور جو زندگی کے اس طوفان میں باقی رہ گئے تھے انہوں نے بادشاہوں اور اہلِ دنیا سے ساز باز کر لی تھی، اور ان کی ناجائز خواہشات اور ظالمانہ نظام سلطنت و معیشت میں ان کے دست راست اور باطل طریقہ پر لوگوں کا مال کھانے اور ان کی قوت و دولت سے ناجائز فائدہ اٹھانے میں ان کے شریک اور حصہ دار بن گئے تھے۔

رومی اور ایرانی اس وقت مغرب و مشرق کی امامت اور دنیا کی قیادت کے اجارہ دار بنے ہوئے تھے، وہ دنیا کے لئے کوئی اچھا نمونہ ہونے کے بجائے ہر قسم کی خرابی اور فساد کے علم بردار اور ذمہ دار تھے۔ مختلف اجتماعی اور اخلاقی امراض کا عرصہ سے یہ قومیں آشیانہ بنی ہوئی تھیں۔ ان کے افراد تعیش و تکلفات کی زندگی اور مصنوعی تمدن کے سمندر میں سر تا پا غرق تھے۔ بادشاہ اور حکام خواب غفلت میں مدہوش اور نشۂ سلطنت میں سرشار تھے۔ کام و دہن کی لذت اور خواہشات نفس کی تسکین کے سوا ان کو دنیا میں کوئی فکر اور زندگی میں کوئی اور مشغلہ نہ تھا۔ زندگی کی ہوس اور لذت کی حرص اتنی بڑھ گئی تھی کہ ان کو کسی طرح سیری نہیں ہوتی تھی۔

متوسط طبقہ کے لوگ دستور کے مطابق اعلیٰ طبقہ کے قدم بقدم چلنے کی کوشش کرتے

تھے۔ عوام زندگی کے بوجھ اور حکومت کے مطالبات اور محصولات کے بار میں ایسے دبے ہوئے اور غلامی اور قانون کی زنجیروں اور بیڑیوں میں ایسے جکڑے ہوئے تھے کہ ان کی زندگی جانوروں اور چوپایوں سے ذرا مختلف نہ تھی۔ دوسروں کی راحت کے لئے محنت کرنے اور دوسروں کے عیش و عشرت کے لئے بے زبان جانوروں کی طرح ہر وقت جتے رہنے اور جانوروں کی طرح اپنا پیٹ بھر لینے کے سوا ان کا کوئی حصہ نہ تھا۔

دنیا کے مختلف حصوں اور ملکوں میں ایسی دینی غفلت اور خود فراموشی، اجتماعی بے نظمی و انتشار اور اخلاقی تنزل و زوال رونما تھا کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ ممالک تنزل و انحطاط اور شرّ و فساد میں ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہتے ہیں۔ اور یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوجاتا ہے کہ ان میں سے کون سا ملک دوسرے سے بڑھا ہوا ہے۔

اقوام و مذاہب پر ایک نظر

اس دور میں بڑے بڑے مذہب بازیچۂ اطفال اور منافقین کا تختۂ مشق بن گئے تھے۔ ان مذاہب کی صورت و حقیقت دونوں اس درجہ مسخ ہو گئی تھی کہ اگر یہ ممکن ہوتا کہ کسی طرح ان مذاہب کے پیشوا دنیا میں آ کر اپنے دین کا حال دیکھ سکیں تو قطعاً وہ اپنے مذاہب پہچان نہ سکتے۔

تہذیب و تمدن کے گہواروں میں خود سری، بے راہ روی اور اخلاقی پستی کا دور دورہ تھا، نظام حکومت میں حد درجہ ابتری تھی، حکام کی سخت گیری اور عوام کی اخلاقی گراوٹ کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام قومیں اپنے اندرونی مسائل ہی میں الجھ کر رہ گئی تھیں، دُنیا کے سامنے پیش کرنے کے لیے ان کے پاس کوئی پیغام تھا اور نہ کوئی دعوت تھی۔ در حقیقت یہ اقوام و مذاہب اندر سے کھوکھلے ہو چکے تھے۔ ان کی زندگی کا سوتا خشک ہوچکا تھا۔ ان کے پاس نہ دینی ہدایات تھیں اور نہ نظام حکومت کے لیے مستحکم و معقول اصول۔ اس فتنہ و فساد اور افراتفری کا نقشہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے کھینچا ہے اس سے بہتر ممکن نہیں۔ "ظہر الفساد

فی البر والبحر بماکسبت ایدی الناس لیذیقھم بعض الذی عملوا لعلھم یرجعون"[۱۴۶]. (خرابی پھیل گئی ہے خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے نتیجہ میں تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھادے اور وہ باز آئیں)۔

پیغمبر اعظم ﷺ کی آمد اور تبلیغی اور سفارتی مشن کا آغاز

ایسے وقت میں جبکہ انسانیت پر نزع کا عالم طاری تھا، دنیا اپنے تمام سازو سامان کے ساتھ ہلاکت کے مہیب و عمیق غار میں گرنے والی تھی۔ عین وقت پر اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ (ﷺ) کو وحی و رسالت کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ اس جاں بلب انسانیت کو نئی زندگی عطا کریں اور لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں۔ "آلر کتاب انزلناہ الیک لتخرج الناس من الظلمات الی النور باذن ربھم الیٰ صراط العزیز الحمید"[۱۴۷] (یہ کتاب ہے جو ہم نے تم پر نازل کی ہے تاکہ تم تمام لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم سے تاریکیوں سے روشنی کی طرف لاؤ، اس خدا کے راستہ کی طرف جو غالب اور ستودہ صفات ہے۔)

رسول اللہ ﷺ نے انسانیت کو صرف ایک بندگی کی دعوت دی اور دنیا کی ساری بندگیوں اور غلامیوں سے نجات دی۔ اور زندگی کی حقیقی نعمتیں اس کو دوبارہ عطا کیں۔ اللہ کا ارشاد ہے: "یأمرھم بالمعروف و ینھاھم عن المنکر و یحل لھم الطیبات و یحرم علیھم الخبائث و یضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم "[۱۴۸].

(محمد رسول اللہ ﷺ ان کو نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائی سے روکتے ہیں، پسندیدہ چیزیں حلال کرتے ہیں، گندی چیزیں حرام ٹھہراتے ہیں، اس بوجھ سے نجات دلاتے ہیں جس کے تلے وہ دبے ہوئے تھے۔ ان پھندوں سے نکالتے ہیں جو ان پر پڑے ہوئے تھے۔)

رسول اللہ ﷺ کی بعثت نے انسانیت کو نئی زندگی، نئی روشنی، نئی طاقت، نئی

حرارت، نیا ایمان، نیا یقین، نئی نسل، نیا تمدن، نیا معاشرہ عطا کیا۔ آپ ﷺ کی آمد سے دنیا کی نئی تاریخ اور انسانیت کے کام کی عمر شروع ہوتی ہے، کہ خود فراموشی و خود کشی میں جو زمانہ گزرا وہ اعتبار کے قابل نہیں۔

حوالہ جات

۱تا۲۔ جرجی زیدان، تاریخ التمدن، الاسلامی، ج ۱، ص ۲۹

۳۔ ڈبلیو ای، ہیٹ لینڈ، تاریخ جمہوریہ روما، ج ۱، ص ۱۲۲

۴تا۵۔ جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی، ج ۱، ص ۳۱

۶تا۸۔ ڈبلیو۔ ای، ہیٹ لینڈ، تاریخ جمہوریہ روما، ج ۱، ص ۱۲۵، ۱۲۶

۹۔ ابن الاثیر الجزری، تاریخ الکامل، ج ۱، ص ۱۷۶، ۱۷۷

۱۰۔ جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی، ج ۱، ص ۳۱: الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک ج ۲، ص .

۱۱۔ ڈبلیو، ای، ہیٹ لینڈ، تاریخ جمہوریہ روما (اردو ترجمہ) ج ۱، ص ۲۲۷-۲۲۶

۱۲۔ القرآن الکریم، الروم (۳۰): ۲، ۳، ۴

۱۳تا۱۴۔ Gibbon, Edward, The History of the Decline and Fall, London: 1891, vol. v, p.190 - 194.

۱۵تا۱۸۔ یاقوت بن عبداللہ الحموی، کتاب معجم البلدان، ج ۶، ص ۳۲۴، ۳۲۵

۱۹۔ ابن اثیر، الجزری، تاریخ الکامل، ج ۱، ص ۲۰۳ = الطبری محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ۲، ص ۱۶۶

۲۰تا۲۳۔ اردو ترجمہ از ڈاکٹر محمد اقبال (ایران بعد ساسانیاں) ص ۵۹۰، ۶۹، ۴۱۸، ۴۲۲، Criston, Arthor, Seen, French Book, "L' Iran Sousles Sassanides.

۲۴تا۲۵۔ الطبری، محمد ابن جریر، تاریخ الامم والملوک ج ۲، ص ۱۳۷، ۱۳۸

۲۶۔ فارسی ترجمہ، از آقائے مجتبیٰ مینوی، (شاہنشاہی ساسانیاں) ص ۷۸

۲۷۔ ابن حزم، کتاب الفصل فی الملل والنحل والاھواء ج ۱، ص ۳۶

۲۸- الشہرستانی، عبدالکریم، الملل والنحل، ج ۲، ص ۸۶

۲۹ تا ۳۲- الطبری، ابن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ۲، ص ۸۸، ۱۷۵، ۹۴

۳۳- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۶۰

۳۴- ابن الاثیر، الجزری، تاریخ الکامل، ج ۱، ص ۱۹۰

۳۵- جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی، ص ۳۰

۳۶- ابن الاثیر، تاریخ الکامل، ج ۱، ص ۱۹۱

۳۷- الیعقوبی، احمد بن ابی یعقوب، تاریخ الیعقوبی، ج ۱، ص ۱۶۷

۳۸- ایضاً، ص ۱۶۸ = ابن اثیر، تاریخ الکامل، ج ۱، ص ۱۹۱

۳۹- جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی، ص ۳۱

۴۰ تا ۴۲- الیعقوبی، احمد بن ابی یعقوب، تاریخ الیعقوبی، ج ۱، ص ۱۶۸

۴۳ تا ۴۵- آرتھر کرسٹن سین (ایران بعہد ساسانیاں) ص ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۲۰ Criston, Arthor, Seen, French Book, "L' Iran Sousles Sassanides.

۴۶- Hiuen Tsaing, Travel's of Hiuen Tsiang, Urdu Translation p. 80.

۴۷، ۴۸- آرتھر کرسٹن سین، فرانسیسی کتاب کا فارسی ترجمہ آقائی محمد مجتبیٰ "شاہنشاہ ساسانیاں، ص ۶۹، ۷۰

۴۹- ایضاً اردو ترجمہ "ایران بعہد ساسانیاں" ص ۲۸

۵۰ تا ۵۱- ابن الاثیر الجزری، تاریخ الکامل، ج ۱، ص ۹۵

۵۲ تا ۵۴- ایران بعہد ساسانیاں ص ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵

۵۵ تا ۵۶- الجاحظ، عمر بن بحر، التاج فی اخلاق الملوک، ص ۲۱۶

۵۷- الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ص ۸۹۹

۵۸ تا ۶۰- شاہنشاہ ساسانیاں، ص ۱۱۳

۶۱- ابن خرداذبہ، کتاب المسالک والممالک، ص ۱۷۳

۶۲- محمد مجتبیٰ شاہنشاہی ساسانیاں، ص ۱۱۳، (حاشیہ)

۶۳- المسعودی، حسین بن علی، مروج الذہب، ج ۲، ص ۹۷

۶۴- ایران بعہد ساسانیاں، ص ۱۷۳

۶۵- الطبری، محمد ابن جریر، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۸۱۹

۶۶- Encyclopaedia Britannica, vol. I, p.72, (Abyssinia).

۶۷- عمر فروخ، تاریخ الجاھلیۃ ص ۷۲

۶۸- ابن عبد البر القرطبی، القصد والامم فی التعریف باصول انساب العرب والعجم، ص ۲۶

۶۹- Encyclopaedia Britannica, vol. 19. p. 785, (Saba).

۷۰- البستانی بطرس، کتاب دائرۃ المعارف، (قاموس) ج ۶، ص ۶۸۲

۷۱- Encyclopaedia Britannica, vol. 19. p. 785, (Saba).

۷۲- Encyclopaedia Britannica, vol. 19. p. 67-68, (Axum).

۷۳- De Lacy O' Leary, Arabic Before Mohammad, London: 1827, P. 120

۷۴- Encyclopaedia Britannica, vol. I. p. 67-68, (Axum).

۷۵- العینی، بدر الدین، عمدۃ القاری، شرح صحیح البخاری، ج ۱، ص ۹۷

۷۶- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۱، ص ۳۶۵

۷۷- البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، ج ۲، ص ۲۳۱ (باب موت النجاشی)

۷۸- احمد بن حنبل، مسند، قاہرہ، ۱۳۱۳ھ ج ۵، ص ۳۷۱

۷۹- سید سلیمان ندوی، تاریخ ارض القران، ج ۱، ص ۲۴۱

۸۰- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۱، ص ۳۸،

۸۱- Encyclopaedia Britannica, vol. I, p.72, (Abyssinia).

۸۲- ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ ج ۲، ص ۱۶۹

۸۳- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۱، ص ۳۹

۸۴- ایضاً، ص ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴

۸۵- حسن احمد زیات، تاریخ الادب العربی، ص ۶

۸۶- عمر فروخ الدکتور، تاریخ الجاھلیۃ، ص ۶۲

۸۷- العینی، بدرالدین، عمدة القاری شرح صحیح البخاری، ج۱، ص۷۹

۸۸- الراغب، حسین بن محمد الاصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، ص ۴۰

۸۹- ابن خرداذبہ، کتاب المسالک والممالک، ص۶۱

۹۰- احمد امین، فجرالاسلام، باب۱، فصل۲، ص۱۳

۹۱- شبلی نعمانی، سیرة النبی ﷺ، ج۱، ص۱۱۴

۹۲- ہمدانی حسن بن احمد، الاکلیل، ج۱، ص۲۰۳

۹۳تا۹۴- الازرقی، محمد بن عبداللہ احمد، کتاب اخبار مکة وماجاء فیہا من الآثار، ص۸۵

۹۵- الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج۲، ص۱۰۸

۹۶- ابن ہشام، السیرة النبویہ، ج۱، ص۳۹ (حاشیہ ۲)

۹۷تا۹۸- ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج۲، ص۱۶۹- ابن ہشام، السیرة النبویہ، ج۱، ص۳۸، ۴۴

۹۹- المرزوقی، ابوعلی، کتاب الازمنۃ والامکنۃ، ج۲، ص۱۶۴

۱۰۰- ابن ہشام، السیرة النبویہ، ج۱، ص۴۳

۱۰۱- ایضاً، ص۴۴ = ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج۲، ص۱۷

۱۰۲- سورة الفیل (۱۰۵): ۱تا۵

۱۰۳- السہیلی، عبدالرحمن بن احمد، الروض الانف، ج۱، ص۱۰۷

۱۰۴تا۱۰۵- ابن ہشام، ج۱، ص۴۷، ۴۴

۱۰۶- SHARPE, Britannica, vol. II , p .264, 245 , 352 .

۱۰۷تا۱۰۸- آلوسی، محمود شکری، بلوغ الارب فی معرفة احوال العرب، ج۱، ص۸

۱۰۹- حسن احمد زیات، تاریخ الادب العربی، ص۶

۱۱۰- صاعد بن احمد بن صاعد الاندلسی، طبقات الامم، ص۶۵

۱۱۱- حسن احمد زیات تاریخ الادب العربی، ص۷

۱۱۲- القرآن الکریم، الحاقة (۶۹): ۵، ۶

۱۱۳تا۱۱۶- حسن احمد زیات، تاریخ الادب العربی، ص۷، ۸

۱۱۷- القرآن الکریم، القریش (۱۰٦):۱، ۲

۱۱۸- المرزوقی، کتاب الازمنۃ والامکنۃ ج ۲، ص ۱٦۵

۱۱۹- الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک ج ۲، ص ۲٦۱

۱۲۰- ابن سید الناس، عیون الاثر، ص ۴۰

۱۲۱- ہمدانی، حسن بن احمد، الاکلیل، ص ۱۲

۱۲۲- عمر فروخ الدکتور، تاریخ الجاھلیۃ، ص ۱۱۳، ۱۱۴

۱۲۳- ابن حبیب، کتاب المنمق، ص ۳۳

۱۲۴- عمر فروخ الدکتور، تاریخ الجاھلیۃ، ص ۱۱۴

۱۲۵ تا ۱۲۹- الطبری، ج ۲، ص ۱۸۰ = ابن حبیب، کتاب المنمق، ص ۲۲ تا ۲۷

۱۳۰- الیعقوبی، ج ۱، ص ۲۰۱

۱۳۱- الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ۲، ص ۱۰۸ = ج ۱، ص (۱۰۸۹)

۱۳۲- الیعقوبی، ج ۱، ص ۲۰۱

۱۳۳- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۷۸

۱۳۴- الیعقوبی، احمد بن ابی یعقوب، تاریخ الیعقوبی، ج ۱، ص ۲۰۱

۱۳۵- ابن حبیب، کتاب المنمق، ص ۳۲، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۷۹

۱۳٦- دانش گاہ پنجاب لاہور، دائرۃ معارف اسلامیہ، (ایلاف) ج ۳، حصہ ۱، ص ۱۸۷

۱۳۷- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۷۸

۱۳۸- البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، ج ۳، ص ۲

۱۳۹- ایضاً، ج ۱، ص ۴

۱۴۰- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۷۸

۱۴۱- ابن حبیب، کتاب المنمق، ص ۲٦۲، ۲٦۳ - حمید اللہ ڈاکٹر، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۳۱

۱۴۲ تا ۱۴۳- المرزوقی، کتاب الازمنۃ والامکنۃ، ج ۲، ص ۱٦۲

۱۴۴- ایضاً، حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۳۲

۱۴۵۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج۱، ص۷۸

۱۴۶۔ القرآن الکریم، الروم: ۴۱

۱۴۷۔ ایضاً، ابراہیم: ۱

۱۴۸۔ القرآن الکریم، الاعراف (۷): ۱۵۰

تیسرا باب

* مکی عہد میں رسول اللہ ﷺ کا سفارتی نظام

* رسول اللہ ﷺ کی تبلیغی اور سفارتی سرگرمیاں

* تبلیغ کی نوعیت

* عالمی مشن کی دعوت اور ردّ عمل

* سفارتی مشن کا سب سے کٹھن مرحلہ

* عہد مکی کے آخری تین سالوں میں تبلیغی پروگرام

تیسرا باب

مکّی عہد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سفارتی نظام

۶۱۰ء میں جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چالیس سال کے ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ معظمہ میں اس بات کا اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے "عالم کے لیے رحمت" اور تمام لوگوں کے لئے بشارت دینے والا بنا کر بھیجا ہے[1]۔ اور اس نے مجھے اپنا پیغام رساں اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنایا ہے تاکہ میں اس کے پیغام کو پوری دنیا تک پہنچادوں۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ: "جب پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس فرشتہ وحی لے کر آیا تو اس نے عرض کیا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کو خوشخبری ہو میں جبریل ہوں، خدا نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے آپ اللہ کے رسول ہیں، اس امت کے جن و انس کو "لاالہ الااللہ" کی دعوت دیجئے"[2]۔

چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داعیٔ حق تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمے یہ فرض تھا کہ دعوتِ حق کی سچائی کا اعلان کردیں اور پیغامِ حق لوگوں تک پہنچادیں، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تبلیغی اور سفارتی مشن کی نوعیت خالصاً دینی اور مذہبی تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو طریقے استعمال کیے:

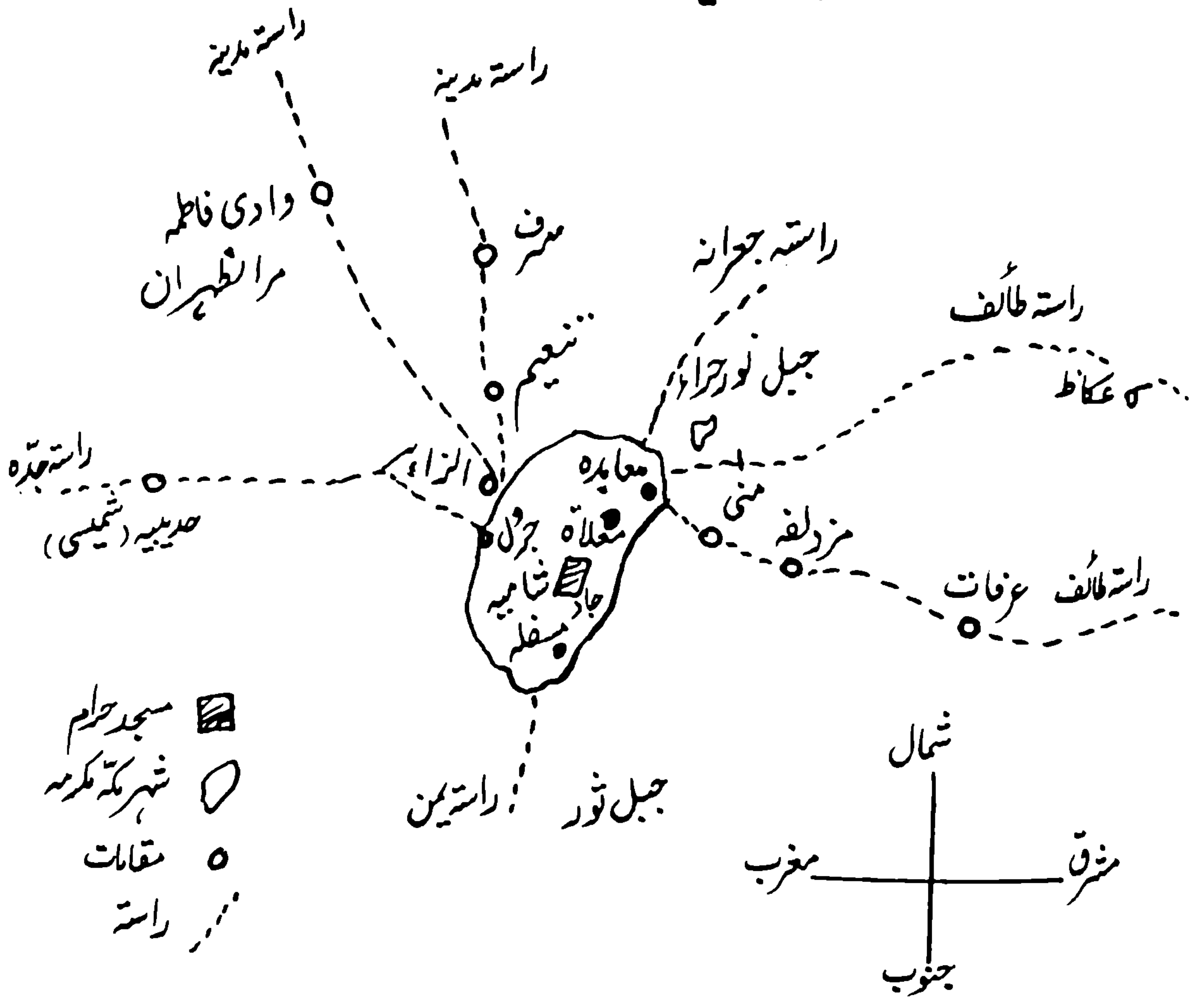
۱۔ بنفس نفیس دعوت و تبلیغ اور خدا کے پیغام کو لوگوں تک پہنچایا۔

۲۔ جان نثارانِ اسلام کے ذریعے تبلیغی و سفارتی مشن کو جاری رکھا کہ جو بھی اسلام کے دائرے میں داخل ہوتا اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے قبیلے میں واپس بھیج دیتے تاکہ سفارتی مہم جاری رہے۔ اس ضمن میں طفیل دوسی رضی اللہ عنہ[3]، ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ[4] اور عمروؓ بن عبسہ[5] کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

نقشہ مکۃ مکرمہ

شاہراہیں، گزرگاہیں

پیمانہ ۵ ۱۰ میل



رسول اللہ ﷺ کی تبلیغی و سفارتی سرگرمیاں

محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت چونکہ عام تھی اور ساری دنیا کے لئے، لہذا آپ ﷺ کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ تھی کہ آپ ﷺ ساری دنیا میں دعوتِ اسلام کی تبلیغ کریں اور اپنی مسؤلیت کی ذمے داری کو پورا کریں اور اپنی رسالت کی زندگی کی پہلی فرصت میں یعنی حصولِ امن کے پہلے موقع میں سب سے پہلا کام یہ کریں کہ دعوتِ اسلامی کی تبلیغی اور سفارتی خدمت ساری دنیا میں انجام دیں، کیونکہ یہ ذمے داری فرض عین کی حیثیت رکھتی ہے اور اس بارے میں خدا کے ہاں جواب دہی سب سے زیادہ اور سب سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید نے تبلیغ کی مسؤلیت کو رسول ﷺ کے حق میں اتنا ابھارا ہے کہ معلوم ہوتا ہے جیسے رسالت کا اصل مقصود تبلیغ اور صرف تبلیغ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

۱. "قل اطیعوااللہ واطیعوا الرسول فان تولوا فانما علیه ماحمل وعلیکم ما حملتم و ان تطیعوہ تھتدوا وماعلی الرسول الا البلاغ المبین"[٦]. (فرمادیجیے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو۔ پھر اگر تم روگردانی کروگے تو رسول پر جو ذمے داری ڈالی گئی ہے وہ ان پر ہے اور جو تم پر ذمے داری ڈالی گئی ہے وہ تم پر ہے اور اگر تم رسول کی اطاعت کروگے تو ہدایت پاجاؤ گے اور رسول کے ذمہ تو صرف کھلی تبلیغ ہے)

۲. "یاایھاالرسول بلّغ ماانزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالته"[٧]. (اے پیغمبر تیرے پروردگار کی طرف سے تم پر جو کچھ نازل کیا گیا ہے، تبلیغ کردیجیے اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے خدا کی پیغمبری کو ادا نہیں کیا۔)

قرآن مجید نے رسول کے لیے تبلیغ کے سوا کسی بات کو اتنی اہمیت نہیں دی۔ ظاہر ہے کہ وہ رسول جس کی بعثت کسی خاص قوم، نسل خاندان اور ملک کے لیے ہوگی۔ اس کے لیے اس کی تبلیغ فرض عین ہوگی لیکن ایسا رسول ﷺ جس کے بارے میں ذکر ہو: "ھوالذی

ارسل رسوله بالهدیٰ ودین الحق لیظهره علی الدین کله"[۸]. (وہ اللہ جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اس کو تمام ادیان پر غالب کر دے)

تو اس کی بعثت عام اور ساری دنیا کے لیے ہوگی۔ اس کے لیے ساری دنیا میں تبلیغ فرضِ عین ہوگی اور اس کی رسالت عامہ کے فرضِ منصبی کا تقاضا یہ ہوگا کہ وہ اپنی پہلی فرصت میں سب سے پہلے تبلیغِ عام کی خدمت انجام دے۔ کیونکہ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو لازم آئے گا کہ اس نے اپنی رسالت کا حق ادا نہیں کیا اور اپنی خدمتِ رسالت کی انجام دہی میں ناکام رہا۔

سفارتی و تبلیغی مشن کا خفیہ منصوبہ

چونکہ رسول اللہ ﷺ "پیغمبرِ عالم" تھے اس لیے آپ کے سامنے اپنے فریضۂ منصبی کے لحاظ سے عالمی مشن کی تبلیغ کا مسئلہ تھا کہ اس فرضِ رسالت کو کیونکر انجام دیا جائے آپ ﷺ نے اپنے چالیس سالہ دور زندگی پر نگاہ ڈالی، عرب کے ماحول کا ایک ایک گوشہ آپ ﷺ کے سامنے تھا ہر شخص آپ ﷺ کے سامنے ایک کھلی کتاب کی مانند تھا، پھر ماضی کے وہ واقعات جن کا مستقبل کی تخلیق میں نمایاں حصہ ہوتا ہے۔ ان پر غور کیا تو مشکلات کے بادل آپ ﷺ کے سامنے آکر کھڑے ہوگئے۔ ان مشکلات کے جھرمٹ میں فراستِ نبوی ﷺ نے یہ فیصلہ کیا کہ عرب کے ان خیالات میں حکمتِ عملی کا تقاضا یہ ہے کہ عالمی مشن کو کامیاب بنانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ سب سے پہلے حسنِ تدبیر اور تدریج سے عالمی مشن پر مر مٹنے والوں کی ایک ایسی جماعت تیار کی جائے جن کے سامنے مشکلات اپنی موت خود مر جائیں مگر یہ جماعت باقی رہے۔ لہذا آپ ﷺ نے عالمی مشن کی تبلیغ کے متعلق فیصلہ فرمایا کہ چند سال تک رازدارانہ طریق پر تبلیغ کی جائے[۹]۔

تین سال تک رازدارانہ تبلیغ کی حکمت

نبوت کے ابتدائی تین سال سنہ ۱ تا سنہ ۳ نبوی کا ایسا ماحول تھا کہ عالمی مشن کی عالمی دعوت تو کجا مکہ میں بھی علانیہ دعوت، وقت کی حکمتِ عملی کے تقاضوں کے خلاف تھا۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ان ابتدائی تین سالوں میں اسلامی دعوت کا کام جو کچھ بھی کیا وہ بالکل رازدارانہ طریق پر کیا[۱۰]۔

اولین سفارتی مہم میں شامل افراد

ابن ہشام میں لکھا ہے کہ: "حضرت خدیجہؓ جو سب سے پہلے ایمان لائیں ان کے سبب سے اللہ نے حضور ﷺ کے کام میں آسانی پیدا کردی وہ عالمی مشن کے کام میں حضور ﷺ کو ہمیشہ دلاسا دیتیں اور آپ ﷺ کے بار کو ہلکا کرتیں۔ آپ ﷺ نے دعوت کا آغاز اس طرح کیا کہ تنہائی میں ان لوگوں پر تبلیغ فرمانے لگے جو آپ ﷺ کے جان پہچان اور آپ ﷺ پر بھروسہ کرنے والے تھے"[۱۱]۔

جو صحبت سے پوری طرح فیض یاب ہو چکے تھے، جن کو حضور ﷺ کی ایک ایک حرکات و سکنات اور اخلاق و عادات کا تجربہ ہو چکا تھا، جو پچھلے تجربوں کی بنا پر حضور ﷺ کے دعویٰ کی سچائی کا قطعی فیصلہ کرسکتے تھے۔ یہ لوگ، حضرت خدیجہؓ جو آپ کی حرم محترم تھیں، حضرت علیؓ تھے جو حضور ﷺ کی آغوش تربیت میں پلے تھے۔ زیدؓ تھے جو آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام اور خاص آدمی تھے، حضرت ابوبکرؓ تھے جو سالہا سال سے حضور ﷺ کی خدمت میں رہ کر صحبت سے فیض یاب ہو چکے تھے[۱۲]۔ ان سب نے پیغامِ حق کو قبول کیا۔

جان نثارانِ اسلام کے ذریعے تبلیغی و سفارتی مشن

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی اپنے اسلام کے بعد اندرون خانہ بالکل رازدارانہ طور پر اسلامی مشن کی تبلیغ کا کام شروع کردیا اور اپنے جان پہچان والے مخصوص احباب کے حلقہ میں

جن سے تاجرانہ تعلقات کی بنا پر ان کو خاص انس اور تعلق تھا، بالکل مخفی طور پر اس مشن کی دعوت دینے لگے اور اپنے وسیع تجربے کی بنا پر چھانٹ چھانٹ کر جوہر قابل کو اپنانا شروع کردیا۔ ان کی پر خلوص کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی دعوت سے حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت زبیرؓ بن عوام، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت طلحہؓ جیسے جلیل القدر لوگ عالمی مشن کی دعوت میں شریک ہوگئے اور آپ ان سب کو لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے(۱۳)۔

ان کے ساتھ ہی کئی دوسرے لوگ تبلیغی مشن میں داخل ہوئے(۱۴)۔

ابن ہشام میں ہے کہ اس کے بعد مرد اور عورتیں بے روک ٹوک اسلام میں داخل ہونے لگے۔ یہاں تک کہ مکہ میں اسلام پھیل گیا اور ہر طرف اس کا چرچا ہونے لگا(۱۵)۔ لیکن اسلامی مشن کی دعوت اور تبلیغ کی خدمت اب تک جو کچھ ہوئی رازدارانہ اور پوشیدہ طور پر ہوئی۔ برملا کسی کو دعوت دی جاتی اور نہ اعلان و اظہار کیا جاتا بلکہ اس سے روکا جاتا تھا۔

الف: حضرت ابوذر علیہ السلام کا قبول اسلام اور رازداری کی تاکید

حضرت ابوذر غفاریؓ(۱۶) جب تحقیق حال کے لئے پہنچے اور حرم میں حضرت علیؓ سے ملاقات ہوگئی اور وہ ان کے مہمان ہوگئے تو تین دن تک خوف کے مارے حضرت علیؓ سے بھی کچھ پوچھنے کی جرأت نہ ہوئی۔ جب حضرت علیؓ نے خود ہی آنے کی غرض پوچھی تو ڈرتے ڈرتے بتایا اور رازداری کا قول و قرار لے لیا۔ حضرت علیؓ ان کو حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لائے۔ حضور ﷺ نے اسلام کی تلقین کی اور فرمایا کہ اس وقت گھر واپس جاؤ اور وہاں تبلیغ کرو(۱۷)۔ چنانچہ وہ اسلام قبول کر کے واپس چلے گئے(۱۸)۔

ب: عمرو بن عبسہ کا قبول اسلام اور رازداری کی تاکید

اسی طرح مکہ سے باہر کے لوگوں میں حضرت عمرو بن عبسہ سلمی رسول کریم ﷺ کی

خبر سن کر مکہ آئے اور کسی طرح حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور حسب ذیل گفتگو ہوئی:

عمرو بن عبسہ: آپ ﷺ کون ہیں؟

حضور ﷺ: میں اللہ کا پیغمبر ہوں۔

عمرو: پیغمبر کس کو کہتے ہیں؟

حضور ﷺ: اللہ نے مجھ کو پیغام دے کر بھیجا ہے۔

عمرو: کیا پیغام دے کر بھیجا ہے؟

حضور ﷺ: مجھے اللہ نے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ قرابت کا حق ادا کیا جائے، بت توڑے جائیں، اللہ کو ایک مانا جائے اور کسی کو اس کا شریک نہ بنایا جائے۔

عمرو: آپ کے کتنے پیرو ہیں؟

حضور ﷺ: ایک آزاد (حضرت ابو بکر صدیقؓ) اور ایک غلام۔

عمرو: تو میں بھی آپ ﷺ کی پیروی کرتا ہوں۔

حضور ﷺ: اس وقت واپس جاؤ جب میری کامیابی کا سننا تو میرے پاس آنا، تم دیکھ رہے ہو کہ میں کس حال میں ہوں[۱۹]۔

اسماء الرجال کی کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ بہت پہلے مسلمان ہوگئے تھے جب خیبر فتح ہوا تو یہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے[۲۰]۔ اس سے معلوم ہوا کہ جیسے مصلحت وقت کا تقاضا ہو اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "استعینوا علی الحوائج بالکتمان" (ضروریات کو پورا کرنے میں رازداری سے مدد لیا کرو)

بہرحال تین سال تک معاملہ یوں ہی رہا اور خفیہ اور پوشیدہ طرز تبلیغ و سفارتی مشن جاری رہا[۲۱] کیونکہ یہ فریضہ رسالت تھا اور حضور ﷺ اس کے لئے مامور تھے۔ عام کام صیغہ راز میں انجام پاتا تھا، نماز مکہ کی گھاٹیوں میں چھپ چھپ کر ادا کی جاتی تھی۔ ابن ہشام میں ہے کہ: "جب نماز کا وقت آتا تو رسول اللہ ﷺ مکہ کی گھاٹیوں کی طرف نکل جاتے اور

حضرت علیؓ بھی چھپ چھپا کر ساتھ ہوجاتے جب شام ہوتی تو دونوں لوٹ آتے"[۲۲]۔

تبلیغ کی نوعیت

تبلیغ و دعوت کیا تھی اس زمانے کی نازل شدہ آیات قرآنی کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ لوگ خدا کو ایک ماننے[۲۳]، اس کے ہر طرح کے شرک سے پاک ہونے اور مرنے کے بعد انسان کے دوبارہ زندہ ہوکر حساب و کتاب دینے اور اس کے مطابق جنت یا دوزخ کے جزاء و سزا پانے پر مشتمل تھی، اس کے ساتھ ہی بت پرستی کی لغویت، فرشتوں کا وجود، انہیں کے ذریعے سے خدا کا اپنے رسولوں پر وحی کرنا اور بندوں کی ہدایت کے لئے مامور کرنا، بیان ہوتا تھا۔ اخلاق حسنہ اور خیرات و صدقات کی ترغیب بھی دی جاتی تھی اور حضور ﷺ کی اصل دعوت عقل و حکمت کی دعوت تھی، صدق و صفا کی دعوت اور جذبات کے ان پہلوؤں کی دعوت تھی جو عقل و فہم سے ہم آہنگ ہوتے ہیں۔

تبلیغ کا طریقہ

تبلیغ کا طریقہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی دوست یا تجس پسند ملتا، تو رسول اکرم ﷺ خوش الحانی[۲۴] سے قرآن مجید کی کچھ آیتیں اسے سناتے، پھر ان کی تشریح و توضیح کرکے ہر مخاطب کے حسب حال اسلامی اصولوں کی تفصیل بیان کرتے۔ ایک طرف خدا کے خالق و رحیم ہونے کی بے پایاں نعمتوں کا ذکر ہوتا۔ دوسری طرف اس کی قدرت و قوت یاد دلا کر آخرت کے حساب و کتاب سے ڈرایا جاتا۔ اس طرح ملک کے مروجہ اخلاق کی برائی بیان کی جاتی کہ خود ہماری ہی دستکاری کے نمونے، جو خود اپنے آپ کی حفاظت نہیں کرسکتے اور نہ بات چیت کرسکتے، سن سکتے اور حرکت کرسکتے ہیں، وہ خدا یا خدا کے ہاں شفیع کیسے ہوسکتے ہیں۔ غرض "آمنت باللہ وملائکته وکتبه ورسله والبعث بعد الموت والقدر خیره وشره من اللہ تعالیٰ والحساب والمیزان والجنة والنار"[۲۵]. کی تعلیم کا خلاصہ اور نچوڑ

تھا جو اس زمانے میں دی جاتی تھی۔

کلامِ الٰہی کی سحر آفرینی

قرآن مجید میں کچھ ایسا سحر تھا کہ اس کے سامنے جادو بیان عرب بھی سر دھننے لگتا تھا۔ ایسی روایتیں ملتی ہیں کہ اسلام کے سخت ترین مخالف بھی راتوں کو چھپ کر نبی کریم ﷺ کی نماز تہجد میں قرآن کی تلاوت سنتے اور لطف اندوز ہوتے اور کچھ نہیں تو دلنشیں آہنگ کا لطف اٹھاتے اور کوشش کرتے کہ کوئی انہیں دیکھنے نہ پائے اور بار بار راستے میں ایک دوسرے کو دیکھ بھی لیتے تو نصیحت پکڑتے[۲۶]۔ خود حضرت ابوبکر صدیقؓ کا حال یہ تھا کہ انہوں نے اپنے مکان کے صحن میں ایک مسجد بنائی جہاں تلاوتِ قرآن مجید کی محفلوں کا انعقاد ہوتا تھا۔ ابن ہشامؒ نے لکھا ہے کہ اس کو سننے کے لئے آس پاس کے آزاد لوگ اور لونڈیاں بھی آجایا کرتے[۲۷]۔

علانیہ دعوت کا حکم (سنہ ۴ نبوی)

آپ ﷺ کو تین سال کے بعد علانیہ دعوت و تبلیغ کا حکم ملا۔ ابن سعدؒ نے لکھا ہے کہ: "ابتداء نبوت سے لے کر تین سال تک پوشیدہ اور راز دارانہ طریق پر نبی کریم ﷺ مکہ میں تبلیغی و سفارتی مشن کو جاری کیے رہے[۲۸]۔

چوتھے سال سے آپ نے علانیہ دعوت دینی شروع کی جب کہ خداوند کریم کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ: "فاصدع بماتؤمر"[۲۹]. (آپ کے پاس اللہ کی جانب سے جو وحی آتی ہے اس کو واشگاف بیان کیجئے)۔ "وانذر عشیرتک الاقربین"[۳۰]. (اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے)

اور اللہ کی طرف سے دعوت دیجیے آپ ﷺ ابتداء نبوت سے تین سال تک پوشیدہ طور پر دعوت دیتے رہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کو کھلم کھلا دعوت دینے کا حکم ہوا[۳۱]۔

ابن ہشام میں ہے کہ: ''جب مکہ میں اسلام پھیل گیا اور ہر طرف اس کا چرچا ہونے لگا اور ایک اچھی خاصی جماعت دائرہٴ اسلام میں داخل ہو گئی جو کہ حکمتِ عملی کے تقاضوں کے مطابق وجود میں آئی تھی اور جن کے سامنے مشکلات اپنی موت خود مرجائیں مگر یہ جماعت ختم نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ کسی مخالف کی پرواہ کیے بغیر علانیہ اپنے سفارتی و تبلیغی مشن کو جاری کر دیجیے''(۳۲)۔

اس پر حضور ﷺ نے خلوت و جلوت دونوں میں کھلم کھلا اسلامی مشن کی تبلیغ فرمانی شروع کر دی۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ: ''حضور ﷺ نے علانیہ توحید کی دعوت اور بت پرستی پر ملامت شروع کر دی اور کوہِ صفا پر چڑھ کر قریش کو دعوت دی اور فرمایا کہ میں تمہیں ایک عذاب سے ڈرانے والا ہوں، اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے سب سے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤں اور میں نہ تو تمہارے کسی دنیاوی فائدے پر قادر ہوں اور نہ آخرت کے کسی حصہ پر، سوائے اس کے کہ تم "لاالہ الااللہ" کہہ دو:''(۳۳)۔

حضرت عباسؓ سے روایت ہے کہ سبھی لوگ آپ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے حاضر ہوگئے لیکن حضور ﷺ کا پیغام سن کر آپ ﷺ کے چچا ابولہب نے کہا: ''تمہارا پورا دن برباد ہو، بس اسی لیے ہم کو جمع کیا تھا''(۳۴)۔

دینی مشن کی یہ کھلی ہوئی پہلی دعوتِ عام تھی جو قریش پر پیش کی گئی۔ ابولہب کی ہرزہ سرائی سے بات آئی گئی ہو گئی اور کوئی نتیجہ خیز بات نہ ہوئی۔ ابولہب کے یہ گستاخانہ الفاظ خدا کو پسند نہ آئے۔ اس نے وحی بھیجی کہ: "تبت یدا ابی لھب وتب ماأغنیٰ عنه ماله وماکسب سیصلیٰ ناراً ذات لھب وامرأته حمالة الحطب، فی جیدھا حبل من مسد"(۳۵)۔ (ابولہب ہی کے ہاتھ (اقتدار) برباد ہوگئے، اس کی دولت اور اس کی کمائی اس کے کوئی کام نہ آئی۔ وہ جلد شعلے والی آگ میں جا گرے گا اور ساتھ ہی اس کی بیوی بھی، جو ایندھن کا بوجھ اٹھائے ہوگی اور اس کی گردن میں مونجھ کی رسی ہوگی۔)

تین برس کی اس سینہ بہ سینہ رازدارانہ تبلیغ کے بعد علانیہ کام کا آغاز ہوا تو ابن حجر نے اصابہ میں لکھا ہے کہ: ''پہلی مرتبہ علانیہ نماز باجماعت حرم کعبہ میں ادا کی گئی اور قریشی انداز سے مختلف طریقے کی عبادت بجالائی گئی تو اس وقت ایک زبردست ہنگامہ مچا اور قریش کی دست درازیوں سے ایک مسلمان حارث بن ابی ہالہ اس موقع پر شہید ہوگئے اور اس کے بعد عرصہ تک پھر حرم کعبہ میں مسلمانوں کی نماز بند ہوگئی''(۳۶)۔

ابن سعدؒ نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی دعوت کو عام کرنے کے لئے عبدالمطلب کے خاندان میں سے چالیس آدمیوں کو کھانے پر بھی بلایا اور کھانے کے بعد ان لوگوں کو اسلامی مشن کی دعوت دی اور فرمایا: ''کوئی میری دعوت کو قبول کرتا ہے اور جس مشن پر میں ہوں اس میں کون میری مدد کرے گا تو اس کو جنت ملے گی لیکن پوری مجلس پر سکوت کا عالم طاری تھا اور صرف علیؓ کی آواز اٹھی، یارسول اللہ ﷺ ! میں دعوت قبول کرتا ہوں اور آپ ﷺ کی مدد بھی کروں گا اگرچہ میں ان سب میں بہت چھوٹا ہوں اور میری ٹانگیں بھی کمزور اور پتلی ہیں''(۳۷)۔ بات آئی گئی ہوگئی اور لوگ اٹھ کر چلے گئے۔

اتمام حجت کے بعد عالمی مشن کی دعوت میں سرگرمی

قریبی رشتہ داروں کو خدا کے حکم کی تعمیل میں آگاہ فرمانے کے بعد حضور ﷺ خلوت وجلوت دونوں میں کھلم کھلا عالمی مشن میں سرگرمی دکھانے لگے۔ طبقات میں ہے کہ:

''رسول اللہ ﷺ نے اتمام حجت کے بعد خفیہ اور علانیہ دونوں طرح عالمی مشن کی دعوت دی تو نوجوانوں میں سے اور غرباء کے طبقہ سے جس کو اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال ہوئی، دعوت قبول کی۔ یہاں تک کہ ایمان لانے والوں کی کثرت ہوگئی اور آپ ﷺ شروع میں جو کچھ فرماتے تھے قریش اس پر اجنبیت محسوس نہیں کرتے تھے۔ ہاں یہ ہوتا تھا کہ آپ جب ان کی مجلس یعنی دربار کے وقت ان کے پاس سے گزرتے تھے تو وہ آپ ﷺ

کی طرف اشارہ کر کے کہتے تھے کہ بنو مطلب کا یہ لڑکا آسمان کی باتیں کرتا ہے۔ یہ معاملہ کچھ دنوں تک یونہی رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان بتوں کی حقیقت اور اصلیت کو کھول کر بیان کردیا۔ جن کو وہ خدا کے سوا پوجتے تھے اور ان کے آباء واجداد کی ہلاکت و نامرادی کا ذکر کیا جن کا خاتمہ کفر پر ہوا تو وہ لوگ چوکنا ہو گئے اور حضور ﷺ کے دشمن ہو گئے۔

قریش مکہ جب اسلام کے استیصال اور مسلمانوں کی مخالفت میں متحد و متفق ہو گئے تو حضور ﷺ کے چچا اور آپ ﷺ کے سرپرست جناب ابوطالب نے محسوس کرلیا کہ ان کی عداوت کا کوہِ آتش فشاں آگ کالاوا اُگل کر رہے گا تو کھل کر حضور ﷺ کی حمایت کا اعلان کردیا(۳۸)۔ جس سے آپ ﷺ کی ذات تو قریش کے شر سے محفوظ رہی مگر مسلمانوں کی زندگی قریش کی ایذارسانی، قید و بند اور مختلف قسم کی تکالیف اور مصائب سے دو بھر ہو گئی(۳۹)۔

بالآخر سنہ ۵ نبوی میں حضور ﷺ نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ اپنے دین پر قائم رہنے کے لیے مناسب یہی ہے کہ حبش کو ہجرت کر جائیں(۴۰)۔ وہاں بھی مسلمانوں کو چین سے نہ بیٹھنے دیا گیا۔ سنہ ٦ نبوی میں معاملہ اس حد تک پہنچ گیا کہ قریش نے جب دیکھا کہ ہماری ہر طرح کی سختی اور شدت کے باوجود محمد ﷺ کی علانیہ دعوت سے لوگ متاثر ہوتے ہیں اور مسلمانوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے تو طے یہ ہوا کہ محمد ﷺ کو عالمی مشن کی دعوت سے ہر حیلے روکا جائے۔ چنانچہ اس پر عمل در آمد کرانے کے لیے آپ ﷺ کے بزرگ چچا اور قبیلہ کے سربراہ ابوطالب کے پاس شکایتی وفود کا آنا بے جا نہ تھا۔

الف: قریش کی پہلی سفارت

قریش کی سب سے پہلی سفارت جناب ابو طالب کے پاس یہ مطالبہ لے کر آئی کہ آپ رسول اللہ ﷺ کو ان کے مشن سے روک دیجئے یا ہمارے اور ان کے درمیان دخل نہ دیجئے۔ یہ پہلی سفارت تھی۔ جناب ابوطالب نے نرمی سے کام لے کر واپس کردیا(۴۱)۔

ب: دوسری سفارت

لیکن عالمی مشن کی دعوت چونکہ علانیہ جاری تھی اور وجہ مخاصمت چونکہ اپنی جگہ پر موجود تھی اس لیے پھر دوبارہ سفارت آئی۔ جب اس پر بھی عالمی مشن کی دعوت بند نہ ہوئی تو تیسری سفارت آئی۔

ج: تیسری سفارت

ایک وفد نے آکر جناب ابوطالب کو چیلنج دیا کہ اپنے بھتیجے کو یا تو بتوں کی مذمت وغیرہ سے روکیئے یا پھر اپنی حمایت سے نکال دیجیے[۴۲]۔ اس مرتبہ ان کے غم و غصہ کا پارہ اتنا اونچا تھا کہ وہ چیلنج دے کر چلے گئے اور جواب کی بھی پرواہ نہیں کی اور نہ اس کی ضرورت سمجھی کہ جناب ابو طالب سے اس بارے میں ان کا عندیہ معلوم کیا جائے، جناب ابو طالب نے ارکان سفارت کے تیور دیکھ کر سمجھ لیا کہ قریش اب صبر و تحمل نہیں کر سکیں گے اور معاملہ نے نہایت سنگین صورت اختیار کر لی ہے اور تنہا قریش کامقابلہ ممکن نہیں ہے تو رسول اللہ ﷺ کو بلا کر کہا کہ تمہاری قوم کا یہ مطالبہ ہے۔اس لیے تم اپنی جان پر بھی رحم کرو اور مجھ پر بھی رحم کرو اور مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ میں اسے برداشت نہ کر سکوں۔

رسول اللہ ﷺ نے جناب ابو طالب سے سن کر یہ سمجھا کہ اب چچا بھی جو ظاہری پشت پناہ تھے، حمایت سے عاجز ہو رہے ہیں، کوئی بعید نہیں کہ وہ بھی آپ ﷺ کی حمایت سے دست بردار ہو جائیں۔ پھر بھی حضور ﷺ نے پورے اطمینانِ قلب کے ساتھ فرمایا: "واللہ لو وضعوا الشمس فی یمینی والقمر فی یساری علیٰ ان اترک ھذا الامر حتیٰ یظھرہ اللہ واھلک فیہ ما ترکتہ "[۴۳]. (اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی لاکر رکھ دیں تو میں اپنے فریضے سے باز نہیں آسکتا۔ یہاں تک کہ اللہ اس کو غالب کر دے یا میں اسی میں ختم ہو جاؤں۔)

مزید فرمایا کہ: "اگر آپ میری حمایت نہیں کرسکتے تو بھی پروا نہیں۔ میں خدا کے حکم سے یہ کام انجام دے رہا ہوں اور اسی کی حفاظت میرے لئے کافی ہے"۔
یہیں سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو اپنے مشن سے کس قدر لگاؤ تھا اور آپ کس طرح مخالفت کی پروا نہ کرتے ہوئے اپنے کام میں مگن تھے۔

دراصل تبلیغ کے لیے وہ تحریک دروں چاہیئے جو اپنے اندر آگ کی طرح ہر آن سلگ رہی ہو، وہ دھن اور وہ لگن درکار ہے جو چین سے نہ بیٹھنے دے۔ وہ عشق مطلوب ہے جو جنون کی طرح ہر وقت سر پر سوار ہو۔ یہی وہ شعلہ ہے جو دوسروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔

د: عتبہ کی سفارت

ایک اور موقع پر عتبہ نامی ایک سنجیدہ مزاج قریش نے ڈپلومیٹک انداز میں تنہا آکر آپ ﷺ سے بحث کی اور پوچھا کہ آپ ﷺ کا اس تبلیغ سے کیا منشاء ہے؟ دولت چاہتے ہو؟ خوبصورت بیویاں چاہتے ہو؟ پورے شہر کی سرداری چاہتے ہو؟ ہم ہر چیز کے لیے آمادہ ہیں[۴۴]۔ صرف ہمارے دیوتاؤں کی مذمت سے باز آجاؤ اور ان کی پوجا کرنے والوں کی (جن میں ہمارے آباء و اجداد بھی تھے) دوزخی ہونے کے اعلان سے دست بردار ہوجاؤ۔ اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے سورۃ حٰم السجدۃ کی ابتدائی آیات تلاوت فرمانا شروع کیں۔ ان میں خدا کے عذاب سے ڈرایا گیا تھا۔ عتبہ اس قدر متاثر ہوا کہ اسے خوف ہوا کہ کہیں وہ دھمکی اسی لمحے پوری ہو کر خدا کا عذاب نہ نازل ہوجائے۔ اس نے قسمیں دیں کہ محمد ﷺ اب مزید تلاوت نہ فرمائیں اور وہاں سے خاموش چلا گیا[۴۵]۔

دراصل نبی کریم ﷺ کے مشن میں اس قدر سچائی اور حقیقت پسندی غالب تھی کہ اس کی صداقت کے سامنے سب کا دجل و فریب ظاہر ہوجاتا اور وہ حق سمجھنے پر مجبور ہوجایا کرتا تھا۔ درحقیقت حضور ﷺ کی بات مخاطب کی ذہنی سطح کے مطابق ہوتی۔ کوئی ایچ پیچ یا منطقی موشگافیاں نہ ہوتی تھیں، بات دو ٹوک ہوتی تھی اور حشو و زوائد سے پاک، اس کے ساتھ

حضور ﷺ کا اپنا کردار اور سیرت مطہرہ، جس کا اثر ایک ایک ادا سے ظاہر ہوتا تھا، اخلاص، بے لوثی اور اقدارِ عالیہ سے وابستگی اس کے علاوہ تھی۔ اللہ بھی فرماتا ہے۔

"وقل لهم فی انفسهم قولاً بلیغا"[۴۶] (ان سے ایسی بات کرو جو دل میں اتر جائے)۔

سفارتی مشن کی راہ میں رکاوٹیں اور تائیدِ ایزدی

سفارتی و تبلیغی مشن کو ناکام بنانے کے لیے قریش نے ہر حربہ استعمال کیا۔ لیکن وہ اس کی صداقت اور حقانیت کا انکار نہ کرسکے اور نہ ہی وہ اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرسکے۔ اب قریش نے ایک اور چال چلی کہ ان تمام مسلم اراکین کے بارے میں جو قریش کے مختلف قبیلوں میں سے اسلام لاچکے تھے اور اپنے اپنے قبیلوں میں اپنے قبیلہ والوں کی پناہ میں تھے اور ان ہی میں رہا کرتے تھے، ہر قبیلے کو اس بات پر ابھارا کہ وہ اپنے قبیلے کے مسلمانوں پر پل پڑیں اور ان کو دین سے برگشتہ کرنے کے درپے ہوجائیں۔ اس طرح ان کو مرتد کرنے کی ہر طرح تدبیریں کی گئیں[۴۷]۔

اس طرح اعلانِ نبوت پر چھ سال گزر گئے اور اسلام آہستہ آہستہ پھیلتا ہی گیا اور جو ایک مرتبہ مسلمان ہوگیا پھر کوئی ترغیب و ڈر خوف وغیرہ حتی کہ سخت سے سخت ایذا رسانی بھی اس کو اس سے دست بردار ہونے پر آمادہ نہ کرسکی۔ اس سے قریش کے مشرک سرغنوں کا غصہ بڑھتا ہی جارہا تھا۔ ایذا رسانی پر صبر بلکہ ایذا دینے والے کی خدمت بھی اس زمانے میں رسول اللہ ﷺ کا ایک اصول نظر آرہا ہے۔ اس سے بھی بعض غیر متوقع اور اچھے نتائج نکلے۔

الف: سفیرِ اعظم ﷺ کا معہ خاندان بائیکاٹ

حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کے رسول اللہ ﷺ کے سفارتی اور تبلیغی مشن میں شامل ہوجانے سے قریش کی عداوت و مخالفت میں مزید سختی آگئی۔ جیسے جیسے وہ دیکھتے تھے کہ

رسول اللہ ﷺ کے پیرو کار زیادہ ہورہے ہیں، ویسے ویسے ان کی شدت بڑھتی چلی جارہی تھی مگر جب وہ یہ دیکھتے کہ ان کی سختی بھی قبول اسلام کی راہ میں رکاوٹ نہیں پیدا کرتی ہے تو وہ حیران ہوجاتے تھے اور دوسری راہ سوچنے لگتے تھے(۴۸)۔

اسی دوران انہیں اطلاع ملی کہ نجاشی نے حضرت جعفرؓ اور ان کے رفقاء کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا ہے اور ان کو عزت و احترام سے رکھا ہے تو قریش رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب پر غضب ناک ہوگئے اور رسول اللہ ﷺ کے قتل پر اتفاق کرلیا(۴۹)۔

اور اس کی عملی صورت باہم مشورے سے یہ سوچی گئی کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے پورے خاندان کو جنہوں نے محمد ﷺ کی حفاظت اور حمایت کا، جناب ابوطالب سے عہد کیا تھا، انہیں محصور کرکے تباہ کردیا جائے اور ان کا ہر طرح بائیکاٹ کردیا جائے تاکہ کوئی چیز ان تک نہ پہنچ سکے۔ اس باہمی عہد کی مضبوطی کے لیے تمام قبائل عرب نے ایک "معاہدہ" (دستاویز) مرتب کیا(۵۰) اور سب لوگوں نے اس کا اقرار کیا کہ خاندان بنوہاشم سے نہ شادی بیاہ کریں گے، نہ ان کے ہاتھ خریدوفروخت کریں گے، نہ ان سے کسی قسم کا میل جول رکھیں گے۔ جب معاہدہ مرتب ہوگیا تو مزید استحکام کے لیے اس کو خانہ کعبہ کے اندر لٹکادیا گیا تاکہ اس معاہدہ کے خلاف کوئی شخص بات نہ کرسکے اور خود معاہدہ کرنے والوں کو بھی اس کی خلاف ورزی کرنے کی جرأت نہ ہو۔

متحدہ محاذ کے اس رویّے کی بناء پر بنوہاشم مجبور ہوگئے کہ وہ مکہ چھوڑ دیں، چنانچہ یکم محرم سنہ ۷ نبوی کی شب کو تمام خاندان بنی ہاشم کو ساتھ لے کر جناب ابوطالب شعب ابی طالب میں جاکر محصور ہوگئے(۵۱)۔ یہ محاصرہ تین سال (سنہ ۷، ۸، ۹ نبوی) تک مسلسل قائم رہا(۵۲)۔ اس طرح قریش نے رسول اللہ ﷺ کے اس سفارتی واسلامی مشن کی دعوت کو مقامی حیثیت سے بند کردیا، جو ان کا [illegible] مطلوب تھا۔ سنہ ۱۰ نبوی میں یہ محاصرہ ٹوٹا اور

قید و بند سے رہائی ہوئی[۵۳]۔

چونکہ اس وقت تک کوئی اسلامی حکومت معرضِ وجود میں نہیں آئی تھی، لہذا حضور ﷺ نے پورے ضبط و تحمل سے کام لیتے ہوئے اپنے اصل مقصود کی طرف توجہ مبذول رکھی اور خدا کے حکم کو لوگوں تک پہنچانے کے لیے سچائی و صداقت کے اصول کو پورے شدومد کے ساتھ پیش کیا اور یہ بھی واضح فرمادیا کہ حالات کو درست کرنے اور معاملات کو سلجھانے کے لیے کتنی کدوکاوش اور قربانیوں کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ تب جا کر کہیں حقیقت واضح ہوتی ہے۔

حقیقت اور صداقت کی راہ میں حائل رکاوٹ کا مردانہ وار مقابلہ کرنا اور کسی دھمکی اور سختی کو خاطر میں نہ لانا، اپنے مشن کے ساتھ دلی لگاؤ کا مظہر ہوا کرتا ہے۔ جس کا اظہار جناب نبی اکرم ﷺ نے اپنے عملی نمونہ سے پیش فرمایا۔

ب: عالمی مشن کے دو معاونین کا انتقال

عالمی مشن کی عالمی دعوت کی تبلیغ کے لحاظ سے نبوت کا دسواں سال نہایت سخت ترین سال تھا۔ اس سال جناب ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ دونوں کا یکے بعد دیگرے انتقال ہوا۔ ابن سعدؒ نے لکھا ہے: " توفیت خدیجة قبل ابی طالب بخمس و ثلاثین لیلة"[۵۴]۔

(حضرت خدیجہؓ جناب ابوطالب سے ایک ماہ پانچ دن قبل وفات پا گئیں)

ان دونوں کی وفات کا اثر نبی کریم ﷺ پر بھی پڑا اور آپ ﷺ کے سفارتی مشن پر بھی۔ سفارتی اور عالمی مشن کے لیے جناب ابوطالب قوت بازو اور نگران کی حیثیت رکھتے تھے اور دشمنوں کے مقابلہ میں محافظ اور مددگار تھے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ: "ابوطالب کے مرنے تک قریش میرے ساتھ کوئی ایسا برتاؤ نہ کرسکے، جو مجھے ناپسند ہو"[۵۵]۔

حضرت خدیجہؓ اول دن سے آپ ﷺ کی سفارت اور دعوت کے مشن میں آپ ﷺ کی غم گسار تھیں اور آپ ﷺ کے دل کا بوجھ ہلکا کیا کرتی تھیں۔ ان دونوں کے پے درپے

وفات پا جانے کا آپ ﷺ کو اتنا حزن و ملال ہوا کہ اس سال کا نام آپ ﷺ نے "عام الحزن" رکھا[۵۶]۔

جب ان دونوں کا انتقال ہو گیا اور جناب ابو طالب کی جو حمایت تھی وہ باقی نہ رہی اور اس کی وجہ سے قریش کے شرارتی لوگ جری ہو گئے تو آپ ﷺ گھر میں ہی رہنے لگے اور باہر نکلنا کم کر دیا جس سے قریش بہت زیادہ خوش ہو گئے[۵۷]۔

اب صورت حال یہ ہو گئی کہ مکہ میں آپ ﷺ کو کسی کی حمایت اور پناہ حاصل نہ رہی اور قریش بے رحمی اور بے باکی سے ستانے لگے۔ یہاں تک کہ انہوں نے حضور ﷺ پر مظالم ڈھانے کی حد کر دی[۵۸]۔ اس لیے آپ ﷺ اہل مکہ سے ناامید ہو گئے اور طائف جانے کا ارادہ کر لیا تاکہ وہاں کے لوگوں کو پیغام حق پہنچا کر اپنے مشن کو کامیاب بنائیں۔

ج: سفارتی مشن کا سب سے کٹھن مرحلہ

چنانچہ آپ ۲۷ شوال ۱۰ نبوی، بمطابق جنوری، فروری ۶۲۰ عیسوی اپنے غلام زید بن حارثہؓ کو ہمراہ لے کر طائف کی طرف روانہ ہوئے[۵۹] تاکہ قبیلہ ثقیف سے حمایت اور پناہ طلب کریں اور اس کے ذریعے عالمی مشن کی آزادانہ تبلیغ کی جائے اور اسلامی دعوت کی راہ نکالی جائے[۶۰]۔

طائف میں سفارتی سرگرمیاں

طائف پہنچ کر آپ ﷺ ثقیف کے سر بر آوردہ معززین سے ملے، ان سے گفتگو کی، لیکن ان میں سے کسی نے بھی آپ ﷺ کی دعوت کو قبول نہ کیا[۶۱]۔

محمدؒ بن عمرو کی روایت ہے کہ حضور ﷺ دس دن طائف میں رہے[۶۲] ابن ہشام میں ہے کہ طائف میں بڑے بڑے امراء اور ارباب اثر رہتے تھے، ان میں عمیر کا خاندان پورے علاقے کا رئیس تھا۔ یہ تین بھائی تھے۔ عبد یالیل، مسعود، حبیب۔ آنحضرت ﷺ ان

کے پاس تشریف لے گئے اور اسلام کی دعوت دی اور اپنے آنے کی غرض و غایت بیان کی۔ ان تینوں نے جو جواب دیئے وہ نہایت عبرت انگیز تھے۔

ایک نے کہا: "اگر تجھ کو خدا نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تو وہ کعبہ کا پردہ چاک کر رہا ہے"(۶۳)۔

دوسرا بولا: "کیا خدا کو رسول بنانے کے لیے تمہارے سوا کوئی نہیں ملا تھا"؟(۶۴)۔

تیسرے نے کہا: "خدا کی قسم! میں تجھ سے بات بھی نہیں کروں گا، کیونکہ اگر تو اپنے کہنے کے مطابق واقعی اللہ کا رسول ﷺ اور سفیر اعظم ﷺ ہے، تو پھر تجھ ایسے آدمی کو جواب دینا، سخت خلاف ادب ہے اور اگر تم نے خدا پر افترا باندھا ہے تو اس قابل نہیں ہو کہ تم سے بات کی جائے"(۶۵)۔ زہر میں بجھے ہوئے تیر تھے جو انسانیت کے محسن ﷺ اور اللہ کے سفیر اعظم ﷺ کے سینے پر پے در پے پیوست ہوتے چلے گئے۔ آپ ﷺ نے تحمل سے اپنے دل پر سارے زخم سہہ لیے اور ان کے سامنے آخری بات یہ رکھی کہ: "اپنی یہ باتیں اپنے ہی تک رکھو اور کم از کم عوام کو ان سے متاثر نہ کرو"(۶۶)۔

آپ ﷺ مایوس ہو کر ان کے پاس سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ جب آپ ﷺ ان کے پاس سے چلنے لگے تو اس خطرہ سے کہ ان کے نوجوان کہیں اسلامی سفارت و دعوت قبول نہ کرلیں، انہوں نے کہا کہ "اے محمد ﷺ! آپ ﷺ ہمارے شہر سے چلے جائیں اور وہاں جا کر رہیں جہاں آپ ﷺ کے سفارتی مشن کو قبول کرلیا گیا ہے"(۶۷)۔

پھر انہوں نے اپنے ہاں کے گھٹیا اور بازاری لونڈوں اور غلاموں کو آپ ﷺ کے پیچھے لگادیا کہ جاؤ اس شخص کو بستی سے نکال باہر کرو۔ ایک غول کا غول آگے پیچھے ہولیا۔ یہ لوگ گالیاں دیتے، شور مچاتے اور پتھر مارتے تھے، پتھر تاک کر ٹخنوں کی ہڈیوں پر مارتے تھے تا کہ تکلیف زیادہ پہنچے۔ حضور ﷺ جب نڈھال ہوجاتے تو بیٹھ جاتے لیکن طائف کے غنڈے آپ کو بازو سے پکڑ کر اٹھادیتے اور ٹخنوں پر پتھر مارتے اور تالیاں بجا کر ہنستے(۶۸)۔ زیدؓ بن حارثہ آنحضرت ﷺ کو بچا کر پتھروں کو اپنے اوپر روکتے تھے، مگر بے سود،

ان کے سر میں بھی زخم آئے[69]۔

باغ میں پناہ

برابر تین میل تک وہ بدمعاش اس طرح آپ ﷺ کو پتھر مارتے اور گالیاں دیتے چلے آئے۔ خون بے تحاشا بہہ رہا تھا اور جوتیاں خون سے بھر گئی تھیں۔ اس تماشے کو دیکھنے کے لیے بڑا ہجوم اکٹھا ہو گیا۔ غنڈوں کا غول اس طریقے سے آپ کو شہر سے نکال کر ایک باغ کے احاطے تک لے آیا، جو ربیعہ کے بیٹوں عتبہ اور شیبہ کا تھا، آپ ﷺ نے بالکل بے دم ہو کر انگور کی ایک بیل سے ٹیک لگالی اور جسم سے خون پونچھنے لگے[70]۔

دعوت و تبلیغ کے لیے حضور ﷺ نے کس قدر اپنی جان کو کھپایا۔

سفارتی مشن میں کامیابی کے لیے اللہ کے حضور دعا

یہی وہ موقع تھا جب کہ دوگانہ پڑھنے کے بعد حضور ﷺ کے ہونٹوں سے درد بھری دعا نکلی: "الٰہی اپنی قوت کی کمی، اپنی بے سرو سامانی اور لوگوں کے مقابلے میں اپنی بے بسی کی فریاد تجھی سے کرتا ہوں تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ درماندہ، بے کسوں کا پروردگار تو ہی ہے، تو ہی میرا مالک ہے آخر تو مجھے کس کے حوالے کرنے والا ہے، کیا اس حریف بے گانہ کے جو مجھ سے ترش روئی اور بدخلقی سے پیش آئے، یا ایسے دشمن کے جو میرے معاملے پر قابو رکھتا ہے، لیکن اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں ہے تو پھر مجھے کچھ پروا نہیں۔ بس تیری عافیت میرے لیے زیادہ وسعت رکھتی ہے، میں اس بات کے مقابلے میں کہ تیرا غضب مجھ پر پڑے یا تیرا عذاب مجھ پر وارد ہو، تیرے ہی نور و جمال کی پناہ طلب کرتا ہوں، جس سے ساری تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں اور جس کے ذریعے دین و دنیا کے جملہ معاملات سنور جاتے ہیں۔ مجھے تیری رضامندی اور خوشنودی کی طلب ہے۔ تیرے سوا کہیں سے کوئی قوت و طاقت نہیں مل سکتی"[71]۔

اللہ تعالیٰ پر یقین کامل کی کس قدر عمدہ مثال ہے، مشکلات کے وقت خدا کے حضور جھک جانا مومن کا شیوہ ہے۔

سفارتی سرگرمیوں کا ردِ عمل

ربیعہ کے بیٹوں عتبہ اور شیبہ نے دور سے نبی کریم ﷺ کو دیکھا۔ آپس کی قرابت داری، حق ہمسائیگی اور ہم وطنی کے خیال سے ان کافروں اور دشمنوں کو اس وقت آپ ﷺ کی حالت پر کچھ رحم آ گیا۔ حضور ﷺ کی مزاج پرسی کے لیے خود تو اٹھ کر نہ آئے مگر اتنی مہربانی کی کہ اپنے باغ میں سے کچھ انگور توڑ کر اور ایک طباق میں رکھ کر بطور ہدیہ حضور ﷺ کے پاس اپنے نصرانی غلام عدّاس کے ہاتھ بھیج دیئے(۷۲)۔

آدمی حق پر ہو تو ہمدردیاں حاصل ہو ہی جایا کرتی ہیں، دل جمعی کی ضرورت ہے۔

حضور ﷺ کئی دنوں کے فاقے سے تھے اور آپ ﷺ زخموں سے نڈھال بھی ہو رہے تھے۔ آپ ﷺ نے اس ہدیے کو قبول فرما لیا۔ اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کہہ کر انگور کھانے شروع کیے۔

اس پر عداس غلام نے بہت تعجب سے پوچھا "واللہ ان ھذا الکلام مایقولہ اھل ھذا البلاد"(۷۳)۔ (میں نے اس شہر میں ایسا کلام پہلے کبھی کسی کے منہ سے نہیں سنا۔)

حالات کی سازگاری کے ایسے ہی مواقع ہوتے ہیں، جن سے فائدہ حاصل کرنا اور دکھتی رگ پر ہاتھ رکھنا سود مند ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: "اے عداس! تم کس علاقے کے رہنے والے ہو اور تمہارا مذہب کیا ہے؟"

غلام نے جواب دیا: "میں نصرانی ہوں اور نینوا میرا وطن ہے۔"

حضور ﷺ نے پوچھا کیا وہی نینوا جہاں کے حضرت یونس علیہ السلام تھے۔ نبی کریم ﷺ

کے اس جواب سے عداس کو تعجب ہوا اور اس نے کہا کہ آپ ﷺ کو کیا پتہ کہ یونس کون تھے اور کس شہر کے رہنے والے تھے؟ حضور ﷺ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: ''یونس علیہ السلام خدا کے نبی تھے اور میں بھی خدا کا نبی اور پیغمبر ہوں۔ اس لحاظ سے وہ میرے بھائی تھے[۷۴]۔ بھائی کی خبر اگر بھائی کو نہیں ہوگی تو اور کس کو ہوگی؟''

سہیلیؒ کہتے ہیں کہ عداس نے جب یونس بن متی کا ذکر سنا تو اس نے کہا بخدا میں جب نینویٰ سے نکلا تھا تو وہاں دس آدمی بھی ایسے نہیں تھے جو متی کے بارے میں جانتے ہوں تو پھر آپ ﷺ نے کہاں سے جانا، حالانکہ آپ ﷺ امی ہیں اور امیوں کے خاندان سے ہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ میرا بھائی تھا اور پورا قصہ بیان کردیا[۷۵]۔

نیک دل اور سلیم الفطرت غلام یہ سنتے ہی ایمان لے آیا۔ فوراً آگے بڑھا۔ سیرت ابن ہشام میں ہے:

"فاکب عداس علیٰ رسول اللّٰه ﷺ یقبّل رأسه ویده وقدمیه"[۷۶]. (عداس جھکا اور رسول اللہ ﷺ کے سر کو بوسہ دیا اور آپ ﷺ کے دست مبارک اور قدموں کو چوما)

نگاہ حقیقت شناس کی ضرورت ہے جو سمجھ گیا وہ پا گیا۔

عتبہ اور شیبہ دور سے غلام کی اس حرکت کو دیکھ کر کہنے لگے، کہ غلام تو ہاتھ سے گیا، جب عداس واپس آیا تو دونوں بھائی کہنے لگے: ''تیرا برا ہو، تجھے کیا ہوگیا تھا کہ اس شخص کے ہاتھ اور پاؤں چوم رہا تھا''[۷۷]۔

عداس نے کہا: ''اس وقت روئے زمین پر اس عظیم المرتبت ہستی کے برابر کوئی انسان نہیں، میں نے ان کی زبان مبارک سے جو کچھ سنا ہے وہ نبی اور رسول کے بغیر کوئی نہیں جان سکتا''[۷۸]۔

صحیحین کی حدیث ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ ''جنگ احد[۷۹] کے دن سے کبھی زیادہ تکلیف آپ ﷺ کو پہنچی''؟ تو آپ ﷺ

نے فرمایا:

"اس دن جس دن میں نے عبدِ یالیل کے پاس اللہ کے سفیرِ اعظم کی حیثیت سے اسلام پیش کیا اور اس کو پیغامِ حق سنایا اور اس نے رد کر دیا۔ جب وہاں سے پلٹے تو قرنِ ثعالب[80] تک بے ہوشی کے عالم میں آئے۔ احد کے دن سے بھی اس روز مجھ کو زیادہ تکلیف پہنچی تھی"[81]۔

طائف کے سفارتی مشن پر تبصرہ

کیا عجیب بات ہے کہ ایک ہی واقعہ دو مختلف نگاہوں کو کس طرح مختلف نظر آتا ہے۔

۱۔ مارگولوس نے حضور ﷺ کی اس سفارت کو سوءِ تدبیر میں داخل کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ: "طائف مکہ سے بالکل قریب اور اس کے زیرِ اثر تھا اور وہاں رؤسائے مکہ کے باغ تھے۔ جس کی وجہ سے ان کی آمدورفت رہتی تھی۔ اس لیے جب مکہ کے تمام رؤساء حضور ﷺ کے مخالف تھے تو طائف کے لوگوں سے کیا امید ہو سکتی تھی"[82]۔

۲۔ سر ولیم میور غیر مسلم ہونے کے باوجود حضور ﷺ کے اس سفارتی مشن کی مشکلات و تکالیف اور آنحضرت ﷺ کے صبر و استقامت اور عزم و استقلال سے حیرت زدہ ہو کر آپ ﷺ کے حق میں شہادت دینے پر مجبور ہو گئے کہ:

"There is something lofty and heroic in this journey of Mahomet to Tayif , A solitary man, despised and rejected by his own people, going boldly forthe in the name of God, like Jonah to Nineveh, and summoning an Idolatrous city to repent and support his mission. It sheds a strong light on the intensity of his belief in the divine origin of his calling"[83].

(ایک اکیلا شخص جس کو اس کی قوم کے اپنے ہی لوگوں نے حقارت سے نامنظور کر دیا تھا خدا

کے نام سے سفیرِ اعظم ﷺ کی حیثیت سے آگے بڑھتا ہے جس طرح حضرت یونس علیہ السلام نینوا میں گئے۔ وہ ایک بت پرست اور مخالف شہر طائف کو توبہ اور اپنے سفارتی مشن کی معاونت کی دعوت دیتا ہے۔ یہ امر اس کے پختہ یقین پر کہ میرا مشن حقیقتاً دعوت ربانی ہے۔ نہایت زبردست روشنی ڈالتا ہے۔)

سفارتی مشن میں ناکامی کے باوجود امید کی کرن

زید بن حارثہؓ اندوہ گین دل کے ساتھ عرض کرنے لگے کہ آپ ان لوگوں کے لیے خدا سے بددعا کریں۔ "فرمایا! میں ان کے لیے کیوں بددعا کروں، اگر یہ لوگ خدا پر ایمان نہیں لاتے، تو امید ہے کہ ان کی نسلیں ضرور خدائے واحد کی پرستار ہوں گی[۸۴]۔

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا! "زید جو کچھ تم دیکھتے ہو، اللہ اس کے لیے راہ کھولنے والا ہے، اللہ اپنے دین کا مددگار ہے اور اپنے نبی ﷺ کو غالب کرنے والا ہے[۸۵]۔

سفارت طائف میں ناکامی اور اہل مکہ کا رویّہ

اہل طائف نے حضور ﷺ کے ساتھ بہت برا سلوک کیا۔ اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مکہ والوں کو بھی اس کی اطلاع کردی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب آپ ﷺ طائف سے واپس مکہ تشریف لائے تو اہل مکہ نے آپ ﷺ کو شہر میں داخل ہونے سے روک دیا۔

نبی کریم ﷺ نے مطعم بن عدی کے پاس پیغام بھیجا، وہ اپنے بیٹوں سمیت ہتھیار لگاکر حرم پہنچا اور حضور ﷺ کو بھی بلا بھیجا کہ آپ ﷺ بھی حرم میں تشریف لے آئیں[۸۶]۔

مطعم اونٹ پر سوار تھا۔ حرم کے پاس آیا تو پکارا "میں نے محمد ﷺ کو پناہ دی ہے "حضور ﷺ حرم میں آئے، طواف کیا، حجر اسود کو بوسہ دیا، دو رکعت نماز ادا کی اور دولت خانہ کو واپس چلے گئے۔ مطعم اور اس کے بیٹے ہتھیار لگائے ہوئے آپ ﷺ کے گرد حلقہ کیے

ہوئے تھے[۸۷]۔

عہدِ مکی کے آخری تین سالوں میں سفارتی و تبلیغی پروگرام

نبی کریم ﷺ طائف کے خطرناک سفارتی مشن کے بعد واپس تشریف لائے تو آپ ﷺ پہلے سے زیادہ زور و شور کے ساتھ اپنے تبلیغی فرائض کی ادائیگی میں مصروف ہوگئے۔ آپ ﷺ نے اپنے تبلیغی اور سفارتی پروگرام کو یوں ترتیب دیا:

۱۔ آپ ﷺ اکثر شہر کے باہر تشریف لے جاتے اور جو کوئی اکادکا آدمی آپ ﷺ کو ادھر سے گزرتا ہوا دکھائی دیتا، اسے ٹھہرا کر پیغام حق سناتے۔

۲۔ جب کوئی مسافر مل جاتا تو اسے بڑے اعزاز کے ساتھ اپنے ہمراہ لاتے، اس کے قیام وطعام کا انتظام کرتے اور پھر اسلام کی دعوت دیتے اور اللہ کا پیغام سناتے۔

۳۔ جب آپ ﷺ کو معلوم ہوتا کہ شہر میں کوئی معزز اور شریف آدمی آیا ہوا ہے تو آپ ﷺ خود اس کے پاس جاتے اور اسے دعوتِ حق دیتے[۸۸]۔

۴۔ مکہ کے گرد و نواح میں جو سالانہ میلے لگا کرتے تھے اور جن میں لوگ دور دراز سے آکر شامل ہوتے تھے، جیسے سوق عکاظ، سوق مجنہ اور ذوالمجاز وغیرہ۔ آپ ﷺ وہاں تشریف لے جاتے اور لوگوں کو دینِ حق کا پیغام سناتے[۸۹]۔

۵۔ مکہ کے آس پاس جو قبیلے، بستیوں اور دیہاتوں میں آباد ہوتے، وہاں چلے جاتے اور حق کا پیغام ان کو پہنچاتے[۹۰]۔

۶۔ جب حج کا زمانہ آتا اور لوگ دور دراز سے کعبہ کی زیارت کے لیے آتے تو آپ ﷺ ان ایام میں بڑی مستعدی کے ساتھ ان تمام قبائل کا دورہ کرتے اور ایک ایک خیمے میں جا کر انہیں خدائے واحد کی پرستش کرنے کی دعوت دیتے[۹۱]۔


عربوں کے بازار
وہ مقامات جن پر نمبر دیئے ہوئے ہیں
دمشق
بصریٰ
فلسطین
عقبہ
(۱) دومۃ الجندل
حیرہ
دجلہ
فرات
بغداد
کویت
فارس
(۱۲) نطاۃ خیبر
مدینہ
بحرین (مشقر)
(۲)
قطر
دوحہ
یمامہ (حجر)
(۱۳)
عکاظ
(۹)
ذوالمجاز
منیٰ
(۱۰)
شارجہ
دبی (۴)
صحار (۳)
مسقط
عمان
نجران
صنعاء (۷)
(الرابیہ)
حضرموت
(۸)
ظفار یمن
شحر (۵)
عدن (۶)
بحر عرب
میل پیمانہ

عرب کے بڑے بڑے موسمی اور مقامی میلے اور بازاروں میں قبولِ حق کی دعوت

عرب میں مختلف مقامات پر میلے اور بازار لگتے تھے جن میں دور دراز کے قبائل آتے تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ ان میلوں اور بازاروں میں جاتے اور اللہ کے سفیرِ اعظم ﷺ کی حیثیت سے ان میں شامل ہو کر پیغامِ حق سناتے تھے[۹۲]۔

عرب میں کل تیرہ بڑے بڑے بازار اور میلے لگتے تھے جن کے نام ترتیب وار یہ ہیں:

"دومة الجندل، صحار، دباء، شحر، رابیہ، حضر موت، ذوالمجاز، نطاة خیبر، مشقر، منٰی، حجر، عکاظ، عدن، صنعاء"[۹۳]۔

ان میلوں میں سے دومة الجندل، مشقر، عکاظ، ذوالمجاز اور مجنه کا نام مؤرخین نے خاص طور پر لیا ہے۔ ان میں ان کا علمی اور قومی دنگل ہوتا تھا۔ شعراء جمع ہوتے تھے۔ قصائد پڑھے جاتے تھے، زبان و ادب کے جوہر شناس دادِ سخن دیتے تھے۔ مقابلہ ہوتا تھا۔ فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے جس کا قصیدہ سب سے بلند اور معیاری ہوتا وہ خانہ کعبہ میں آویزاں کر دیا جاتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ بھی اس موقع سے فائدہ اٹھاتے اور عالمی مشن کی دعوت لوگوں پر پیش کرتے تھے اور قریش اس کو خطرہ کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

۱۔ دومتہ الجندل

یہ بازار اپنے محل وقوع کے اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ یہاں سے مدینہ اور کوفہ تیرہ تیرہ مرحلے پر تھا اور دمشق دس مرحلے پر تھا۔ یہ بازار یکم ربیع الاول سے شروع ہو کر نصف ماہ تک پورے زور پر رہتا تھا اور آخر مہینہ تک چلا جاتا تھا۔ اس کے قریب بنو کلب، بنو جدیلہ اور بنو طے آباد تھے اور دو حکمران اکیدر عبادی اور قنافہ کلبی یہاں پر ٹیکس وصول

کرتے تھے اور ان ہی سے اس کا افتتاح ہوتا تھا[۹۴]۔

۲۔ مشقّر

یہ مقام ہجر (بحرین) میں واقع ہے۔ دومۃ الجندل سے تاجر اور خریدار اٹھ کر یہاں آجاتے تھے۔ یہ بازار یکم جمادی الاخریٰ سے آخر مہینہ تک لگتا تھا۔ اس کے اطراف میں بنو عبد القیس اور بنو تمیم آباد تھے۔ بنو تمیم جو منذر بن ساویٰ سے تعلق رکھتے تھے۔ یہاں کا نظم و نسق سنبھالتے تھے۔ ان کی حیثیت شاہانِ فارس کے نائب کی تھی۔

اس بازار میں اہلِ فارس براہ خشکی بڑی کثرت سے آتے تھے اور ان کی تجارت خوب چلتی تھی[۹۵]۔

۳۔ سوقِ عکاظ

سوقِ عکاظ، نجد کے بالائی علاقہ میں عرفات کے قریب لگتا تھا۔ یہ پورے عرب کا سب سے بڑا بازار تھا۔ اس میں قریش مکہ، ہوازن، غطفان، خزاعہ اور احابیش یعنی حارث بن عبدِ مناۃ، عضل، مصطلق اور دوسرے عرب قبائل آتے تھے، نصف ذی القعدہ سے یکم ذوالحجہ تک رہتا تھا۔ یہاں کسی قسم کا ٹیکس نہیں تھا۔ اس میں نہایت عمدہ اور نایاب سامان فروخت ہوتا تھا۔ جو عرب کے کسی بازار میں نہیں ملتا تھا۔ یمن اور حیرہ کے بادشاہ یہاں پر عمدہ تلواریں، نفیس حلّے، قیمتی سواریاں، مشک، عود اور دوسری قیمتی چیزیں تجارت کے لیے بھیجا کرتے تھے۔ عربوں میں جو ان کی بولی بولتا اور ان کو خریدتا، وہ بہت ہی معزز سمجھا جاتا اور اسے ان بادشاہوں کے دربار میں باریابی کا شرف حاصل ہوتا[۹۶]۔

۴۔ ذوالمجاز

ذوالحجہ کا چاند دیکھتے ہی عکاظ کا بازار ٹوٹ کر ذوالمجاز میں منتقل ہوجاتا تھا اور یہاں کے تمام تاجر وہاں پہنچ کر خرید و فروخت میں مشغول ہوجاتے۔ یہ مقام عکاظ سے بہت قریب

ہے۔ ذوالمجاز میں لوگ یوم ترویہ تک مقیم رہتے، عرب کے حجاج اور دوسرے بازاروں میں نہ شریک ہونے والے افراد عام طور سے سوقِ ذوالمجاز میں شریک ہوتے تھے(۹۷)۔

۵۔ مجنّہ:

بعضوں نے مجنہ کو بھی عرب کے میلوں میں شمار کیا ہے۔ یہ مقام ذوالمجاز اور سقی سے قریب حضر موت کے پیچھے واقع ہے(۹۸)۔

۶۔ دیگر میلے اور بازار

ان بازاروں کے علاوہ سوقِ نطاۃِ خیبر اور سوقِ حجر یمامہ میں خرید وفروخت کی سرگرمیاں ہوا کرتی تھیں۔ سوقِ دیرالعرب بھی ایک بازار تھا اور سوقِ بصریٰ بھی ۲۵ دن تک ہوتا تھا جو بنوامیہ کے زمانہ تک جاری رہا اور چالیس دن تک رہتا تھا۔ نیز سوقِ اذرعات پانچویں صدی تک جاری رہا۔ یہ اس دور میں عرب کے بازاروں میں سب سے بڑا بازار ہوتا تھا(۹۹)۔

۷۔ دباء

اس میلے میں ہند، سندھ، چین، اہلِ مشرق، اہلِ غرب کے تاجر آیا کرتے تھے۔ اس لیے یہ بہت اہمیت کا حامل تھا۔

حضور ﷺ ان تمام منڈیوں میں اسی لیے تشریف لے جاتے تاکہ ملکوں ملکوں سے آنے ہوئے لوگوں کو بھی تبلیغی و سفارتی مشن سے آگاہ کیا جائے۔ اس طرح عرب سے بیرون بھی یہ مشن جاری ہو گیا۔

قبائلِ عرب میں سفارتی دورے اور پناہ کی دعوت

قبائلِ عرب سے بنو عامر، محارب، فزارہ، غسان، مرۃ، حنیفہ، سلیم، عبس، بنو نصر، کندۃ، کلب، حارث بن کعب، عذرہ، حضارمہ مشہور قبائل ہیں(۱۰۰)۔

عرب کا قاعدہ تھا کہ وہ حج کے زمانے میں شوال کے مہینے میں ایک ماہ تک عکاظ میں

قیام کرتے تھے۔ پھر مجنہ بازار میں آتے۔ وہاں بیس دن تک ٹھہرتے تھے۔ پھر بازار ذوالمجاز میں آتے اور وہاں بقیہ ایام حج میں مقیم رہتے۔ رسول اللہ ﷺ ان ایام میں بڑی مستعدی کے ساتھ ان تمام قبائل کا دورہ کرتے جو وہاں آئے ہوئے ہوتے۔ ایک ایک ڈیرے اور ایک ایک خیمے پر تشریف لے جاتے: اور انہیں اللہ کی دعوت دیتے اور انہیں بتاتے کہ: "میں اللہ کی طرف سے سفیرِ اعظم ﷺ اور رسول ﷺ ہوں۔ آپ ﷺ انہیں یہ بھی فرماتے کہ مجھ پر ایمان لاؤ اور میری تصدیق کرو، لوگوں سے میری حفاظت کرو تاکہ میں اللہ کے پیغام کو کھول کر بیان کرسکوں"[۱۰۱]۔

لیکن کسی نے بھی آپ ﷺ کی دعوت کو قبول نہیں کیا اور نہ ہی حفاظت کی حامی بھری[۱۰۲]۔

نوٹ: بعثتِ نبوی ﷺ کے وقت قبائلِ عرب کے مساکن، محلِ وقوع اور ان کی اہمیت کا اندازہ منسلکہ نقشہ سے بخوبی ہوجاتا ہے۔

حج پر آنے والے قبائل کو قبولِ اسلام کی دعوت

حج کا زمانہ آتا تو قریش اس اندیشہ سے کہ کہیں رسول کریم ﷺ ان تک پہنچ کر انہیں شیفتۂ اسلام نہ بنالیں، عام گزرگاہوں اور شاہراہوں کے سروں اور ناکوں پر خیمے لگاتے اور ان سے کہتے: "ہمارے شہر میں ایک بد عقیدہ شخص پیدا ہوا ہے، جو ہمارے معبودوں کی مذمت وتوہین کرتا ہے۔ یہاں تک کہ لات وعزیٰ کو برا کہتا ہے"[۱۰۳]۔

لات وعزیٰ کی تذلیل و توہین کی وجہ سے کچھ تو ویسے ہی شور مچ گیا تھا[۱۰۴]۔ کچھ آپ ﷺ کی مخالفانہ رنگ آرائیوں نے لوگوں کے دلوں میں تجسس اور اصل واقعہ کا پتہ لگانے کا شوق پیدا کردیا۔ لوگ خاصی تعداد میں آپ ﷺ تک پہنچنے لگے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر نے کئی ایسے صحابہ کا تذکرہ کیا ہے جو یمن اور کویت تک سے تحقیق حال کے لیے مکہ آئے



بعثت رسول صلی اللہ علیہ وسلم
کے وقت قبائل عرب کے مساکن
دمشق
بصری
فلسطین
اردن
دریائے فرات
دریائے دجلہ
عراق
نینوی
بغداد
تغلب
بکر و
(جوف)
دوما
تبوک
بنو کلب
تیماء
حائل
ذبیان
جبال طے
غطفان
عبس ذبیان
خیبر
اسد
عنیزہ
شیبان
شقراء
ریاض
یمامہ
بنو حنیفہ
کویت
فارس
دوحہ
عبد القیس
خلیج مسقط
صحار
بنو ازد
عمان
مزینہ
طائف
ثقیف
بنو ہوازن
مذحج
ہمدان
نجران
صنعاء
ہمدان مذحج
یمن
مخا
عدن
مکلا
الشحر
مرباط
بحر عرب
الربع الخالی
۰ ۱۰۰ ۲۰۰ ۳۰۰

اور اسلام قبول کر کے واپس گئے (۱۰۵)۔

حج کے دنوں میں آنحضرت ﷺ جن قبائلِ عرب کے پاس تشریف لے جاتے تھے ان کے بارے میں ابنِ ہشام نے یوں لکھا ہے کہ ربیعہ بن عبادؓ سے روایت ہے کہ:

"میں نوجوان تھا اور اپنے والد کے ساتھ حج کرنے آیا تھا، میں نے دیکھا کہ منیٰ کے مقام میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے (۱۰۶)۔ اور قبائلِ عرب کے خیموں کے پاس کھڑے ہو کر آپ ﷺ نے فرمایا:

"اے بنی فلاں! میں تمہاری طرف خدا کا رسول (ﷺ) بن کر آیا ہوں۔ تمہیں اس بات کا حکم دیتا ہوں کہ ایک خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ بت پرستی چھوڑ دو مجھ پر ایمان لاؤ۔ میری تصدیق کرو اور میری حفاظت کرو تاکہ میں ان چیزوں کو صاف صاف بیان کردوں جسے دے کر اللہ نے مجھے بھیجا ہے" (۱۰۷)۔

ابن عبادؓ کہتے ہیں کہ جب حضور ﷺ اپنی تبلیغ سے فارغ ہوئے تو ایک شخص جو آنکھ سے بھینگا تھا اور جس نے عدن کا حلہ پہنا ہوا تھا پیچھے سے بولتا:

"اے لوگو! یہ شخص جو تم سے یہ کہہ رہا ہے کہ لات اور عزیٰ کی پرستش چھوڑ دو تو تم اس کے کہنے میں ہرگز نہ آنا۔ یہ (معاذاللہ) پاگل ہے جو واہی تباہی بول رہا ہے" (۱۰۸)۔

ربیعہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ عجیب نظارہ دیکھ کر اپنے باپ سے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ اور ان کے پیچھے یہ کون شخص ہے؟ میرے والد نے کہا، بیٹا! ان کا نام محمد ﷺ ہے یہ کہتے ہیں کہ میں خدا کا رسول ﷺ ہوں اور بت پرستی کو مٹانے کے لیے آیا ہوں اور ان کے پیچھے جو شخص ہے وہ ان کا چچا ابولہب ہے (۱۰۹)۔

ابنِ ہشامؒ نے یہ روایت ایک شخص کی ایک دفعہ کی چشم دید بیان کی ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ جس قبیلے میں بھی آنحضرت ﷺ تبلیغی، سفارتی امور کو آگے بڑھانے کے لیے تشریف لے جاتے، ابولہب آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے جاتا تھا اور آپ ﷺ کی بات سننے

سے لوگوں کو روکتا تھا اور کہتا تھا کہ میں اس کا حقیقی چچا ہوں۔ میں تم سے زیادہ اس کے حال سے واقف ہوں۔ یہ تمہیں دھوکا دے کر تمہارا آبائی دین بگاڑنا چاہتا ہے۔ اس کے سوا اس کا کوئی مقصد نہیں[۱۱۰]۔

لوگ جب دیکھتے کہ آپ ﷺ کے نہایت قریبی رشتہ دار بھی آپ ﷺ کے ساتھ نہیں اور وہی آپ ﷺ کو جھٹلا رہے ہیں تو وہ بھی آپ کی تکذیب کرتے اور بقول ابن سعد:

"بہت بری طرح حضور ﷺ کو جواب دیتے، آپ ﷺ کو ایذائیں دیتے اور کہتے تھے کہ آپ ﷺ کے قریبی عزیز اور آپ ﷺ کے کنبے والے آپ ﷺ کے ساتھ نہیں اور انہوں نے آپ ﷺ کی پیروی نہیں کی تو ہم آپ ﷺ کا کہنا کیوں مانیں اور کیوں آپ ﷺ کی دعوت کو قبول کریں۔ اس لیے یہاں سے چلے جاؤ[۱۱۱]"۔

بنی مالک بن کنانہ کے ایک بوڑھے کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ بازار ذوالمجاز میں گئے اور مجمع میں گھس کر لوگوں سے فرمایا کہ "لاالہ الااللہ" کہو، کامیابی پاؤ گے۔ ابوجہل آپ ﷺ پر خاک پھینکتا جاتا تھا اور کہتا تھا کہ اس شخص کے فریب میں نہ آنا۔ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں دین سے پھیر دے اور یہ کہ تم لات و عزیٰ کی پرستش چھوڑ دو۔ راوی لکھتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے کام میں لگے ہوئے تھے اور ابوجہل کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہوتے تھے[۱۱۲]۔

ابن اسحاقؒ نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قبائلِ کِندہ، کلب، بنو حنیفہ اور بنو عامر بن صعصعہ پر اسلام پیش کیا اور سفارتی مشن کی تکمیل کی۔

ابنِ ہشامؒ نے حضور ﷺ کے ان سفارتی مشن اور تبلیغی دوروں میں سے بعض کے واقعات اپنی سیرت میں بیان کیے ہیں۔

۱۔ بنو کندہ کو خدا کا پیغام

جب بنو کندہ حج کے موقع پر اپنے سردار کے ساتھ آئے تو حضور ﷺ ان کے ڈیروں

پر سفیرِ اعظم ﷺ کی حیثیت سے تشریف لے گئے اور ان سے فرمایا:

"یاایھاالناس ! قولوا لاالہ الااللہ تفلحوا" (اے لوگو! لاالہ الااللہ کہہ دو فلاح پاؤ گے)

اور اسی طرح ایک کلمے کی بدولت تمام عرب کے مالک بن جاؤ گے اور عجم کے لوگ تمہارے فرمانبردار بن جائیں گے۔ مجھ پر ایمان لاؤ گے تو جنت کے وارث بن جاؤ گے۔ اسی قسم کی نصیحتیں ابنِ سعد کے قول کے مطابق آپ ﷺ نے تمام قبائل کو کیں۔ مگر انہوں نے حضور ﷺ کو قبول نہ کیا[۱۱۳]۔

۲۔ بنو کلب کو دین کی تبلیغ

بنو کلب کو "بنی عبداللہ" بھی کہتے تھے۔ آپ ﷺ ان کے ڈیروں پر تشریف لے گئے اور ان کو ایک جگہ جمع کر کے فرمایا:

"آپ لوگوں کے قبیلے کا نام بنی عبداللہ بہت ہی خوب اور عمدہ ہے۔ یہ آپ کو اس بات کی دعوت دے رہا ہے کہ آپ کو حقیقی طور صرف خدا کا بندہ بن جانا چاہیے اور بتوں کی بندگی کو چھوڑ دینا چاہیے۔ میری اطاعت اور فرمانبرداری کرو گے اور میری رسالت کا اقرار کرو گے تو دنیا اور آخرت میں کامیابی پاؤ گے۔ مگر انہوں نے بھی حضور ﷺ کو صاف جواب دیا اور کہا یہاں سے چلے جائیے، یہاں کسی کو آپ ﷺ کی اور آپ ﷺ کی نبوت کی ضرورت نہیں"[۱۱۴]۔

۳۔ بنو حنیفہ کو اسلام کی دعوت

بنو حنیفہ عرب کے علاقے یمامہ کا قبیلہ تھا۔ مسیلمہ اسی قبیلے کا سردار تھا جس نے آنحضرت ﷺ کے آخری زمانے میں نبوت کا دعویٰ کیا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد میں وحشی (قاتل حمزہؓ) کے ہاتھ سے مارا گیا۔ عرب کے جن قبائل کے پاس آپ ﷺ بطور سفیرِ اعظم حج کے موقعوں پر تشریف لے گئے ان میں سب سے زیادہ بد تمیزی، بد سلوکی اور

بے ہودگی حضورؐ کے ساتھ اسی قبیلے نے کی۔ ابنِ ہشام کے الفاظ ہیں:

"فلم یکن احد من العرب اقبح علیه ردا منهم"(۱۱۵).

(تمام عرب سے زیادہ ان لوگوں نے آپ ﷺ کے ساتھ برا سلوک کیا)۔

یہیں سے یہ مثل مشہور ہو گئی "شر قبائل العرب بنوحنیفة و ثقیف" (عرب قبیلوں میں سب سے زیادہ بد تر قبائل بنو حنیفہ اور ثقیف ہیں)(۱۱۶)۔

۴۔ بنو عامر کو توحید کا پیغام

نبی کریم ﷺ قبیلہ بنو عامر بن صعصعہ کے پاس بھی تشریف لے گئے اور ان لوگوں کو پیغامِ حق سنایا۔ آپ کی فصاحت و بلاغت کو دیکھ کر ان کا ایک شخص بحیرہ بن فراس حیران رہ گیا اور بے اختیار اس کی زبان سے نکل گیا۔ "خدا کی قسم! اگر یہ شخص میرے ساتھ ہو جائے، تو میں سارے عرب کو نگل جاؤں"۔

اس کے بعد وہ حضور ﷺ کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا، کہ: "اگر ہم آپ ﷺ کا کہنا مان لیں اور آپ ﷺ کی اطاعت قبول کر لیں اور پھر آپ ﷺ ہماری مدد سے تمام عرب پر غالب آجائیں اور آپ ﷺ کو اقتدار مل جائے تو کیا آپ ﷺ کو یہ منظور ہے کہ اپنے بعد ہمیں اپنا جانشین بنا جائیں گے؟"

آپ ﷺ نے فرمایا! "یہ بات میرے اختیار میں نہیں ہے۔ یہ ملک خدا کا ہے، وہ جس کو چاہے جانشین مقرر کر دے گا"۔

اس پر بحیرہ بن فراس بہت برافروختہ ہوا اور اس نے کہا: "ہم تمہاری وجہ سے سارے عرب سے لڑائی مول لیں، قریش کے مقابلے میں تمہارے لیے لڑیں، سینہ سپر ہوں، اپنی گردنیں تمہارے لیے کٹوائیں اور سب قربانیوں کے بعد جب تم کو حکومت مل جائے تو دوسرے لوگ تمہارے جانشین اور خلیفہ ہوں۔ جاؤ ہمیں تمہاری ضرورت نہیں"(۱۱۷)۔

حضور ﷺ نے فرمایا: "مجھے بھی تم جیسے لوگوں کی ضرورت نہیں، جن کا ایمان شرائط

اور قیود سے وابستہ ہو۔" اس کے بعد حضور ﷺ وہاں سے تشریف لے آئے۔

بنو عامر جب حج سے لوٹ کر اپنے قبیلے میں آئے اور حسبِ دستور اپنے قبیلہ کے اس بوڑھے شخص کے پاس گئے۔ جس سے حج کے موقع کے واقعات بیان کرتے تھے۔ تو اس سے حضور ﷺ کی سفارت کے واقعہ کو بھی بیان کیا اور کہا کہ وہ چاہتے تھے کہ ہم اس کو اس کے دشمنوں سے بچائیں اور اس کی حفاظت کریں اور اس کو اپنی بستی میں لے آئیں۔ بڈھے نے یہ سن کر ہاتھ کو سر پر رکھ لیا اور کہا کہ اس کوتاہی کی کوئی تلافی ممکن ہے؟ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اب تک ایسا دعویٰ بنی اسماعیل میں سے کسی نے نہیں کیا۔ بلاشبہ وہ سچا ہے۔ تمہاری عقل کہاں چلی گئی تھی[118]۔

۵۔ قبیلہ بنی ذُھل ابنِ شیبان کو دعوت اسلام

جب حضور ﷺ ذھل بن شیبان کے پاس گئے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے مفروق سے کہا تم نے کسی پیغمبر کا نام سُنا ہے وہ یہی ہیں۔ مفروق نے آنحضرت ﷺ کی طرف رخ کر کے کہا۔ "برادر قریش تم کیا تلقین کرتے ہو" آپ ﷺ نے فرمایا۔ "خدا ایک ہے اور میں اس کا پیغمبر ہوں"[119]۔ اور یہ آیتیں پڑھیں: "قل تعالوا اتل ماحرم ..... لعلکم تعقلون"[120]. (کھو کہ لوگو آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے پروردگار نے تم پر حرام کردی ہیں، (ان کی نسبت اس نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے) کہ کسی چیز کو خدا کا شریک نہ بنانا اور ماں باپ سے (بد سلوکی نہ کرنا بلکہ) اچھا سلوک کرتے رہنا اور ناداری (کے اندیشے) سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا کیونکہ تم کو اور ان کو ہم ہی رزق دیتے ہیں اور بے حیائی کے کام ظاہر ہوں یا پوشیدہ، ان کے پاس نہ پھٹکنا اور کسی جان (والے) کو جس کے قتل کو خدا نے حرام کردیا ہے، قتل نہ کرنا مگر جائز طور پر (یعنی جس کا شریعت حکم دے) ان باتوں کی وہ تمہیں تاکید کرتا ہے تاکہ

تم سمجھو۔)

اس قبیلے کے رؤساء مفروق، مثنیٰ اور ھانی بن قبیصہ تھے اور وہ سب اس موقع پر موجود تھے۔ ان لوگوں نے کلام کی تحسین کی۔ لیکن کہا مدتوں کا دین دفعتاً چھوڑ دینا جلد بازی ہے اس کے علاوہ ہم کسریٰ کے زیر اثر ہیں اور اس سے معاہدہ ہوچکا ہے کہ ہم اور کسی کے اثر میں نہ رہیں گے۔ آپ ﷺ نے ان کی راست گوئی کی تعریف کی اور فرمایا کہ خدا اپنے دین سے آپ کی مدد کرے گا[121]۔

مفروق بن عمرو شیبانی نے جب پوری دعوت سن لی تو اس نے اس موقع پر یہ بھی کہا تھا:
''آپ ﷺ کا یہ اسلامی اور سفارتی مشن شاید بادشاہوں کو پسند نہیں آئے گا''[122]۔

مقتدر شخصیتوں کو تبلیغِ اسلام

نبی کریم ﷺ کو جب بھی معلوم ہوتا کہ عرب کے کسی حصہ سے مکہ شہر میں معزز اور شریف آدمی آیا ہوا ہے تو آپ ﷺ خود اس کے پاس تشریف لے جاتے اور اسے دعوتِ حق دیتے اور اپنے عالمی مشن سے آگاہ فرماتے[123]۔

۱۔ سوید بن صامت

ابنِ اسحاقؒ کہتے ہیں کہ مجھے عاصمؓ بن عمرو نے بیان کیا کہ عمرو بن عوف خاندان کا ایک نہایت ہی مقتدر شخص سوید بن صامت مکہ مکرمہ میں حج یا عمرہ کی نیت سے آیا۔ سوید کو اس کے خاندان والوں نے کامل ''کا لقب دیا ہوا تھا۔ کیونکہ وہ بہت حسین و جمیل تھا اور اس کے بال بھی بہت خوبصورت تھے اور وہ حسب و نسب اور شرافت میں یکتا تھا''[124]۔

رسول اللہ ﷺ نے جب اس کے بارے میں سنا تو آپ ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے۔ اسے اسلام کی دعوت دی اور احکامِ الٰہی پر عمل کرنے کی تلقین فرمائی۔ وہ بولا: شاید آپ ﷺ کے پاس وہی کچھ ہے جو میرے پاس بھی ہے''۔ نبی کریم ﷺ نے

پوچھا: تمہارے پاس کیا ہے"؟ وہ بولا: "حکمتِ لقمان" نبی ﷺ نے فرمایا: "بیان کرو" اس نے کچھ عمدہ شعر سنائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "یہ اچھا کلام ہے لیکن میرے پاس قرآن ہے جو اس سے افضل تر ہے اور ہدایت و نور ہے۔" اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے اسے قرآن سنایا۔ وہ اسلام لے آیا۔ جب وہ مدینہ لوٹ کر گیا تو قوم خزرج نے اسے قتل کر ڈالا۔ اس کا قتل "یومِ بُعاث" سے پہلے ہوا[۱۲۵]۔

۲۔ ایاس بن معاذ

ابنِ اسحاقؒ کہتے ہیں کہ مجھے حصن بن عبدالرحمن نے بیان کیا کہ انہی ایام میں ابوالحیسر انس بن رافع مکہ آیا، تو اس کے ساتھ بنی عبدالاشہل کے چند نوجوان بھی تھے۔ جن میں ایاس بن معاذ بھی تھا۔ یہ لوگ قریش کے ساتھ اپنی قوم خزرج کی طرف سے معاہدہ کرنے آئے تھے[۱۲۶]۔ نبی کریم ﷺ اللہ کے سفیرِ اعظم ﷺ کی حیثیت سے ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا:

"میرے پاس ایسی چیز ہے جس میں تم سب کی بھلائی ہے۔ کیا تمہیں کچھ رغبت ہے"[۱۲۷]؟

وہ بولے "ایسی کیا چیز ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا۔ میں اللہ کا رسول ہوں اور پیغمبرِ اعظم ہوں، بندگانِ خدا کی طرف بھیجا گیا ہوں، انہیں اپنے عالمی مشن سے آگاہ کرتا ہوں کہ ایک خدا کی عبادت کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اللہ نے مجھ پر ایک کتاب بھی نازل کی ہے"۔

آپ ﷺ نے ان کے سامنے اپنے سفارتی مشن کو پیش فرمایا اور اسلام کے اصول بیان فرمائے اور قرآن مجید بھی پڑھ کر سنایا۔

ایاس بن معاذ جو ابھی نوجوان تھا۔ سنتے ہی بولا۔ "اے میری قوم بخدا یہ تمہارے لیے

اس مقصد سے بہتر ہے جس کے لیے تم یہاں آئے ہو[١٢٨]۔

کہتے ہیں کہ انس بن رافع (سردار سفارت) نے کنکریوں کی مٹھی بھر کر اٹھائی اور ایاس کے منہ پر دے ماری اور کہا۔ بس چپ رہ! ہم اس کام کے لیے تو نہیں آئے۔ ایاس خاموش ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ اٹھ کر چلے گئے۔ یہ واقعہ جنگِ بعاث سے، جو اوس اور خزرج کے درمیان ہوئی، پہلے کا ہے، وہ لوگ بغیر معاہدہ کیے واپس مدینہ چلے گئے۔ ایاس واپس جا کر چند روز کے بعد مر گیا۔ مرتے وقت اس کی زبان پر تسبیح و ثنا، کلمہ اور تکبیر جاری تھی۔ مرحوم کے دل میں نبی کریم ﷺ کے اسی وعظ سے اسلام کا بیج بویا گیا تھا جو مرتے وقت پھل پھول لے آیا تھا[١٢٩]۔

٣۔ ضماد ازدی یمنی

انہی ایام میں ضماد ازدی مکہ میں آیا۔ یہ یمن کا باشندہ تھا۔ منتر اور جھاڑ پھونک سے لوگوں کا علاج کیا کرتا تھا۔ جب اس نے سنا کہ محمد ﷺ پر جنات کا اثر ہے تو اس نے قریش سے کہا کہ میں محمد ﷺ کا علاج منتر سے کر سکتا ہوں۔ یہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا، محمد ﷺ آؤ تمہیں منتر سناؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پہلے مجھ سے سن لو۔

آپ ﷺ نے سنایا:

''سب تعریف اللہ کے واسطے ہے ہم اس کی نعمتوں کا شکر کرتے ہیں اور ہر کام میں اس کی اعانت چاہتے ہیں۔ جسے خدا راہ دکھاتا ہے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے خدا ہی رستہ نہ دکھائے اس کی کوئی رہبری نہیں کر سکتا۔ میری شہادت یہ ہے کہ خدا کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں۔ وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں یہ بھی ظاہر کرتا ہوں کہ محمد ﷺ خدا کا بندہ اور رسول ہے۔''

ضماد نے اسی قدر سنا تھا۔ بول اٹھا کہ انہی کلمات کو پھر سنا دیجیے۔ دو تین دفعہ اس نے انہی کلمات کو سنا اور پھر بے اختیار بول اٹھا، میں نے بہتیرے کاہن دیکھے اور ساحر دیکھے۔

بیعت کروں[130]۔

۴۔ طفیل بن عمرو دوسی

انہی ایام میں طفیل بن عمرو مکہ میں آیا۔ یہ قبیلہ دوس کا سردار تھا اور یمن کے گردو نواح میں اس کے خاندان کی حکومت قائم تھی۔ طفیل بذاتِ خود شاعر اور بااثر شخص تھا اور چونکہ شعراء کی بہت زیادہ عزت تھی اس لیے اہل مکہ نے آبادی سے باہر جا کر اس کا استقبال کیا اور اعلیٰ پیمانہ پر اس کی خدمت اور تواضع کی۔

قریش کی کوشش یہ تھی کہ وہ نہ تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچنے پائے اور نہ ہی ان کا کلام سن سکیں۔ اس لیے وہ قریش کے کہنے میں آگیا اور جب بھی خانہ کعبہ جاتا کانوں کو روئی سے بند کرلیتا تاکہ محمد ﷺ کی آواز کی بھنک بھی اس کے کان میں نہ پڑجائے۔ لیکن ایک دفعہ اس نے صبح ہی رسول اللہ ﷺ کو نماز میں قرآن پڑھتے سنا تو حالت بدل گئی۔

جب نبی کریم ﷺ نماز سے فارغ ہو کر گھر کو چلے تو یہ بھی آپ ﷺ کے پیچھے ہولیا۔ حضور ﷺ کے مکان پر حاضر ہوا تو اپنا مکہ میں آنے، لوگوں کے بہکانے، روئی سے کان بند کرنے اور پھر حضور ﷺ سے قرآن سننے کا سارا ماجرا بیان کردیا اور عرض کیا کہ مجھے اپنی بات سنائیے۔ نبی کریم ﷺ نے قرآن پڑھا۔ طفیل بول اٹھا۔ بخدا! میں نے ایسا پاکیزہ کلام کبھی سنا ہی نہیں جو اس قدر نیکی اور انصاف کی ہدایت کرتا ہے۔ طفیل اسی وقت مسلمان ہو گیا[131]۔

قرآن مجید کی چند آیات نے جو اس سفیرِ اعظم ﷺ کی زبان پاک سے سنی۔ اس کے دل کی دنیا ہی بدل دی۔ اس کے اثر ہی کا نتیجہ تھا کہ قبیلہ دوس میں اسلام پھیلنے لگا[132]۔

طفیل، نبی کریم ﷺ کے سفیر کی حیثیت سے اپنے قبیلے دوس میں گئے تو قبیلہ نے

بحیثیت مجموعی اس کی دعوت کو قبول نہ کیا۔ جس سے رنجیدہ ہو کر اس نے رسول اکرم ﷺ سے ان کے لیے بد دعا کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی:

"اللهم اهد دوسا وائت بهم" (۱۳۳). (یا اللہ دوس کو ہدایت دے اور اس کو ہمارے پاس لا۔) اس کے بعد سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

قبائلِ عرب میں عام قدرِ مشترک

دورِ جاہلیت میں عام قبائلِ عرب اپنی بعض فطری صلاحیتوں اور بعض عادات و اخلاق میں دنیا میں ممتاز تھے اور ان میں عام قدرِ مشترک امور پائے جاتے تھے۔ فصاحت و بلاغت اور قادر الکلامی میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ آزادی و خود داری ان کو جان سے زیادہ عزیز تھی۔ شہسواری و شجاعت میں وہ بے بدل تھے۔ عقیدہ کے پرجوش، صاف گو اور جری، حافظہ کے قوی، مساوات، بے تکلفی اور جفا کشی کے عادی، ارادہ کے پکے، زبان کے سچے، وفاداری اور امانت داری میں ضرب المثل تھے۔

لیکن انبیاء اور ان کی تعلیمات سے دوری کی بناء پر ایک جزیرہ نما میں صدیوں سے مقید رہنے کی وجہ سے اور باپ دادا کے دین اور قومی روایات پر سختی سے قائم ہونے کے سبب وہ دینی و اخلاقی حیثیت سے بہت گر چکے تھے۔ چھٹی صدی میں تنزل و انحطاط کے آخری نقطہ پر تھے۔ کھلی ہوئی بت پرستی میں مبتلا اور اس میں دنیا کے امام تھے۔ اخلاقی و اجتماعی امراض ان کی سوسائٹی کو گھن کی طرح کھا رہے تھے۔ غرض مذاہب کے اکثر محاسن سے وہ محروم اور جاہلی زندگی کی بد ترین خصوصیتوں اور برائیوں میں مبتلا تھے۔

۱۔ بت پرستی

تمام قبائل میں بت پرستی کا دور دورہ تھا۔ لوگ خدا کی جملہ صفات انہی میں منتقل کر چکے تھے۔ عرب میں ہر ہر قبیلہ، ہر ہر شہر اور ہر ہر علاقہ کا ایک خاص بت تھا۔ بلکہ ہر

نام کتاب: رسول اللہ ﷺ کا سفارتی نظام

نام مصنف: ڈاکٹر حافظ محمد یونس

صدر شعبہ علوم القرآن والحدیث ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔

طبع اول: ایک ہزار۔ اپریل ۱۹۹۶ء

باہتمام: حافظ محمد احمد ندیم، محمد عامر فہیم۔ ناظمین دارالفرقان (۴۲۱۲۲۶)

کمپوزرز: حافظ محمد احمد صدیقی

اے۔ اے۔ پرنٹرز، لاہور (۵۴۱۴۳۸۶)

مطبع: علوم شرعیہ پرنٹرز۔ لاہور

ناشر: دارالفرقان۔ راولپنڈی

225۔ ڈی سیٹلائٹ ٹاؤن

قیمت: =/۱۹۰ روپے

بحیثیت مجموعی اس کی دعوت کو قبول نہ کیا۔ جس سے رنجیدہ ہو کر اس نے رسول اکرم ﷺ سے ان کے لیے بد دعا کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی:

"اللھم اھد دوسا وائت بھم" (۱۳۳). (یا اللہ دوس کو ہدایت دے اور اس کو ہمارے پاس لا۔) اس کے بعد سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

قبائلِ عرب میں عام قدرِ مشترک

دورِ جاہلیت میں عام قبائلِ عرب اپنی بعض فطری صلاحیتوں اور بعض عادات و اخلاق میں دنیا میں ممتاز تھے اور ان میں عام قدرِ مشترک امور پائے جاتے تھے۔ فصاحت و بلاغت اور قادر الکلامی میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ آزادی و خود داری ان کو جان سے زیادہ عزیز تھی۔ شہسواری و شجاعت میں وہ بے بدل تھے۔ عقیدہ کے پرجوش، صاف گو اور جری، حافظہ کے قوی، مساوات، بے تکلفی اور جفا کشی کے عادی، ارادہ کے پکے، زبان کے سچے، وفاداری اور امانت داری میں ضرب المثل تھے۔

لیکن انبیاء اور ان کی تعلیمات سے دوری کی بناء پر ایک جزیرہ نما میں صدیوں سے مقید رہنے کی وجہ سے اور باپ دادا کے دین اور قومی روایات پر سختی سے قائم ہونے کے سبب وہ دینی و اخلاقی حیثیت سے بہت گر چکے تھے۔ چھٹی صدی میں تنزل و انحطاط کے آخری نقطہ پر تھے۔ کھلی ہوئی بت پرستی میں مبتلا اور اس میں دنیا کے امام تھے۔ اخلاقی و اجتماعی امراض ان کی سوسائٹی کو گھن کی طرح کھا رہے تھے۔ غرض مذاہب کے اکثر محاسن سے وہ محروم اور جاہلی زندگی کی بدترین خصوصیتوں اور برائیوں میں مبتلا تھے۔

۱۔ بت پرستی

تمام قبائل میں بت پرستی کا دور دورہ تھا۔ لوگ خدا کی جملہ صفات انہی میں منتقل کر چکے تھے۔ عرب میں ہر ہر قبیلہ، ہر ہر شہر اور ہر ہر علاقہ کا ایک خاص بت تھا۔ بلکہ ہر

گھر کا بت جدا تھا۔ کلبی کا بیان ہے کہ:

"مکہ مکرمہ کے ہر گھر کا ایک بت تھا۔ جس کی گھر والے پرستش کرتے تھے۔ جب کوئی شخص سفر کا ارادہ کرتا تو روانگی کے وقت گھر پر اس کا آخری کام یہ ہوتا کہ اپنے بت کو حصول برکت کے لیے چھوتا اور جب سفر سے واپس آتا، تو گھر پہنچ کر پہلا کام یہ کرتا کہ اپنے بت کو تبرکاً ہاتھ لگاتا"[۱۳۴]۔ بتوں کے بارے میں بڑا غلو اور انہماک تھا۔ کسی نے تو ایک بت خانہ بنا رکھا تھا کسی نے بت تیار کرلیا تھا۔ کوئی حرم کے سامنے پتھر گاڑ کر اس کے ارد گرد طواف شروع کردیتا[۱۳۵]۔

خود خانہ کعبہ کے اندر اور اس کے صحن میں ۳۶۰ بت تھے[۱۳۶]۔ غرض کہ بتوں اور دیوتاؤں کی پوجا کرتے کرتے یہ لوگ انتہا کو پہنچ گئے تھے۔ جن سے نکلنا ان کے لیے بہت مشکل تھا۔

۲۔ معبودوں کی کثرت

عربوں کے متعدد اور مختلف معبود تھے۔ جن میں فرشتے، جن، ستارے سب شامل تھے۔ فرشتوں کے بارہ میں ان کا عقیدہ تھا کہ یہ اللہ کی بیٹیاں ہیں، جیسے قرآن کریم میں ہے۔ "الکم الذکر ولہ الانثی"[۱۳۷]۔ (کیا تمہارے تو بیٹے ہوں اور خدا کے لیے بیٹیاں) "ویجعلون للہ البنات سبحانہ"[۱۳۸]. (وہ خدا کے لیے بیٹیاں بناتے ہیں، واہ واہ وہ تو پاک ہے) اس لیے عرب فرشتوں سے شفاعت کے طلب گار ہوتے اور ان کی پرستش کرتے اور ان کو وسیلہ بناتے۔ جنوں کو اللہ کے رشتہ دار اور شریک کار سمجھتے۔ ان کی قدرت اور اثر اندازی پر ایمان رکھتے اور ان کی پرستش کرتے[۱۳۹]۔

صاعد کی روایت ہے کہ قبیلہ حمیر آفتاب کی پرستش کرتا۔ کنانہ کا قبیلہ چاند کا پرستار تھا۔ بنو تمیم وبران کی، لخم وجذام مشتری کی، قبیلہ طے سہیل کی، بنو قیس شعری اور بنو اسد عطارد کی پرستش کرتا تھا[۱۴۰]۔

۳۔ اخلاقی واجتماعی امراض

قبائلِ عرب میں ایک قدرِ مشترک یہ بھی تھی کہ اخلاقی اعتبار سے ان کے اندر بہت سی بیماریاں اور امراض گھر کیے ہوئے تھیں۔ شراب عام پی جاتی تھی۔ جوا جاہلی زندگی میں بڑائی اور خوبی کی بات تھی اور اس میں شرکت نہ کرنا پست ہمتی اور مردہ دلی کی دلیل تھی[۱۴۱]۔

قتادہ کا بیان ہے کہ:

''زمانۂ جاہلیت میں ایک شخص اپنے گھر بار کو داؤ پر رکھ دیتا تھا پھر لٹا ہوا حسرت سے اپنے مال کو دوسروں کے ہاتھ میں دیکھتا، اس سے نفرت و عداوت کی آگ بھڑکتی اور جنگوں کی نوبت آتی''[۱۴۲]۔

حجاز کے عرب اور یہودی سُودی لین دین اور سُود در سُود کا معاملہ کرتے۔ اس سلسلے میں بڑی بے رحمی اور سخت دلی کے مظاہرے ہوتے[۱۴۳]۔

زنا کو کچھ زیادہ معیوب بات نہ سمجھا جاتا تھا۔ پیشہ ور عورتوں کے اڈے موجود تھے[۱۴۴]۔

۴۔ عورت کے ساتھ بدسلوکی

جاہلی معاشرہ میں عورت کے ساتھ ظلم و بدسلوکی روا سمجھی جاتی۔ اس کے حقوق پامال کیے جاتے، اس کا مال مرد اپنا مال سمجھتے، اسے ترکہ اور میراث میں کوئی حصہ نہ ملتا۔ حیوانات کی طرح وہ بھی دوسرے سامان کے ساتھ وراثت میں دے دی جاتی۔ لڑکیوں سے اس درجہ نفرت بڑھ گئی تھی کہ انہیں زندہ درگور بھی کردیا جاتا۔ زندہ درگور کرنے کا اصول عرب کے تمام ہی قبائل میں رائج تھا۔ صعصعہ بن ناجیہ کا بیان ہے کہ اسلام کے ظہور کے وقت تک میں تین سو زندہ درگور ہونے والی لڑکیوں کو فدیہ دے کر بچا چکا تھا[۱۴۵]۔

زندہ در گور کرنے کے رقت انگیز واقعات بعض عربوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد بیان کیے ہیں[۱۳۶]۔

۵۔ قبائلی و خاندانی عصبیت و امتیاز

قبیلے اور رشتہ داریوں کی بنیاد پر عصبیت اور جتھہ بندی عرب میں بڑی سخت تھی، اس عصبیت کی بنیاد جاہلی مزاج تھا۔ جس کی روح اس حدیث شریف سے ظاہر ہوتی ہے۔ "انصر اخاک ظالماً او مظلوماً"[۱۳۷]۔ (اپنے بھائی کی مدد کر خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم) چنانچہ وہ اپنے حلیف اور بھائی کی ہر حال میں مدد کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ خواہ وہ حق پر ہو یا غلطی پر۔ عرب قبائلی معاشرہ مختلف طبقات اور الگ الگ حیثیت کے خاندانوں اور گھرانوں پر مشتمل تھا۔ ایک خاندان اپنے کو دوسرے خاندان سے بلند و برتر سمجھتا تھا۔ بعض خاندان دوسرے خاندانوں یا عام انسانوں کے ساتھ بہت سی رسوم و عادات میں شرکت پسند نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ حج کے بعض مناسک میں قریش عام حجاج سے الگ تھلگ اور ممتاز رہتے تھے۔ وہ عرفات میں عام لوگوں کے ساتھ ٹھہرنا عار کی بات سمجھتے تھے۔ آنے جانے میں پیش قدمی کرتے تھے[۱۳۸]۔

ایک طبقہ پیدائشی آقاؤں کا تھا ایک طبقہ کم حیثیت لوگوں کا، جس سے بیگار لیا جاتا تھا۔

۶۔ جنگ جُو فطرت

عرب فطرتاً جنگ جُو واقع ہوئے تھے اور ان کی صحرائی اور غیر متمدن زندگی کا تقاضا بھی یہی تھا۔ جنگ ان کے لیے زندگی کی ایک ضرورت سے آگے بڑھ کر تفریح اور دل بستگی کا سامان بن گئی تھی۔ جس کے بغیر ان کا جینا مشکل تھا۔

جنگ کرنا اور خون بہانا ان کے لیے معمولی کام تھا۔ جنگ کو بھڑکانے کے لیے معمولی واقعات کافی تھے۔ وائل کی اولاد، بکر و تغلب کے درمیان چالیس سال تک جنگ جاری رہی۔

جس میں پانی کی طرح خون بہا[۱۴۹]۔

پورا جزیرہ عرب گویا شکاری کا جال تھا کوئی شخص نہیں جانتا تھا کہ کہاں لُوٹ لیا جائے گا اور کب دھوکہ سے قتل کر دیا جائے گا۔ لوگ قافلوں میں سے اچک لیے جاتے تھے قافلوں اور سفارتوں کو گزارنے کے لیے قبائل کے سرداروں کی ضمانت کی ضرورت پڑتی تھی[۱۵۰]۔

۷۔ تجارت

تجارت میں پوری دنیا کے ساتھ رابطہ تھا۔ پورا سال تقریباً منڈیوں اور مختلف مقامات پر میلوں میں گزارتے تھے۔ اس لیے تہذیب و تمدن اور بود و باش میں یکسانیت پائی جاتی تھی۔

یہ تھیں وہ مشترک قدریں جو قبائلِ عرب میں یکساں طور پر تقریباً پائی جاتی تھیں۔ اس لیے ایسی عادتوں اور خصائل کے حامل عرب قبائل کو تبلیغ و رسالت کا فریضہ ناممکن نہیں تو دشوار ضرور تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو اپنے مشن سے اس قدر محبت اور لگاؤ تھا کہ آپ ﷺ ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر شب و روز اسی میں لگے رہتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کے قریش سے تعلقات

رسول کریم ﷺ فداہ امی و ابی کے تعلقات قریش سے آغاز بعثت کے وقت سے اختتام فتح مکہ کے بھی بعد حجتہ الوداع تک رہے۔ اس لحاظ سے پوری سیرت نبوی ﷺ میں ان تعلقات کی نوعیت کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے۔ اس کے مختلف اجزاء مختلف ابواب میں آچکے ہیں۔ حقیقی سفارتی و تبلیغی اور سیاسی تعلقات کا آغاز بیعت عقبہ ثالثہ سے ہوتا ہے اس کے بعد قریش نے رسول اللہ ﷺ کے قتل کی سازش کر کے گویا اسلامی مشن کے خلاف اعلانِ جنگ کیا تھا۔

ہجرت، قافلوں کی شاہراہوں کی بندش، بدر، احد، خندق کے معرکے سب اسی کے اجزاء ہیں۔ ہجرت اور قافلوں کے بارے میں باب پنجم میں پوری تفصیل سے روشنی ڈالی

گئی ہے۔ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ میں بھی قریش کے ساتھ تعلقات کی نوعیت کا اندازہ ہوتا ہے۔
صلح حدیبیہ کے بارے میں مفصل حالات باب ششم میں "معاہدات" کے تحت دیے گئے
ہیں۔ ان معاہدات میں بھی قریش سے تعلقات پر کافی مواد جمع کر دیا گیا ہے۔ اس سے زیادہ کی
یہاں گنجائش یا ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

مختلف قبائل کے سرداروں کے ساتھ تعلقات کے بارے میں اسی باب میں پوری
تفصیل سے مع حوالہ جات ذکر کر دیئے گئے ہیں۔

قریش کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی ہمدردیاں

قریش نے اگرچہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہر معاملے میں اور ہر مقام پر زیادتی کی اور
دھوکہ دیا، غداری کی اور چاروں طرف سے اتنا گھیراؤ کیا کہ مسلمانوں کو بہت سے نازک دور
سے گزرنا پڑا، لیکن نبی کریم ﷺ کو پھر بھی قریش کا پاس تھا کیونکہ مسلمان مہاجرین سب مکہ
ہی سے آئے تھے اور اہلِ مکہ ان کے رشتہ دار تھے۔ کعبہ مسلمانوں کی نماز کا قبلہ اور حج کا مرکز
تھا۔ باوجودیکہ حضور ﷺ اپنے رفقاء سمیت مدینہ منورہ ہجرت کر گئے۔ پھر بھی آپ ﷺ
نے قریش اور اہل مکہ کے ساتھ پوری طرح اپنی ہمدردیوں کا اظہار فرمایا اور تعلقات کو ٹوٹنے
نہیں دیا۔

جب حجاز میں قحط پڑا تھا اور مکہ والوں کی رسد کے مرکز یمامہ پر بھی مسلمانوں کا (ثمامہ
بن اثال کے اسلام لانے کے باعث) قبضہ ہو کر درآمد بند ہو گئی تھی[۱۵۱]۔

رسول کریم ﷺ نے اس بندش کا اثر محسوس کرا دینے کے بعد اپنی مرضی اور اختیار
سے پابندی اٹھا کر[۱۵۲] نیز مکے والوں میں غرباء و فقراء کی امداد کے لیے اس قحط کے
زمانے میں پانچ سو اشرفیاں[۱۵۳] روانہ کر کے عوام کے دل موہ لیے تھے اور مکے کے سب
سے بڑے اور بااثر سردار ابوسفیان کی لڑکی بی بی ام حبیبہؓ سے جو حبشہ گئی ہوئی تھیں، اسی

زمانے میں عقد غائبانہ کرلیا تھا[۱۵۴]۔ نیز مختلف سامان ضرورت (کھجور وغیرہ) ابوسفیان کو "ہدیہ" بھیج کر معاوضے میں جانوروں کی کھالیں طلب کی تھیں[۱۵۵]۔

ان حالات کی خبر جب مکے میں پھیلی تو اہل مکہ حضور ﷺ کو ایک شریف دشمن کہنے اور سمجھنے لگے۔ گو قریش کے لیڈر جھلائے اور اسے سازش سے تعبیر کیا۔

آخر کار جب حضور ﷺ نے مکہ کی طرف دس ہزار[۱۵۶] کا لشکر لے کر کوچ کیا اور قریش کو راستوں کی بندش کے باعث اس وقت خبر ہوئی جب کہ اس لشکر نے مکہ کے پہاڑوں کے عین نیچے پڑاؤ لگالیا۔ اس وقت حضور ﷺ نے مکہ اطلاع بھجوائی[۱۵۷]۔ کہ جو شخص اپنے گھر میں رہے یا کعبہ کی مسجد میں چلاجائے یا ہتھیار پھینک دے تو اسے اسلامی فوج بالکل نہیں چھیڑے گی اور پھر حضور ﷺ نے فوج کے تین حصے کرکے تینوں راستوں[۱۵۸] سے داخلہ شروع کیا اور تاکید کی کہ کوئی خون ریزی نہ ہو۔ شہر پر پوری طرح قبضہ ہونے اور کعبے کے اندر بتوں کو توڑنے[۱۵۹] کے بعد شہریوں کو جمع ہونے کا حکم دیا پھر ان کی کارستانیاں بتا کر پوچھا کہ تمہیں اب مجھ سے کیا توقع ہے[۱۶۰]۔ کہا کہ تو ایک شریف بھائی اور شریف بھائی کا بیٹا ہے۔ تو رحمۃ للعالمینؐ نے فرمایا: "ہاں اب تم سے کوئی مواخذہ نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔" تو پورا مکہ کلمۂ توحید سے گونج اٹھا اور مکہ کے قریش نے اپنی مکمل اور غیر مشروط اطاعت کا اعلان کردیا۔

ان حالات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ قریش کے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کس قسم کے تعلقات رہے ہیں؟

فتح مکہ کے بعد قبائل عرب کا رویّہ

قریش چونکہ کعبہ کے متولی تھے اور خانہ کعبہ کا احترام تمام عرب کے لوگ کرتے تھے، اس لیے بحیثیت متولی کعبہ کے قریش کا بھی احترام تمام عرب کے لوگ کرتے تھے۔ ابنِ ہشام میں ہے کہ:

"قریش تمام قبائل کے سردار اور پیشوا اور کعبہ و حرم کے متولّی تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی خاص اولاد اور عرب کے قائد تھے اور تمام عرب کو ان کی اس حیثیت کا اعتراف تھا۔"(۱۶۱)

اس سرداری اور پیشوائی اور حرم و کعبہ کی تولیت حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہونے کی شرافت کا تمام قبائلِ عرب پر یہ اثر تھا کہ قریش کے مقابلہ میں کسی قبیلہ کی یہ ہمت نہیں ہوتی تھی کہ کسی دینی معاملہ میں ان کے مزاج اور منشاء کے خلاف اقدام کی جرأت کرسکے۔ یہی چیز تھی کہ مکہ کی تیرہ سالہ زندگی میں حج کے موقع میں جب کہ دور دور سے عرب کے مختلف قبائل آتے تھے کسی کی یہ ہمت نہیں ہوتی تھی کہ قریش کے مقابلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پناہ دے۔ حالانکہ ایک ایک قبیلہ کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے جاتے تھے اور عالمی مشن کی تبلیغ کی خاطر ان سے پناہ کے طالب ہوتے تھے۔

ابن ہشام میں حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ میں نوجوان تھا اور اپنے والد کے ساتھ "منیٰ" میں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرب کے قبیلوں سے یہ فرمارہے تھے:

"مجھ پر ایمان لاؤ اور مجھے سچا جانو اور میری حفاظت کرو تاکہ اللہ نے جو چیز دے کر مجھے بھیجا ہے میں اسے صاف صاف بیان کروں"(۱۶۲)۔

لیکن عرب کے قبائل پر اس دعوت کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ یہ لوگ قریش کے اسلام کا انتظار کرتے تھے اور طے یہ کرلیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی قوم کو چھوڑ دو اور دیکھو کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ قریش جب اسلام قبول کرلیں گے تو ہم لوگ بھی حلقۂ اسلام میں داخل ہوجائیں گے۔ صحیح بخاری میں ہے:

"عرب کے لوگ اپنے اسلام قبول کرنے کے بارے میں غلبہ کا انتظار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور ان کی قوم کو چھوڑدو۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قوم پر غالب ہوں گے تو وہ سچے نبی ہیں، پس جب فتح مکہ کا وقوع ہوا تو عربوں کی ہر جماعت اور ہر قبیلہ نے اسلام

قبول کرنے میں سبقت سے کام لیا"(۱۶۳)۔

فتح مکہ کے بعد تمام قبائل کے سرداروں نے اشاعت اسلام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور جس قدر اسلام دشمنی میں اس سے قبل پیش پیش تھے، اتنے ہی انہماک کے ساتھ فتح مکہ کے بعد خلوص دل سے اسلام کے شیدائی بن گئے اور اسلام کی ترویج میں پوری سرگرمی کا اظہار کیا۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

"فتح مکہ کے بعد تمام عرب نے اسلام کی طرف نہایت تیزی سے قدم بڑھایا۔ ہر قبیلہ اپنے سرداروں کو بھیجتا تھا کہ جا کر اسلام قبول کریں اور دین کی تعلیم حاصل کر کے واپس آئیں تو اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دیں"(۱۶۴)۔

اس بناء پر تمام قبائل کا اسلام ان سرداروں کے اسلام اور تبلیغ و دعوت پر موقوف تھا۔ ابوداؤد میں ہے کہ:

"قبیلہ ہمدان نے حضرت عامر بن شہرؓ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا کہ جو تمہاری رائے قرار پائے گی اس کو ہم سب منظور کر لیں گے۔ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے اور ان کے بعد ان کا تمام قبیلہ مسلمان ہو گیا"(۱۶۵)۔

حوالہ جات

۱ تا ۲۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۱۹۰، ۱۹۲

۳۔ صحیح البخاری، ج ۱، ص ۲

۴۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۲۳

۵۔ صحیح البخاری، ج ۱، ص ۵۴۴: الطبری، ج ۲، ص ۲۱۴

۶۔ القرآن الکریم، النور (۲۴): ۵۴

۷۔ القرآن الکریم، المائدہ (۵): ۶۷

۸۔ القرآن الکریم، الفتح (۴۸): ۲۸

میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا
ماک کے ساتھ فتح مکہ کے
ری سرگرمی کا اظہار کیا۔

ی سے قدم بڑھایا۔ ہر
علیم حاصل کرکے واپس

بلیغ و دعوت پر موقوف

خدمت میں بھیجا کہ جو
نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں
(۱۶)۔

۹تا۱۰- ابن قیم الجوزیہ، زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، ج۱، ص۳۸

۱۱تا۱۵- ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج۱، ص۲۵۷، ۲۶۲ تا ۲۶۶، ۲۶۹، ۲۸۰

۱۶- غفار قبیلہ قریش کی شامی تجارت کے راستے میں آباد تھا۔

۱۷تا۱۸- البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، ج۱، ص۵۴۴، ۵۴۵

۱۹- الطبری، محمد ابن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج۲، ص۲۱۴

۲۰- مسلم بن الحجاج القشیری، الصحیح لمسلم، ج۱، ص۲۷۶

۲۱تا۲۲- ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج۱، ص۲۸۰، ۲۶۳

۲۳- ایضاً، ج۲، ص۶۴

۲۴- ایضاً، ج۱، ص۳۱۳، ۳۱۴

۲۵- ابوحنیفہ نعمان بن ثابت، کتاب الفقہ الاکبر، ص۱

۲۶- ابن ہشام، ج۱، ص۳۳۷

۲۷- ابن ہشام، ج۲، ص۱۳

۲۸- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج۱، ص۱۹۹

۲۹- القرآن الکریم، الحجر (۱۵): ۹۴

۳۰- القرآن الکریم، الشعراء (۲۶): ۲۱۴

۳۱- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج۱ ص۱۹۹

۳۲- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج۱، ص۲۸۰

۳۳تا۳۴- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج۱، ص۲۰۰

۳۵- القرآن الحکیم، اللہب (۱۱۱): ۱تا۵

۳۶- ابن حجر، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج۱، ص۶۹۲ (۱۵۰۱)

۳۷- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج۱، ص۱۹۹

۳۸تا۳۹- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج۱، ص۲۸۲، ۲۸۷

۴۰- ہجرت حبشہ کے متعلق ایک مستقل باب نمبر ۴ آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمایا جائے۔

۴۱تا۴۲- ابن سید الناس، عیون الاثر، مکتبہ القدس القاہرہ، ۱۳۵۶ھ، ج ۱، ص ۹۹

۴۳تا۴۴- ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۱، ص ۲۸۵، ۳۱۶

۴۵- ابن سید الناس، عیون الاثر، ج ۱، ص ۱۰۶

۴۶- القرآن الکریم، النساء (۴): ۶۳

۴۷- ابن سید الناس، عیون الاثر، ج ۱، ۲ ص ۱۰۰

۴۸- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۱، ص ۲۸۰-۲۹۱

۴۹تا۵۱- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۰۸، ۲۰۹

۵۲- ابن سید الناس، عیون الاثر، ص ۱۲۷

۵۳تا۵۴- ابن سعد، الطبقات الکبری ج ۱، ص ۲۱۰، ۲۱۱

۵۵- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۵۸

۵۶- القسطلانی، احمد بن محمد بن ابی بکر، المواہب اللدنیہ، ج ۱، ص ۵۶

۵۷تا۶۲- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۱۱، ۲۱۲

۶۳تا۶۶- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۶۱

۶۷- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۱۲

۶۸- القسطلانی، محمد بن ابی بکر، المواہب اللدنیہ، ج ۱، ص ۵۶

۶۹- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۱۲

۷۰تا۷۳- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۶۱، ۶۲

۷۴تا۷۵- الزرقانی محمد بن عبد الباقی، شرح علی المواہب اللدنیہ، ج ۱، ص ۳۴۸

۷۶- ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۶۲

۷۷- ابوالفیض سید محمود، سیرت سید المرسلین، دار النصر، عرب جمہوریہ، مصر، ۱۹۶۴ء ج ۱، فصل ۷، ص ۲۲۸

۷۸- ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۶۳

۷۹- جنگ احد میں حضور ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوگئے تھے اور خود کی کڑیاں چہرہ مبارک میں چبھ کر رہ گئیں تھیں اور آنحضرت ﷺ ایک خندق میں جا گرے تھے۔

۸۰- یہ مکہ اور طائف کے درمیان ایک پہاڑ کا نام ہے۔

۸۱- القسطلانی، احمد بن محمد بن ابی بکر، المواھب اللدنیہ، ج ۱، ص ۵۶

۸۲- Margoliouth, D. S. ' Mohammad and the Rise of Islam'. p. 18.

۸۳- Muir, Sir, William, Life of Mahomet, Chapter vi, p. 109.

۸۴- القسطلانی احمد بن محمد بن ابی بکر، المواھب اللدنیہ، ج ۱، ص ۵۶

۸۵- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۱۲

۸۶- ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۰

۸۷- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۱۲

۸۸- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۶۷

۸۹- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۱۶

۹۰ تا ۹۱- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۶۴، ۶۷

۹۲- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۱۶

۹۳ تا ۹۹- المرزوقی ابو علی، کتاب الازمنہ والامکنہ، ج ۲، ص ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۵، ۱۶۶

۱۰۰- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۱۶، ۲۱۷

۱۰۱- ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۶۴

۱۰۲- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۱۶

۱۰۳ تا ۱۰۴- ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۱، ص ۲۸۹

۱۰۵- ابن حجر العسقلانی، احمد بن علی بن محمد، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج ۲، ص ۲۰۲

۱۰۶- ابن سید الناس، عیون الاثر، ج ۱، ص ۱۵۳

۱۰۷ تا ۱۰۹- ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۶۴

۱۱۰- دار قطنی، علی بن عمر بن احمد، سنن، مطبع دہلی ۱۳۱۰ھ، ج ۲، ص ۳۰۷

۱۱۱- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۱۶

۱۱۲- احمد بن حنبل، مسند، المکتب الاسلامی بیروت، ج ۴، ص ۶۳

۱۱۳- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۲۱٦

۱۱۴ تا ۱۱۵- ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ٦۵

۱۱٦- رضا مصری، محمد رسول اللہ ﷺ، ص ۱۲۲

۱۱۷ تا ۱۱۸- ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ٦٦

۱۱۹- ابن سید الناس، عیون الاثر، ج ۱، ص ۱۵۳

۱۲۰- القرآن الکریم، سورۃ الانعام، (۵): ۱۵۲

۱۲۱- ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ٦٦

۱۲۲- الحلبی، علی بن برہان الدین، السیرۃ الحلبیۃ، ج ۲، ص ۵

۱۲۳ تا ۱۲۵- ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ٦۷، ٦۹

۱۲٦- ابن سید الناس، عیون الاثر، ج ۱، ص ۱۵۵

۱۲۷- ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۷۰

۱۲۸- ابن سید الناس، عیون الاثر، ج ۱، ص ۱۵۵

۱۲۹- ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۷۰: طبری، ج ۱، ص ۲۳۴

۱۳۰- السیوطی، عبد الرحمن بن ابی بکر، الخصائص الکبریٰ، ج ۱، ص ۱۳۴ (باب فی اسلام ضماد)

۱۳۱ تا ۱۳۲- الزرقانی، محمد بن عبد الباقی، ج ۴، ص ۴۳، ۴۵

۱۳۳- البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری مع شرح القسطلانی، ج ۳، ص ۵۲

۱۳۴ تا ۱۳۵- ابن الکلبی، کتاب الاصنام، ص ۳۳، مطبعۃ دار الکتب المصریہ، ۱۹۴٦ء

۱۳٦- البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، ج ۳، ص ۳۹

۱۳۷- النجم (۵۳): ۲۱

۱۳۸- النحل (۱٦): ۵۷

۱۳۹- ابن کلبی، کتاب الاصنام، ص ۴۴

۱۴۰- صاعد بن احمد اندلسی، طبقات الامم، ص ٦٦، ٦۷

۱۴۱- حبیب الطائی، دیوان الحماسۃ، قصیدہ حجر بن خالد (واذا هلکت فلا تریدی عاجزا) ص ۹۷

۱۴۲- الطبری، محمد بن جریر، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ج ۷، ص ۲۳

۱۴۳- ایضاً، ج ۴، ص ۵۹ تا ۶۹

۱۴۴- العقد الفرید (کتاب اخبار زیاد)، ابن عبدربہ، ج ۵، ص ۴

۱۴۵- الاصبہانی ابوالفرج، کتاب الاغانی، ج ۱۹، ص ۲، ۳: ابن درید، الاشتقاق، ص ۲۳۹

۱۴۶- الدارمی، ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمن، سنن الدارمی، ج ۱، ص ۳

۱۴۷- ایضاً، ج ۲، ص ۳۱۱

۱۴۸- القرآن الکریم، البقرہ، (۲): ۱۹۹

۱۴۹- ندوی ابوالحسن علی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، ص ۴۷

۱۵۰- ایضاً، الطبری، ابن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ۲، ص ۱۳۳

۱۵۱ تا ۱۵۲- ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۴، ص ۲۸۸

۱۵۳- السرخسی، شمس الدین، کتاب المبسوط، ج ۱۰، ص ۹۲

۱۵۴- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۴، ص ۲۹۴

۱۵۵- السرخسی، شمس الدین، کتاب المبسوط، ج ۱۰، ص ۹۲

۱۵۶ تا ۱۶۰- ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۴، ص ۴۲، ۴۷ تا ۴۹، ۵۵

۱۶۱- ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۴، ص ۲۰۵

۱۶۲- ایضاً، ج ۲، ص ۶۴

۱۶۳- البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، ج ۳، ص ۱۴

۱۶۴- العسقلانی، ابن حجر، فتح الباری، ج ۸، ص ۳۶

۱۶۵- ابوداؤد سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، ج ۲، ص ۱۳۶

چوتھا باب

* ہجرت حبشہ

* ہجرت حبشہ کی سیاسی اور سفارتی اہمیت

* مہاجرین کی معاشرتی اور خاندانی حیثیت

* ہجرت حبشہ کا فائدہ

* ہجرت حبشہ پر قریش مکّہ کا اضطراب

* سفیران اسلام کی شاہ حبشہ کے دربار میں گفتگو

* ہجرت کے لیے حبشہ کو منتخب کرنے کی وجوہات

چوتھا باب

ہجرتِ حبشہ

ہجرتِ حبشہ کی سیاسی و سفارتی اہمیت

رسولِ کریم ﷺ کا اولین فریضۂ عمل، دعوتِ اسلام اور پیغامِ حق تھا۔ جس کے لیے کسی جنگی سازوسامان کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن دعوت و ارشاد کے ضمن میں خود ساختہ خداؤں اور خود تراشیدہ بتوں کی مذمت اور تنقیص بھی ایک ضروری حیثیت رکھتی تھی۔ اس لیے بت پرستوں کی مخالفت اور ان کی عناد و دشمنی کا مقابلہ کرنا بھی لازمی امر تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مکہ میں صدائے حق کی بجلی کڑکتے ہی ہر طرف سے مخالفت کی گھٹائیں اُمڈ آئیں اور افق پر گھٹا ٹوپ بادلوں کے دَل کے دَل لگ گئے۔ رسول اللہ ﷺ مخالفت کے اس گہرے سمندر میں سرکش موجوں کے ساتھ ادھر ادھر تن تنہا بہتے اور تیرتے پھرتے تھے۔ حضور ﷺ کو اپنا مشن جاری رکھنے کے لیے ایک مرکز کی تلاش تھی۔ یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ اپنے اسی جذبہ مشن کو لے کر ایک ایک قبیلے کے پاس جاتے تھے اور صرف یہ درخواست کرتے کہ:

"میں تم کو مجبور نہیں کرتا، مجھے صرف پناہ چاہیے۔ قریش مجھ کو پیغامِ حق پہنچانے سے روکتے ہیں، تم مجھے تحفظ دلا دو کہ مجھے قتل نہ کر دیا جائے۔ لیکن قریشؔ کے اثر سے ہزاروں، لاکھوں میں ایک بھی اس کی حامی نہیں بھرتا تھا"[1]۔

بعض قبیلوں نے پوچھا کہ:

"اگر ہم تمہیں تحفظ دے دیں تو کیا تمہارے بعد حکومت ہمیں ملے گی۔ تو حضور ﷺ فرماتے کہ یہ کوئی وراثت تو ہے نہیں یہ تو اللہ کی امانت ہے وہ جس کو چاہے عطا

کردے"[۲]۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کو اسلام کی سربلندی اور رہبرِ اسلام کی سرفرازی مقصود تھی۔ اس لیے آفتابِ حق کی کرنیں باطل کے حجابات کو اٹھاتی ہوئی اطراف و جوانب کو روشن کرنے لگیں، اسلام کو صرف اعلان کی ضرورت تھی۔ یہ اعلان دشمنانِ اسلام نے خود ہی کر دیا[۳]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفقاء پوری جوانمردی اور صبر و تحمل سے کام لے کر برابر اپنے مشن کو جاری رکھے ہوئے تھے[۴]۔ وہ سب کچھ برداشت کرسکتے لیکن مکہ میں رہ کر اپنے دین کا تحفظ نہ ہونا اور ارکان اسلام کا آزادی کے ساتھ ادا نہ ہونا ان پر بہت شاق گزرتا تھا[۵]۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کی اس مختصر سی امت کو محفوظ رکھنے کے لیے انہیں اجازت دے دی کہ وہ کسی امن کی جگہ منتقل ہوجائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"لوخرجتم الی ارض الحبشة فان فیها ملکا لایظلم احد عنده حتیٰ یجعل الله لکم فرجا و مخرجا مما انتم فیه"[۶]. ("مناسب ہے کہ تم لوگ حبشہ کی طرف ہجرت کرجاؤ کیونکہ وہاں کا بادشاہ ایسا ہے کہ اس کی قلم رَو میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا اور اس وقت تک وہاں رہو جب تک حق تعالیٰ تمہارے لیے اس ابتلاء سے نکلنے کا کوئی متبادل راستہ پیدا نہ کردے اور تمہارے لیے فراغت اور کشادگی کی راہ نہ کھول دے")۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نجاشی سے ذاتی طور پر واقف تھے اور اس کو اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ منصف مزاج ہے، نیک اور خدا ترس ہے اور اس کی سرزمین میں سچائی کا دور دورہ ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبوت سے پہلے خود حبشہ تشریف لے گئے ہوں اور دوسرے ملکی تاجروں کی طرح نجاشی سے بھی تعارف حاصل کیا ہو۔ حضرت جعفرؓ کو عطا کیا گیا تعارفی خط بھی اس گمان کی تصدیق کرتا ہے۔

مہاجرینِ حبشہ کے نام اور ان کی تعداد

نبوت کے پانچویں سال ماہِ رجب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر پہلے گیارہ مرد اور چار

عورتوں کا قافلہ حضرت عثمان بن عفانؓ کی زیرِ قیادت رات کی تاریکی میں حبشہ روانہ ہوا(۷)۔
حضرت عثمانؓ کے ساتھ ان کی اہلیہ محترمہ حضرت رقیہؓ بنت رسول اللہ ﷺ بھی اس اولین
سفرِ ہجرت پر نکلیں۔ حضور ﷺ نے اس مبارک جوڑے کے متعلق فرمایا تھا:
"یہ پہلا جوڑا ہے جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کے بعد راہِ خدا میں ہجرت
کی"(۸)۔

اسلام میں یہ پہلی ہجرتِ حبشہ تھی(۹)، اس میں یہ لوگ شامل تھے:(۱۰)۔

مرد	خواتین
۱۔ حضرت عثمان بن عفانؓ خلفائے راشدین میں سے تیسرے خلیفہ ہیں۔ یہ بنی امیہ میں سے تھے۔	حضرت رقیہؓ بنت رسول اللہ ﷺ، زوجہ حضرت عثمانؓ بن عفان۔
۲۔ حضرت ابوحذیفہؓ بن عتبہ، قریش کے مشہور سردار عتبہ کا بیٹا۔ عبد شمس خاندان میں سے تھے۔	حضرت سہلہؓ بن سہیل زوجہ ابوحذیفہؓ، جنہوں نے حبشہ جا کر اپنے بیٹے محمد بن ابی حذیفہ کو جنم دیا، بنی عامر میں سے تھیں۔
۳۔ بنی اسد بن عبدالعزیٰ میں سے حضرت زبیرؓ بن عوام رسول اللہ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔	
۴۔ بنی عبدالدار میں سے حضرت مصعبؓ بن عمیر ہاشم کے پوتے۔	
۵۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، رسول کریم ﷺ کے ننہالی رشتہ دار، قبیلہ زُہرہ کے چشم و چراغ اور مشہور صحابی، جو عشرہ مبشرہ میں شمار کیے جاتے تھے۔	

۶۔ بنی مخزوم میں سے حضرت ابو سلمہؓ بن عبدالاسد مخزومی، ان کا نام عبداللہ بن اسد تھا اور رسول اللہ ﷺ کے رضاعی بھائی تھے۔

حضرت اُم سلمہؓ زوجہ ابو سلمہؓ، یہ وہ خاتون ہیں، جن کا عقد ابو سلمہؓ کی وفات کے بعد حضرت رسول کریم ﷺ کے ساتھ ہوا تھا۔ یہ پہلی عورت ہیں جو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچی تھیں۔ یہ بھی بنی مخزوم میں سے تھیں۔

۷۔ بنی جمح سے حضرت عثمانؓ بن مظعون مشہور صحابی۔ رسول اللہ ﷺ کے رضاعی بھائی اور امیرِ قافلہ تھے۔

۸۔ بنی عامر بن لوی، سے حضرت ابو سبرۃؓ بن ابی رہم عامری۔ ان کی والدہ سبرۃ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی تھیں[11]۔

۹۔ بنی حارث میں سے حضرت سہیلؓ بن بیضاء، یہ بدری ہیں، انہوں نے دو دفعہ ہجرت کی اور حبشہ پہنچے۔

ام کلثوم بنت سہیلؓ بن عمرؓ ابو سبرۃؓ کی بیوی[14]۔

۱۰۔ بنی عبد شمس میں سے ابو حاطبؓ بن عمرو، بقول امام زہریؒ سب سے پہلے حبشہ پہنچے۔ مشہور صحابی جو غزوہ بدر میں بھی شریک ہوئے تھے[12]۔

۱۱۔ بنی عدی میں سے حضرت عامرؓ بن ربیعہ بدر میں شریک ہوئے اور عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں مدینہ کے حاکم مقرر ہوئے تھے[13]۔

لیلیٰ بنتِ ابی حشمہؓ زوجہ عامرؓ بن ربیعہ، قبیلہ عدی بن کعب سے تھیں۔

مہاجرین کی معاشرتی اور خاندانی حیثیت

مہاجرین کی فہرست پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حبشہ کی طرف شروع میں عام طور پر ایسے صحابہ کرامؓ نے ہجرت کی جو نہایت معزز اور طاقت ور قبائل سے تعلق رکھتے تھے اور

ان میں بڑے بڑے مشہور اور صاحبِ اقتدار لوگ شامل تھے جو بڑے عالی حوصلہ اور بہادر تھے۔ بنوامیہ کا اس وقت غلبہ اور اقتدار تھا اور حضرت عثمان غنیؓ نہ صرف یہ کہ اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے بلکہ بہت بڑے دولت مند بھی تھے اور رسول اللہ ﷺ کی بیٹی اور ان کی بیوی حضرت رقیہؓ ان کے ہمراہ تھیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت ابوسبرۃؓ معمولی لوگ نہ تھے، بلکہ ذی شان بزرگ تھے اور حضرت زبیرؓ و مصعب خود آنحضرت ﷺ کے خاندان بنوہاشم کے رکن تھے۔اس سے ایک طرف تو یہ تاثر ملتا ہے کہ جب قافلہ میں شریک سبھی کھاتے پیتے گھرانے کے چشم و چراغ تھے، تو کیا یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ یہ ہجرت تھی یا سفارت؟ یا خیر سگالی کا وفد۔

ہجرت کے لیے ان لوگوں کے انتخاب کی وجہ

رسول اللہ ﷺ کی تبلیغ سے غرباء و مساکین اور غلام بھی اسلام قبول کر چکے تھے، جن میں حضرت خبابؓ، حضرت بلالؓ ، حضرت صہیبؓ، اور حضرت عمارؓ جیسے لوگ شامل تھے[15]۔ قریش کے ظلم و ستم کا نشانہ نہ صرف یہی لوگ ہی تھے بلکہ بڑے بڑے خاندان والے بھی ان کے تختۂ مشق بنے ہوئے تھے لیکن مہاجرین کی فہرست میں بھی سب سے زیادہ مظلوم لوگوں کا نام نظر نہیں آتا اس لیے کہ یا تو ان تنگ دستوں کی استطاعت ہی نہ تھی کہ اتنا بڑا سفر اختیار کریں یا یہ کہ درد کی لذت سے آشنا تھے اور اس لطف کو چھوڑ نہ سکتے تھے یا نبی کریم ﷺ نے اجازت ہی مقتدر خاندان کے لوگوں کو دی تاکہ اسلامی سفارت کی صحیح ترجمانی جرأت و ہمت کے ساتھ کر سکیں۔

معلوم یہی ہوتا ہے کہ باقاعدہ ایک سفارتی وفد تشکیل دیا گیا تھا۔ جس کی اہمیت کا اندازہ آئندہ واقعات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ لوگ کسی کونے کھدرے میں چھپ کر بیٹھ نہیں رہے بلکہ درباری امراء تک رسائی حاصل کرکے اسلامی سفارت کے حقوق پورے کیے اور اپنے

اعمال اور کردار سے حبشہ کے عوام بلکہ خواص کو بھی گرویدہ بنالیا اور اپنے طور طریقوں سے تبلیغِ اسلام کی عظیم خدمت سر انجام دی۔ یہی منشائے ایزدی اور رسولِ خدا ﷺ کی مراد تھی۔

حضور ﷺ کا اشارہ پاتے ہی مسلمان خاموشی کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کر کے مکہ سے نکل پڑے۔

یہ محض حسنِ اتفاق نہیں بلکہ فضلِ ایزدی تھا کہ جب مہاجرینِ حبشہ جدہ کے قریب شعیبیہ مقام پر پہنچے تو اس وقت دو تجارتی جہاز کھڑے ہوئے تھے۔ جہاز والوں نے صرف نصف دینار فی کس کرایہ پر انہیں سوار کرلیا اور حبش تک پہنچادیا۔ قریشِ مکہ خبر پاتے ہی تعاقب میں بندرگاہ تک گئے لیکن جہاز کے لنگر اٹھ چکے تھے اور ان میں سے ایک آدمی بھی ان کے ہاتھ نہ آیا[۱۶]۔

مہاجرین کا حبشہ میں قیام اور واپسی

یہ مہاجرین تھوڑا ہی عرصہ (رجب سے شوال تک) صرف تین ماہ حبشہ ٹھہرے۔ ایک افواہ پہنچی کہ قریش نے اسلام قبول کرلیا ہے۔ یہ سن کر سب واپس لوٹ آئے۔ مگر مکہ کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ افواہ غلط تھی۔ اب سخت مشکل پیش آگئی۔ کچھ لوگ وہیں سے لوٹ گئے، کچھ چھپ کر شہر میں آئے لیکن دیر تک ان کا پوشیدہ رہنا ممکن نہ تھا[۱۷]۔

حبشہ کی جانب ہجرتِ ثانیہ

جب قریشِ مکہ کو مسلمانوں کی حبشہ سے واپسی کا پتہ چلا تو انہوں نے ان پر ظلم و اذیت کے طوفان برپا کر دیئے۔ جس سے یہ لوگ دوبارہ ہجرت پر مجبور ہوگئے لیکن اب ہجرت آسان کام نہ تھا۔ کفار کی طرف سے شدید مزاحمت ہوئی۔ پھر بھی کچھ دنوں کے بعد ایک بہت بڑا قافلہ جس میں ۸۵ مرد اور ۱۷ عورتیں شامل تھیں، حبشہ جا پہنچا اور وہیں سکونت اختیار کرلی[۱۸]۔

ہجرتِ حبشہ کا فائدہ

۱۔ طبری نے لکھا ہے کہ: "ہجرتِ حبشہ کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ ہجرتِ مدینہ سے قبل ہی اسلام لانے والوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا اور انصارِ مدینہ کی کثیر تعداد نے اسلام قبول کرلیا۔ جس سے مدینہ میں بھی اسلام کی شعائیں پھوٹ پڑیں اور انصارِ مدینہ، مکہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آنے لگے۔ اس بات کا جب قریش کو علم ہوا تو انہوں نے سختیاں کرنی شروع کردیں اور پورا زور صرف کردیا کہ انہیں اسلام قبول کرنے سے روکیں۔ ان کے لیے یہ دوسری بڑی مصیبت تھی، ایک مصیبت تو یہ کہ ان میں سے کچھ لوگ حبشہ کو ہجرت کرگئے۔

۲۔ دوسرا یہ کہ جب وہ واپس لوٹے تو اہلِ مدینہ ان کے پاس آنے لگے[19]"۔ رسول اللہ ﷺ کی یہ حکمتِ عملی تھی کہ مسلمان جہاں کہیں بھی جائیں گے، اسلام کی شعائیں ساتھ لے جائیں گے۔ جس سے اسلامی مشن کو تقویت ملے گی اور پیغامِ حق زیادہ سے زیادہ پہنچانے کا موقع حاصل ہوگا۔ اسی لیے حضور ﷺ نے دو اہم مقصد پیشِ نظر رکھ کر یہ فیصلہ فرمایا۔

سفارتی مشن کا بیرونِ ملک حبشہ میں آغاز

ان مسلمان مہاجرین میں حضرت جعفر طیارؓ بھی تھے جو حضرت علیؓ کے بڑے بھائی تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان کو نجاشی کے نام ایک مکتوبِ گرامی بھی دیا تھا۔ جس میں عالمی مشن کی دعوت بھی تھی اور مہاجرین کے ساتھ حسنِ سلوک کے برتاؤ کا ارشاد بھی تھا۔ یہ سب سے پہلا نامۂ مبارک ہے جو آپ ﷺ نے عالمی دعوت کے سلسلے میں ارسال فرمایا۔ اس کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

محمد رسول اللہ کی جانب سے نجاشی اصحم شاہِ حبش کے نام!

"تم پر سلامتی ہو۔ میں اس خدا کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو تمام عالم کا بادشاہ ہے، پاک ہے، سلامتی دینے والا ہے، امان دینے والا ہے اور محافظ ہے۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں جن کو پاک اور برائی سے محفوظ مریم بتول کی طرف اللہ نے القا کیا اور حضرت مریم، عیسیٰ علیہ السلام سے حاملہ ہو گئیں۔ پھر اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی روح اور اپنے نفخ سے اسی طرح پیدا کیا جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ اور اپنے نفخ سے پیدا کیا تھا۔ میں تم کو خدائے واحد کی طرف دعوت دیتا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں اور خدا کی فرماں برداری کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ میری پیروی اختیار کرو اور جو چیز میرے پاس آئی ہے، اس پر ایمان لاؤ۔ اس لیے کہ میں بلاشبہ اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں۔

میں اپنے چچا زاد بھائی کو دوسرے مسلمانوں کے ساتھ بھیج رہا ہوں۔ جب یہ تمہارے پاس پہنچیں تو غرور و تکبر کو ترک کر کے ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ۔ میں تم کو اور تمہاری فوج کو اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں میں نے تبلیغ اور نصیحت کا فرض انجام دے دیا۔ بس تم لوگ میری نصیحت قبول کرو۔ اس پر سلامتی ہو جس نے راہِ راست کی پیروی کی"[20]۔

گو اس مکتوب کا ذکر ان خطوط کے ساتھ کیا گیا ہے جو مدینہ منورہ میں ۶ھ میں حدیبیہ کے بعد لکھے گئے ہیں تاہم اس میں یہ فقرہ کہ میں اپنے چچا کے بیٹے جعفرؓ کو معہ دیگر لوگوں کے بھیج رہا ہوں۔ ظاہر کرتا ہے کہ یہ خط حضرت جعفرؓ کو ہجرتِ حبش کے لیے روانہ کرتے وقت دیا گیا تھا۔ ورنہ ۱۵ سال کے بعد ان کا یہاں ذکر کرنا کہ جب وہ آئے تو اس کی آؤ بھگت کرنا کچھ معنیٰ نہیں رکھتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک تعارفی خط تھا جس کے بارے میں ہم نے اسی باب کے شروع میں ذکر کیا ہے۔

قریش اور حبشہ کے تعلقات کی نوعیت

حبشہ کی سرزمین قریش کی تجارتی منڈی تھی۔ جہاں جا کر وہ تجارت کیا کرتے تھے اور اپنے لیے رزق کی فراخی حاصل کرتے تھے۔ انہیں وہاں ہر قسم کا امن و امان حاصل ہوتا تھا اور وہ بلاخوف و خطر تجارت کا کاروبار کرتے تھے[۲۱]۔

اس لیے حجازی عربوں کے تعلقات حبشہ سے بہت قدیم رہے ہیں۔ قرآن مجید میں متعدد حبشی الفاظ کا پایا جانا بھی اس سلسلے میں کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ قدیم زمانے میں چین اور ہندوستان کا تجارتی مال یمن آتا اور خشکی کے راستے حجاز اور شام سے گزر کر یورپ جاتا تھا۔ جب رومیوں اور بیزنطینیوں نے بحرِ احمر میں نقل و حمل شروع کردی تو حجازیوں کے روزگار پر خاص کر بہت اثر پڑا تھا۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ رسول کریم ﷺ کے پردادا ہاشم نے سخت جدوجہد کی اور ہمسایہ ممالک سے تجارتی کاروانوں کے لانے کی اجازت حاصل کرلی۔ ابن سعدؒ[۲۲] اور امام احمد بن حنبلؒ[۲۳] کا بیان ہے کہ قیصرِ روم نے ہاشم کو شام آنے کا پروانہ عطا کیا اور اپنے زیر اثر فرمانروائے حبش کے نام بھی ایک سفارشی خط لکھ دیا۔ ہاشم نے اپنے بھائی عبد شمس کو حبشہ بھیجا اور ان کو نجاشی نے قیصر کی سفارش کی بناء پر اس بات کا منشور عطا کیا کہ ان کا تجارتی کاروان حبشہ آیا کرے[۲۴]۔

حبشہ جانے کے دو راستے تھے۔ حجاز سے خشکی کی راہ فلسطین اور مصر ہوتے ہوئے جائیں یا بندرگاہ جدہ سے کشتیوں پر سوار ہو کر باب المندب سے ہوتے ہوئے کسی حبشی بندرگاہ میں جا اتریں۔

قرآن مجید میں سمندر کا نہایت لطیف پیرائے میں تذکرہ اور کشتیوں کے چلنے، طوفان اور خراب موسم سے دوچار ہونے اور سمندری مسافروں کے پریشان ہونے کا نفسیاتی منظر اور سب سے بڑھ کر بحری اصطلاحات وغیرہ کے طور پر بعض حبشی الفاظ کا استعمال، یہ تمام امور

بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اولین مکی و حجازی مخاطب بحری سفر اور حبشی سمندر سے کتنی گہری واقفیت رکھتے تھے۔ اگر عربی مؤرخوں پر اعتماد کیا جائے تو مکی تاجر خود نجاشی سے شخصی تعارف رکھتے تھے اور اس کے دربار میں باریاب ہوا کرتے تھے۔ شاید نبی کریم ﷺ کو بھی کبھی نبوت سے پہلے اس کا موقع پیش آیا ہو۔ اگرچہ سیرت نگار اور سوانح نویس اس بارے میں خاموش ہیں۔ لیکن جو شخص زیادہ تر اپنے تجارتی معاملات میں راست بازی کے باعث "الامین" کے قومی خطاب سے پکارا جاتا ہو۔ جس نے نہ صرف یمن اور شام کا بلکہ بروایت امام حنبلؒ(۲۵) بحرین و عمان جیسے دور دراز ممالک کا خاصا تفصیلی سفر کیا ہو۔ اس سے یہ بات عقلاً بعید نہیں معلوم ہوتی کہ وہ حبشہ بھی گیا ہو۔ جہاں اس کے ہم وطن ہر سال نہیں تو اکثر آیا جایا کرتے تھے۔

حضور ﷺ نے اپنے چچازاد بھائی حضرت جعفرؓ کو حبشہ ہجرت کر جاتے وقت جو تعارفی خط عطا فرمایا تھا اور جس میں نجاشی کو واقفانہ انداز میں لکھا تھا کہ "ان مہمانوں کا شاندار استقبال کرے" وہ بھی اس گمان کو مزید تقویت پہنچاتا ہے کہ حضور ﷺ کا اس سے قبل اپنے ہم وطنوں کے ساتھ وہاں آنا جانا تھا اور حضور ﷺ پوری پوری واقفیت رکھتے تھے۔

حبشہ میں مسلمانوں کی حیثیت

نجاشی شاہِ حبش نے حضرت جعفرؓ اور ان کے وفد کے ارکان کے ساتھ بہت فیاضانہ سلوک کیا۔ ان مہاجرین کا احترام کیا۔ یہ سب امن و عافیت کے ساتھ وہاں رہنے لگے۔

عبید اللہ بن العباس الهذلی بیان کرتے ہیں کہ:

"ہم حبشہ کی سرزمین میں پہنچ گئے تو ہمیں بہتر پڑوسی میسر آ گیا۔ ہم اپنے دین پر قائم ہو گئے اور اپنے اللہ کی عبادت کرنے لگے۔ ہمیں نہ تو وہاں ستایا جاتا تھا اور نہ ہی ہم وہاں کوئی ناشائستہ بات سنتے تھے"(۲۶)۔

یہی الفاظ ابن ہشام میں حضرت ام سلمہؓ زوجۃ النبی ﷺ سے نقل کیے گئے ہیں[۲۷]۔

نجاشی نے نہ صرف ان کو امن و تحفظ دیا بلکہ یہ بھی کہا کہ:

"تمہارا آنا میرے ملک کے لیے نیک فال ہے، تم بھی مبارک لوگ ہو اور وہ بھی مبارک ہستی ہے جس کے پاس سے تم آئے ہو"[۲۸]۔

مہاجرینِ حبشہ کے خلاف قریش کی مجلسِ مشاورت

جب مکہ میں قریش کو علم ہوا کہ مسلمان حبشہ میں امن و امان کی زندگی بسر کرنے لگے ہیں اور انہیں بہت اچھا گھر اور ٹھکانہ مل گیا ہے تو وہ بہت پیچ و تاب کھانے لگے۔ انہیں کسی طرح بھی گوارا نہ تھا کہ مسلمان کہیں بھی اطمینان کی زندگی گزار سکیں۔ سب سے زیادہ انہیں دکھ اس بات کا تھا کہ مسلمان ان کے پنجے سے نکل گئے ہیں اور اب حبش میں بڑے اطمینان سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے جلسے پہ جلسے کیے کہ کوئی ایسی تدبیر کرنی چاہیے کہ یا تو نجاشی ان کو اپنے ہاں سے نکال دے یا گرفتار کر کے ہمارے حوالے کر دے[۲۹]۔

مہاجرینِ حبشہ کی گرفتاری کے لیے وفد کا تقرر

آخر مسلمانوں کو دوبارہ اپنے قبضے میں لانے کے لیے شاہِ حبش کے دربار میں ایک سفارت بھیجنے کی تجویز پاس کی گئی۔ چنانچہ اس طے شدہ تجویز کے مطابق قریش نے عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص کو جو قوم میں اپنی معاملہ فہمی، ہوشیاری اور جوڑ توڑ کے لحاظ سے ممتاز تھے، نجاشی کے پاس سفارت کے فرائض سر انجام دینے کے لیے انتخاب کیا۔ وہ دونوں نجاشی اور اس کے دربار کے لیے قیمتی اور گراں بار تحائف لے کر نہایت شان و شوکت کے ساتھ حبش کو روانہ ہوئے[۳۰]۔

فراست و دانائی کے مالک تھے۔ وہ بالکل بھولے بھالے بے وقوف نہ تھے، وہ دور رس نگاہ رکھتے تھے اور پیغامِ نبوت کی اندرونی قوت و زور اور اس کے پھیلنے کی بے پناہ فطری طاقت کو خوب سمجھتے تھے۔ وہ مکہ کے اندر دیکھ چکے تھے کہ ان کی ہزار مخالفتوں اور شدید سے شدید آزار و ستم کے باوجود اسلام کس طرح دلوں میں گھر کرتا اور پھیلتا جارہا ہے۔ انہیں خوف صرف یہ تھا کہ کہیں حبشہ میں اسلام پھیل کر ایسی منظم طاقت نہ بن جائے جس کی ایک ہی یورش ان کے اقتدار کی کمر توڑ کر رکھ دے۔ دراصل یہی خطرہ قریش کے وفد کو حبشے تک لے گیا تھا۔ محض آزار و ستم کی جدت طرازیوں کا شوق پورا کرنا مقصود نہ تھا۔ کیونکہ انہیں علم تھا کہ جو شخص اسلام لے کر جہاں جاتا وہاں اسلام کی شعائیں خود بخود پھیلتی تھیں۔

سفراءِ قریش کے خصائل

قریشِ مکہ نے جن سفیروں کا نجاشی کے دربار میں بھیجنے کا انتخاب کیا، وہ مالی لحاظ سے بھی خاصے آسودہ تھے اور ان کا تجارتی کاروبار بڑے وسیع پیمانے پر تھا۔

۱۔ سفیرِ قریش عمرو بن العاص

عمرو بن العاصؓ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"عمرو بن العاص نے اپنی دولت کا بڑا حصہ تجارت سے پیدا کیا تھا اور چمڑا اور خوشبویات بیچتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے تحائف میں قیمتی چمڑا رکھا تھا"[(۳۱)]۔

محمد فرج مصری نے عمرو بن العاص کی سیاسی اور ذہنی بصیرت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے کہ:

"شجاعت، بے خوفی، ہمت و استقلال، علم و حکمت، عقل مندی، وفاداری کی جو صفات عمرو بن العاص میں جمع تھیں، وہ مشاہیرِ عالم میں سے بہت کم لوگوں کے حصہ میں آئی ہیں۔ وہ یکتائے زمانہ انسان تھے۔ اپنی قوم میں جو مرتبہ انہیں حاصل تھا اور کسی کو حاصل

نہ تھا، سرزمینِ عرب کو ان پر فخر تھا۔ وہ منجملہ ان ستونوں کے تھے جن پر عرب سیاست کی عمارت قائم تھی اور اس ستون کے ٹوٹنے سے عرب سیاست کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا"[۳۲]۔

عمرو بن العاص کا انتخاب ہر لحاظ سے موزوں تھا

محمد فرج نے لکھا ہے کہ عمرو بن العاص کا انتخاب قریشِ مکہ کی اعلیٰ بصیرت کا مظہر تھا۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

"مسلمانوں کو حبشہ سے واپس لانا اس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک نجاشی انہیں اپنے ملک سے نکالنے پر آمادہ نہ ہوجاتا۔ نجاشی کو اپنے ڈھب پر لانے کے لیے ایک ایسے آدمی کی ضرورت تھی جس کا عقل مندی، دور اندیشی اور حُسنِ تدبیر میں جواب نہ ہو۔ اس غرض کے لیے قریش کو عمرو بن العاص سے بہتر آدمی ملنا مشکل تھا۔ چنانچہ اس کام کی بجا آوری انہی کے سپرد کی گئی"[۳۳]۔

محمد فرج مزید لکھتے ہیں کہ:

"عمرو بن العاص مضبوط جسم اور زبردست عقل و خِرد کے مالک تھے۔ مشکلات اور مصائب پر قابو پانے میں انہیں کمال حاصل تھا۔ ان کا عزم و ارادہ پہاڑ کی مانند تھا وہ بہت بہادر تھے۔ میدانِ جنگ میں دشمن کے مقابلے میں وہ جو تدبیر بھی اختیار کرتے تھے بڑے غور و فکر کے بعد اختیار کرتے تھے۔ دینی امور کی انجام دہی اور عبادات کی ادائیگی میں بہت کم لوگ ان کے ہم پلہ تھے، وہ پاک دامن اور شریف النفس انسان تھے۔ اپنے قبیلے میں ان جیسا فہیم اور عاقل انسان اور کوئی نہ تھا"[۳۴]۔

۲۔ سفیرِ قریش عبداللہ بن ابی ربیعہ

قریش کے دوسرے سفیر عبداللہ بن ابی ربیعہ تھے۔ وہ بھی کسی طرح عمرو بن العاص سے کم نہ تھے۔ وہ اتنے دولت مند تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے ایک مرتبہ چالیس

ہزار درہم قرض لیا تھا اور اس کو ادا کرتے وقت ان کے اہل و عیال اور مال و دولت میں برکت کی دعا کی تھی اور فرمایا تھا کہ: ''قرض کا بدلہ، اس کی ادائیگی اور حمد و تشکر ہے''(۳۵)۔

زمانہ جاہلیت میں معمول تھا کہ ایک سال پورا خاندانِ قریش چندہ کر کے خانہ کعبہ پر غلاف چڑھاتا تھا اور ایک سال عبداللہ تنہا اپنے خرچ سے یہ خدمت انجام دیتے تھے۔ اس سے ان کا لقب ''عدل'' ہو گیا تھا کیونکہ وہ تنہا قریش کی برابری کرتے تھے۔ وہ بڑے تاجر تھے۔ ان کی تجارت یمن میں ہوتی تھی(۳۶)۔

سفراءِ قریش کی سفارتی مہم

قریش کے سفیر، پہنچتے ہی سب سے پہلے دربار کے امراء کو ہمنوا اور اپنا حمایتی بنانے کے لیے درباریوں سے ملے اور پادریوں سے ملاقاتیں کیں۔ تحائف اور نذریں پیش کیں اور کہا کہ:

''ہمارے شہر کے چند نادانوں نے ایک نیا مذہب اختیار کر لیا ہے جس کی بنا پر ہم نے جو انہیں سخت پکڑا تو وہ آپ کے ملک میں بھاگ کر آگئے۔ یہ فسادی لوگ ہیں، ان کو اپنی قلمرو میں ٹھہرنے کی اجازت نہ دو۔ بلکہ ان کو ہمارے سپرد کر دو۔ کل ہم شاہِ حبش کے سامنے ان کے اخراج کے متعلق جو درخواست پیش کرنے والے ہیں۔ آپ اس میں ہماری تائید کریں کہ ان لوگوں کو بغیر کسی گفتگو اور بات چیت کے ہمارے حوالے کر دے''(۳۷)۔

حبشہ میں مہاجرین کی سرگرمیاں

دوسرے روز قریش کے سفیر نجاشی کے دربار میں باریاب ہوئے اور قیمتی تحائف اور نذرانے پیش کیے۔ پھر اپنی غرض بیان کی کہ مکہ کے رؤساء اور اشراف نے ہم کو آپ کی خدمت میں اس لیے بھیجا ہے کہ ہمارے آدمی ہمارے حوالے کر دیئے جائیں۔

امراء دربار اور پادریوں کو تو پہلے ہی ہموار کرلیا گیا تھا۔ ان سب نے ان سفیروں کی پر زور تائید کی۔ عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو بہت گراں تھا کہ شاہِ حبش صحابہؓ کو بلا کر ان سے کچھ دریافت کرے یا ان کی کسی بات کو سنے۔ کیونکہ وہ یہ خوب سمجھتے تھے کہ: "حق ان کی زبان سے نکلا اور ادھر دل میں اترا"(۳۸)۔ چنانچہ جس بات کا انہیں اندیشہ تھا، وہی ہوئی:

"نجاشی غضب ناک ہوگیا اور اس نے یکطرفہ دعوے پر کارروائی کرنے سے انکار کردیا اور صاف کہہ دیا کہ ان لوگوں سے دریافت احوال کیے بغیر میں ان کو تمہارے حوالے نہیں کرسکتا"۔

اس نے ایک قاصد صحابہؓ کو بلانے کے لیے روانہ کیا۔ قاصد بادشاہ کا پیغام لے کر پہنچا تو صحابہؓ نے مشورہ کیا کہ بادشاہ عیسائی ہے اور ہم مسلمان، ہم دربار میں جا کر کیا کہیں گے۔ سب نے فیصلہ کیا: "نقول واللہ ما علمنا ومماامرنا بہ نبینا صلی اللہ علیہ وسلم کائنا فی ذلک ماھو کائن"(۳۹)۔ (ہم دربار میں وہی کہیں گے جو کچھ ہمارے نبی ﷺ نے ہم کو سکھایا ہے اور جو ہمیں حکم دیا ہے اور اس میں سرِ مو فرق نہیں لائیں گے جو ہو سو ہو۔

سفیرانِ اسلام کی نجاشی کے دربار میں گفتگو

سفیرانِ اسلام نے شاہِ حبش کے دربار میں پہنچ کر مقررہ آداب کے مطابق نجاشی کو سجدہ نہ کیا اور صرف سلام پر اکتفا کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ:

"بادشاہ نے پوچھا تم نے سجدہ کیوں نہیں کیا۔ حضرت جعفرؓ نے پوری جرأت سے جواب دیا کہ ہم لوگ سوائے اللہ کے کسی کو سجدہ نہیں کرتے اور خود رسول اللہ ﷺ کو بھی سیدھے سادھے طریق سے سلام ہی کہتے ہیں اور آپس میں بھی ایک دوسرے کو اسی طرح سلام کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ہم کو خبر دی ہے کہ اہلِ جنت بھی اسی طرح ایک

دوسرے کو سلام کریں گے۔ اگر ہم تجھ کو سجدہ کریں تو تم کو اللہ کے برابر گردانیں"[۴۰]۔

غور کیجئے کن نازک حالات میں سچی توحید کا یہ انقلابی مظاہرہ کیا جارہا تھا۔ حریف جس طاقت کے سامنے چاپلوسی کر رہے تھے۔ یہ لوگ اس کے روبرو اصول پسندانہ خودداری کا رنگ دکھا رہے تھے۔

اب سفارت قریش نے اپنا مدعا پیش کیا کہ یہ مہاجرین ہمارے بھگوڑے مجرم ہیں، انہوں نے ایک نیا دین گھڑ لیا ہے اور ایک تخریبی طوفان برپا کیا ہوا ہے۔ اس لیے ان کو ہمارے حوالے کیا جائے۔ نجاشی نے مسلمانوں سے دریافت کیا کہ عیسائیت اور بت پرستی کے سوا وہ کون سا دین ہے جو تم نے اختیار کیا ہے۔ مسلمانوں کی طرف سے حضرت جعفرؓ اٹھے اور بادشاہ سے اجازت طلب کی کہ آپ کی وساطت سے چند سوالات پوچھنا چاہتا ہوں۔ شاہ نے اجازت دی تو آپؓ یوں گویا ہوئے۔

جعفرؓ: کیا ہم کسی کے غلام ہیں جو آقا سے بھاگ کر آئے ہیں۔ اگر ایسا ہو تو ہمیں واپس کیا جانا چاہیئے۔

عمرو بن العاص: نہیں۔ یہ لوگ کسی کے غلام نہیں۔ آزاد شرفاء ہیں۔

جعفرؓ: کیا ہم کسی کو ناحق قتل کر کے آئے ہیں؟ اگر ایسا ہو تو ہمیں مقتول کے وارثوں کے سپرد کر دیں۔

عمرو بن العاص: نہیں۔ انہوں نے خون کا ایک قطرہ بھی نہیں بہایا۔

جعفرؓ: کیا ہم کسی کا مال لے کر بھاگے ہیں؟ اگر ایسا ہو تو اس کی ادائیگی کرنے کو تیار ہیں۔

عمرو بن العاص: نہیں۔ ان کے ذمے کسی کا ایک دھیلہ بھی نہیں[۴۱]۔

اس جرح سے جب مسلمانوں کی اخلاقی پوزیشن پوری طرح صاف ہو گئی تو حضرت جعفرؓ نے تقریر کی۔

نجاشی کے دربار میں سفیرِ اسلام حضرت جعفرؓ کی تقریر

"اے بادشاہ! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے، بت پوجتے تھے۔ مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، ہمسایوں کو ستاتے تھے، بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا، قوی لوگ کمزوروں کو کھاجایا کرتے تھے۔ اسی اثنا میں اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل فرمایا اور ہم میں سے اپنا ایک رسول بھیجا۔ جس کی شرافت، سچائی اور دیانت سے ہم لوگ پہلے سے آگاہ تھے۔ اس نے ہم کو اسلام کی دعوت دی اور ہدایت کی کہ ہم بتوں کی پوجا چھوڑدیں، سچ بولیں، کسی کا خون نہ بہائیں۔ یتیموں کا مال نہ کھائیں، ہمسایوں کو تنگ نہ کریں، پاک دامن عورتوں کو بدنام نہ کریں، نماز پڑھیں، روزے رکھیں، زکوٰۃ ادا کریں۔

ہم اس پر ایمان لے آئے۔ شرک اور بت پرستی چھوڑدی اور تمام برے کاموں سے باز آئے۔ اس جرم میں ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہوگئی اور ہم کو مجبور کرتی ہے کہ ہم پھر اسی گمراہی میں لوٹ آئیں اور ان مکارم اخلاق کو چھوڑ کر گزشتہ بے حیائیوں میں پھر مبتلا ہوجائیں۔ جب ہم ان کے مظالم سے تنگ آگئے اور اپنے دین پر چلنا اور ایک خدا کی عبادت اور بندگی کرنا دشوار ہوگیا، تب ہم نے اپنا وطن چھوڑا اور اس امید پر کہ آپ ظلم نہ کریں گے، آپ کی ہمسائیگی کو سب پر ترجیح دی۔ اگر ہماری قوم ہم کو وطن میں رہنے دیتی تو ہم نہ نکلتے۔ یہ ہے ہمارا اصل قصہ"۔

سفیر اسلام کی تقریر کا نجاشی پر اثر

بات سچی ہو اور کہنے والا دلی جذبات کے ساتھ اسے کہے تو یقیناً اس کا اثر ہوتا ہے۔ اس صاف اور سادہ مگر جوشِ صداقت سے لبریز تقریر نے نجاشی کو مسحور کرلیا، لیکن اس نے خاموشی اختیار کی اور چند لمحوں کے توقف کے بعد بولا:

"اچھا جو کلام تمہارے نبی پر اترا ہے اس میں سے کچھ حصہ مجھے بھی سناؤ"[۴۲]

حضرت جعفرؓ نے نہایت ہوشمندی سے کام لے کر سورۃ مریم کی چند آیات پڑھیں۔ آیات الٰہی کو سن کر بادشاہ کے دل پر رقت طاری ہو گئی۔ اور آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے، روتے روتے بادشاہ کی ڈاڑھی تر ہو گئی، وہ بے اختیار پکار اٹھا:

ان هذا والذی جاء به عیسیٰ لیخرج من مشکوٰة واحدة"[۴۳].

(خدا کی قسم! یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کی روشنیاں ہیں۔) بلکہ اس پر مستزاد یہ کہا کہ:

"مرحبا بکم و بمن جئتم من عنده اشهد انه رسول الله و انه الذی بشّر به عیسیٰ ولولا ماانا فیه من الملک لاتیته حتیٰ اقبل نعلیه"[۴۴].

(تمہارا آنا مبارک ہو اور اس کے لیے بھی جس کے پاس سے تم آئے ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہی پیغمبر ہیں جن کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہے اور اگر یہ سلطنت کا کام نہ ہوتا تو میں ضرور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوتوں کو بوسہ دیتا)۔

سفیرانِ قریش کی ناکامی

نجاشی بادشاہ نے قریش کے وفد سے صاف طور پر کہہ دیا کہ میں ان پاک بازوں کو واپس کر کے ظالموں کے ظلم و ستم کا شکار ہرگز ہرگز نہ بننے دوں گا[۴۵]۔ اور ان لوگوں کو ہرگز تمہارے سپرد نہ کروں گا۔ کاروائی ختم ہو گئی اور قریش کی سفارت ناکام لوٹی۔ بعد میں ان لوگوں نے پھر آپس میں مشورہ کیا کہ ایک کوشش اور کی جانی چاہیے۔ نجاشی عیسائی ہے اور اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مسلمانوں کا عقیدہ دربار میں ظاہر کر دیا جائے تو ممکن ہے شاہ میں مذہبی تعصب ابھر آئے اور وہ ناراض ہو کر مسلمانوں کو باہر نکال دے۔

سفیرانِ قریش کی دوبارہ ناکامی

دوسرے دن عمرو بن العاص پھر دربار میں پہنچے اور نجاشی کے کان بھرنے کے لیے یہ

جھوٹا پراپیگنڈہ کیا کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بہت ہی سخت بات کہتے ہیں۔

نجاشی نے صحابہؓ کو پھر طلب کرلیا۔ ان کو جب صورتِ حال کا علم ہوا تو وہ بہت گھبرائے کہ نہ جانے عیسیٰ علیہ السلام کو "اللہ کا بیٹا" ظاہر نہ کرنے پر نجاشی کا کیا ردِ عمل ہوگا۔ لیکن سب نے متفقہ فیصلہ کیا کہ خدا کی قسم ہم وہی کہیں گے جو اللہ نے اور اس کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے:

حضرت جعفرؓ نے اپنی تقریر میں کہا کہ: "ہمارے پیغمبر علیہ السلام نے بتایا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور خدا کی خاص روح اور خدا کا خاص کلمہ ہیں۔"

نجاشی نے زمین پر سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا۔ خدا کی قسم! جو تم نے کہا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں ہیں۔ اس پر درباریوں نے بہت ناگواری کا اظہار کیا۔ مگر نجاشی نے بالکل پروانہ کی اور مسلمانوں سے کہا کہ تم امن سے رہو۔ ایک سونے کا پہاڑ لے کر بھی ہم تم کو ستانا پسند نہیں کرتے،[۴۶] اس نے حکم دیا کہ:

"مجھے سونے کا گھر بنانے کی خواہش نہیں ہے۔ ان لوگوں کے تحفے واپس کردو۔ کیونکہ مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کی قسم! جب اللہ نے مجھے میرا ملک واپس کرتے ہوئے مجھ سے رشوت نہیں لی تو میں رشوت کیوں لوں"[۴۷]۔

وقال النجاشی لعمرو وعبدالله: "لواعطیتمونی دبراً من ذهب (یعنی جبلة من ذهب) ماسلمتهم الیکما.ثم امر فردت علیهما هدایا هما و رجعابشر خیبة[۴۸].

(نجاشی نے عمرو اور عبداللہ سے کہا: اگر تم مجھے سونے کی پہاڑی بھی دے دو، تو بھی میں ان دونوں کو تمہیں واپس نہیں لوٹاؤں گا۔ پھر اس نے ان کے تحائف واپس لوٹا دینے کا حکم دیا اور وہ دونوں بُری طرح ناکام واپس لوٹے)۔

دربار ختم ہوا اور مسلمان بہت شاداں وفرحاں اور قریش کا وفد ذلت و ندامت کے ساتھ نکلا[۴۹]۔

ہجرت کے لیے حبشہ کو منتخب کرنے کی وجوہات

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہی کیوں ہجرت کی۔ آخر دوسرے ملک بھی تو تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ:

۱۔ حبشہ کا دارالسلطنت "AXUM" (اکسوم) تھا۔ یہ ایک آزاد اور خود مختار حکومت تھی جو کسی غیر ملکی حکومت کے تابع نہ تھی اور نہ کسی کو خراج اور ٹیکس وغیرہ دیتی تھی۔ بازنطینی شہنشاہی سے اس کا تعلق صرف مذہبی رشتۂ عیسائیت کی بناء پر تھا۔ اس کا ثبوت صاف طور پر اس سے ملتا ہے کہ بازنطینی فرماں روا جیسٹیٹین نے تیسری صدی کے وسط میں "JULIAN" نامی ایک شخص کو حبش کے دربار شاہی میں اپنا سفیر نامزد کیا[۵۰]۔

۲۔ یہ وہ ملک تھا جہاں کے متعلق رسول اللہ ﷺ کو علم تھا کہ وہاں کا بادشاہ نجاشی نیک اور صلح ہے۔ اس کی بادشاہت عدل و انصاف پر قائم ہے۔ کسی پر ظلم نہیں ہوتا اور وہ حکومت عیسائیت کی مذہبی بنیادوں پر چل رہی ہے۔ اس لیے وہاں امن و سکون کے ساتھ رہنے کے مواقع زیادہ ہیں۔ رزق کی فراوانی ہے اور پھر وہاں قریش کی تجارت بہت بڑھی ہوئی تھی۔ لوگ واقف تھے اور اس جگہ کو پسند کرتے تھے۔

۳۔ تاریخ حضارۃ العرب میں ہے:

"ولذلک امکن محمدا أن یواصل دعوته وان یزید عدداصحابه من غیران یصیبه اذی کبیرثم هاجر هؤلاء الاصحاب الی الحبشة". (اور اسی لیے محمد ﷺ نے ارادہ کیا کہ وہ اپنی دعوت کو عام کردے اور یہ کہ تکالیف و مصائب کا سامنا کیے بغیر اس کے ساتھیوں کی تعداد بڑھتی رہے، پھر ان کے ساتھیوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔)

۴۔ حبشہ کو ہجرت کی ایک غرض یہ بھی تھی کہ جو شخص اسلام لے کر جہاں جاتا وہاں اسلام کی شعائیں خود بخود پھیلتی تھیں۔

۵۔ ابن ہشام نے ذکر کیا ہے کہ: رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ امکان بھی تھا کہ شاید

یہی علاقہ دارالھجرۃ بننے کے لیے موزوں ہے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے اس ملک کے بارے میں فرمایا: "ھی ارض صدق"[۵۱]۔ (وہ راستی کی سرزمین ہے)۔

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ شاید رسول اللہ ﷺ اس علاقے کو اس سے پہلے دیکھ چکے تھے۔

۶۔ ابن ہشام، طبری، ابن سعد وغیرہ کی سیرت کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ بارہ سال کی عمر میں رسول اللہ ﷺ اپنے چچا کے ساتھ ایک کاروان کی معیت میں بصریٰ تک گئے[۵۲]، جو شمالی فلسطین ہے۔ پھر پچیس سال کی عمر میں خود بھی مال تجارت لے کر وہاں گئے[۵۳]۔ بعض حوالوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کم از کم دو مرتبہ یمن اور ایک مرتبہ بحرین وعمان بھی ضرور تشریف لے گئے تھے[۵۴]۔

اگر وہ خط صحیح ہے جو اپنے مندرجات کے مطابق آنحضرت ﷺ نے اپنے چچازاد بھائی کو ترک وطن کرکے حبش جاتے وقت بطور تعارف دیا تھا اور جس میں نجاشی سے نہایت واقفانہ اور بے تکلفانہ انداز میں ان تارکین وطن کی مہمان نوازی کی خواہش کی گئی تھی تو شاید یہ گمان بے جا نہ ہو کہ آنحضرت ﷺ نجاشی سے پہلے ہی سے تعارف رکھتے تھے۔ ممکن ہے کہ تجارتی سفر کے سلسلے میں آپ ﷺ فلسطین سے خشکی کی راہ مصر اور وہاں سے حبش تشریف لے گئے ہوں۔

طبری نے لکھا ہے کہ عمرو بن العاص وغیرہ متعدد مکی تاجروں کا بیان ہے کہ نجاشی سے ان کی شخصی ملاقاتیں بھی ہوئی تھیں۔ ممکن ہے آنحضرت ﷺ سے بھی قبل نبوت ایسا کوئی واقعہ پیش آیا ہو اور آپ بحری راہ سے یمن ہو کر واپس ہوئے ہوں[۵۵]۔

احادیث میں آنحضرت ﷺ کی زبان سے گفتگو کے دوران میں بعض حبشی الفاظ کا مروی ہونا بھی اس کی تائید کرتا ہے۔

منٹگمری واٹ نے لکھا ہے کہ:

(۱) رسول اللہ ﷺ نے اجازت ہی ایسے لوگوں کو دی جن کے قوی ایمان اور راسخ العقیدہ

ہونے کا پختہ یقین تھا اور وہ ہر قسم کے ظلم و ستم اور آزمائش کی وجہ سے ایمان اور اسلام کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھیں گے اور ان کی ہجرت دوسروں کے لیے اعلیٰ مثال ہوگی اور مسلمانوں کے لیے نمونہ[۵۶]۔

(۲) دوسری بات یہ لکھی ہے کہ ممکن ہے۔ بقول ابن اسحاق ہر مسلمان کے لیے مکہ میں تجارت کے دروازے بند کردیے گئے تھے تو تجارت پیش نظر ہو، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی نگاہ میں تجارت کی نسبت عقیدے کی اشاعت زیادہ ضروری تھی تو یقیناً ان کی ہجرت دعوت و تبلیغ اسلام کے سلسلے کی ایک کڑی تھی[۵۷]۔

نجاشی کے لیے دعائے مغفرت

نبی کریم ﷺ نے نجاشی کے اس فیاضانہ سلوک کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ سنہ ۹ھ میں حضور ﷺ نے نجاشی کے انتقال کی خبر کا اعلان کیا کہ:

"مسلمانو! آج تمہارے پاکباز بھائی نجاشی نے انتقال کیا۔ اس کے لیے مغفرت کی دعا مانگو"[۵۸]۔ اس کے بعد خود حضور ﷺ نے اس کے جنازہ کی غائبانہ نماز پڑھی۔ یہ واقع تبوک سے واپسی پر ۹ھ میں پیش آیا تھا۔

جذبۂ احسان مندی کا صلہ

حبشہ سے ہمیشہ مسلمانوں کو جذباتی لگاؤ رہا ہے۔ مسلمانوں نے صحرائے افریقہ کے ایک ایک گوشے میں اپنی حکومتیں قائم کردیں۔ مگر اپنے بالکل قریب کے ملک حبشہ کو کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ چونکہ وہاں مہاجرین صحابہؓ کی ایک چھوٹی سی جماعت کو آغاز اسلام ہی میں گوشہ عافیت نصیب ہوا تھا۔ لہذا مسلمانوں نے اس جذبہ احسان مندی کا صلہ یہ دیا کہ اُن کے کسی فاتح لشکر نے تاریخ کے طویل دور میں کبھی حبشہ کا رخ نہیں کیا۔ حالانکہ حبشہ چاروں طرف سے مسلم حکومتوں میں گھرا ہوا ہے مگر مسلمانوں نے تاریخِ اخلاق کے اس واقع کو کبھی

فراموش نہیں کیا بلکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ:

''جب تک اہل حبشہ جارح اقدام نہ کریں۔ ان پر نہ تو حملہ کیا جائے اور نہ کسی قسم کا تعرض کیا جائے''(۵۹)۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ اقدام پوری دنیا کے لیے چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔ ڈپلومیسی کی یہ ایک اعلیٰ مثال ہے جو موجودہ دور کے بلند بانگ دعویٰ کرنے والوں کے لیے باعثِ عبرت ہے۔

مہاجرین کی حبشہ سے واپسی

مکے میں بعض عجیب حالات میں عارضی طور سے چند دن کے لیے یہ مشہور ہوا کہ قریش کو نبی کریم ﷺ سے اب کوئی پرخاش نہیں رہی، تو فوراً حبشہ سے بہت سے مہاجرین وطن واپس آ گئے لیکن صحیح صورت حال واضح ہو جانے کے بعد یہ لوگ اور بعض دیگر مکی مسلمان حبشہ واپس چلے گئے اور وہ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ کو ہجرت کر جانے تک وہاں رہے (۶۰)۔

اس کے بعد کئی سال تک کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ نبی کریم ﷺ مکہ کے لوگوں کے سلوک سے دل برداشتہ ہو کر مدینہ ہجرت کر جاتے ہیں اور مقامی اور مضافاتی قبائل سے سمجھوتہ کر کے اپنے اقتدار کو مستحکم کرتے ہیں اور پھر قریش پر جن کے تجارتی کاروان مسلمانوں کے زیر اثر علاقے سے گزر کر شام جاتے تھے، معاشی دباؤ ڈالتے ہیں اور نتیجتاً بدر و خندق وغیرہ کی جنگ ہوتی ہے۔ جس میں قریش کو بری طرح شکست ہوتی ہے تو قریش کی ایک اور سفارت حبشہ جاتی ہے اور موقع دیکھ کر چاہتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے خلاف غصہ مہاجرین حبشہ پر اتاریں، حضور ﷺ کو اطلاع ہوتی ہے تو عمرو بن امیہ ضمری کو سفیر بنا کر حبشہ بھیجتے ہیں (۶۱)۔

نجاشی نے فتح بدر پر اپنی مسرت کا بھی اظہار کیا (۶۲)۔ اور قریش کو اس دفعہ بھی ناکامی ہوئی (۶۳)۔

مملکت اسلامیہ کی عام ترقی کے دیکھتے اب اس بات کی ضرورت نہیں رہی تھی کہ مسلمان غیر ممالک میں پناہ لیتے ہیں - اس لیے سنہ ٦ ھ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سفیر حبشہ بھیجا کہ ان مہاجرین کو مدینہ لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش پر نجاشی نے مہاجرین میں سے ایک نوجوان بیوہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غائبانہ عقد بھی کرادیا تھا۔ انہیں بھی ساتھ لے جانا مقصود تھا۔ نجاشی نے دھوم دھام سے مسلمانوں کو رخصت کیا اور انہیں تحفے تحائف دے کر اپنے جہازوں میں مدینہ روانہ کیا[٦٤]۔

نجاشی نے کئی کشتیاں اور بھی ساتھ کیں جن میں اس کا بیٹا اور بہت سے حبشی تھے جن سے منشاء نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوستانہ سلام پہنچانا تھا۔ اس نے ایک تفصیلی خط بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں لکھا تھا[٦٥]۔

یہ وفد حبشہ سے چلا۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ یہ سب کشتیاں ڈوب گئیں لیکن بعض کا خیال ہے کہ ان میں سے چند سلامت رہیں۔ جب یہ سفارت مدینہ آئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفورِ اخلاق سے ان کی خود خدمت کرتے رہے[٦٦]۔ یہ حبشی سپاہی بعض جنگوں میں مسلمانوں کے ساتھ شریک بھی رہے۔

علامہ سمعودی نے لکھا ہے کہ:

"نجاشی کے بیٹے نے حضرت علیؓ سے بھائی چارہ قائم کرلیا تھا اور حبشہ واپس جا کر تخت نشین ہونے سے انکار کردیا"[٦٧]۔

حوالہ جات

١- الیعقوبی، احمد بن ابی یعقوب، تاریخ الیعقوبی، مطبع دار البیروت، ١٩٦٠ء، ج ٢، ص ٣٨

٢- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ٢، ص ٦٦

٣ تا ٤- ایضاً، ج ١، ص ٢٨٩، ٣٤٤

۵- الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ۲، ص ۲۲۲

۶- ابن الاثیر الجزری، ابوالحسن علی ابن ابی الکرم، تاریخ الکامل، القاہرہ، ۱۲۹۰ھ، ج ۲، ص ۳۰

۷- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۰۴

۸- علی علاؤالدین المتقی بن حسام الدین، کنزالعمال فی سنن الاقوال والافعال، مطبع دائرہ المعارف النظامیہ، حیدر آباد ۱۳۱۴ھ، ج ۸، ص ۳۳۴ (کتاب الہجرتین)

۹- الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ۲، ص ۲۲۲

۱۰- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۱، ص ۳۴۳

۱۱ تا ۱۲- الحلبی، علی بن برہان الدین، السیرۃ الحلبیتہ، ج ۱، ص ۳۵۳ (ابن ہشام نے ان کو شامل نہیں کیا ہے۔)

۱۳- ابن سیدالناس، عیون الاثر، ج ۱، ص ۱۱۵

۱۴- الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ۲، ص ۲۲۲

۱۵- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۱، ص ۲۷۱-۲۷۹

۱۶ تا ۱۷- الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ۲، ص ۲۲۱، ۲۲۷: عیون الاثر، ج ۱، ص ۱۱۶

۱۸- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۱، ص ۳۴۳

۱۹- الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ۲، ص ۲۴۰

۲۰- القلقشندی ابوالعباس احمد، کتاب صبح الاعشٰی، المطبعتہ الامیریہ القاہرہ، ۱۳۳۳ھ، ج ۶، ص ۳۷۹

۲۱- الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ۲، ص ۲۲۱

۲۲- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۴۳-۴۵

۲۳- احمد بن حنبل، مسند، قاہرہ دار صادر بیروت ۱۳۱۳ھ، ج ۱، ص ۲۰۲

۲۴- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۷۸

۲۵- احمد بن حنبل، مسند، ج ۴، ص ۳۰۶: الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ۲، ص ۱۹۷

۲۶- الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ۱، ص ۲۲۱

۲۷- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۱، ص ۳۵۸

۲۸- الفاسی، محمد بن سلیمان، جمع الفوائد و مجمع الزوائد، ج ۲، ص ۴۷

٢٩ تا ٣٠- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ١، ص ٣٥٦

٣١- الکندی، ابو عمر محمد بن یوسف، کتاب الولاۃ و کتاب القضاء مطبع الآبا، بیروت ١٩٠٨ء، ص ٧

٣٢ تا ٣٤- فرج محمد مصری، عمرو بن العاص، مطبوعہ دار الفکر عربی قاہرہ، ١٩٦٠ء، (باب العادات والخصائل)

٣٥- نسائی، باب الاستقراض، کتاب البیوع، ج ٢، ص ٢٣٢

٣٦ تا ٣٧- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ١، ص ٢٥، ٣٥٨

٣٨ تا ٣٩- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ١، ص ٣٥٨، ٣٥٩: السیرۃ الحلبیۃ، ج ١، ص ٣٨٦

٤٠- ابن سید الناس، عیون الاثر، بمکتبہ القدس القاہرہ، ١٣٥٦ھ، ص ١١٨، ١١٩

٤١- الاصفہانی، ابی نعیم احمد بن عبد اللہ، دلائل النبوۃ، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد ١٩٥٠ء، ج ١، ص ١٩٧

٤٢- ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ١، ص ٣٥٩

٤٣- ابی نعیم احمد بن عبد اللہ، دلائل النبوۃ، ج ١، ص ٢٠٣

٤٤- الفاسی، محمد بن سلیمان، جمع الفوائد من جامع الاصول و مجمع الزوائد، ج ٢، ص ٤٧

٤٥- احمد بن حنبل، مسند، ج ١، ص ٢٠١، ٢٠٣

٤٦ تا ٤٨- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ١، ص ٣٦١، ٣٦٢

٤٩- احمد بن حنبل، مسند، ج ١، ص ٢٠١، ٢٠٣

٥٠- (A.H.M. JONES & ELIZABETH MONROE,A HISTORY OF ABYSSINIA (OXFORD. 1935)

٥١- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ١، ص ٣٤٤

٥٢- الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ٢، ص ١٩٤

٥٣- ابن سید الناس، عیون الاثر، ج ١، ص ٤٧

٥٤- احمد بن حنبل، مسند، ج ٤، ص ٣٠٦

٥٥- الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ٣، ص ١٠٣

٥٦ تا ٥٧- Watt. W. Montgomery, Mohammad at Mecca, Oxford Clarenden Press, 1960. P. 114 - 115.

٥٨-

٥٩-

٦٠-

٦١-

٦٢-

٦٣-

٦٤-

٦٥-

٦٦-

٦٧-

۵۸- البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، ج ۱، ص ۵۴۷، (باب موت النجاشی)

۵۹- احمد بن حنبل، مسند، قاہرہ ۱۳۱۳ھ، ج ۵، ص ۳۷۱

۶۰- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۳

۶۱- الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ۳، ص ۱۰۳

۶۲- ابوالفداء، اسماعیل ابن عمر بن کثیر، البدایۃ والنہایہ، ج ۳، ص ۳۰۷

۶۳- الطبری، ج ۳، ص ۱۰۳

۶۴- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۵۹: الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ۳، ص ۸۹

۶۵- تفصیل کے لیے ساتواں باب ملاحظہ ہو۔

۶۶- شفا قاضی عیاض بسند متصل، بحوالہ بیہقی،

۶۷- ڈاکٹر حمید اللہ، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۱۱۳

پانچواں باب

* ہجرت مدینہ
* سفارتی مشن میں وسعت
* مرکز اسلام کی تبدیلی کا فیصلہ
* ہجرت کے لیے مدینہ کے انتخاب کی وجوہات
* ہجرت کے اثرات
* میثاق مدینہ اور اس کی سیاسی و سفارتی اہمیت
* اسلامی ریاست کا قیام
* رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نظام خبر رسانی

پانچواں باب

ہجرتِ مدینہ

سفارتی مشن میں وسعت

مہاجرینِ حبشہ نے نبی کریم ﷺ کے سفارتی مشن کو آگے بڑھایا اور تبلیغی فرائض انجام دیئے۔ جس کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا۔ لیکن مکہ میں نبی کریم ﷺ کی تبلیغی سرگرمیوں کے بعد بظاہر اہلِ مکہ کے لیے کوئی پیغام مؤثر نہیں ہورہا تھا۔ کیونکہ منکرین کی شدت انکار میں بھی اسی نسبت سے اضافہ ہورہا تھا جس نسبت سے حضور ﷺ کی سرگرمیٔ تبلیغ اور سفارتی مشن میں اضافہ ہوا تھا۔ جہاں تک "لتنذرام القری"[1] کے سفارتی فریضے کا تعلق تھا۔ وہ حضور ﷺ نے سو فیصد پورا فرمادیا بلکہ طائف کے سفارتی سفر نے "ومن حولھا" میں بھی ابتدائی قدم رکھ دیا تھا اور ام القریٰ سے باہر تبلیغِ دین کے دوسرے قدرتی مواقع بھی پیدا ہوگئے تھے یعنی باہر سے جو سلیم الفطرت انسان مکے میں آتے اور ان کو حضور ﷺ کا پیغام سننے کا اتفاق ہوتا۔ وہ ایمان لے آتے[2]۔ گویا "ام القری" کے ساتھ "ومن حولھا" بھی تدریجی رفتار سے سفارتی مشن اور تبلیغی دائرے میں شامل ہورہا تھا۔ مگر اب اس دائرے کی وسعت نے ایک نئی کروٹ لی اور اس کی وجہ سے اہلِ اسلام کے لیے ایک نئے دورِ زندگی کی بنیاد پڑگئی۔ حضور ﷺ نے ایک ایک کے کان میں حکمت، موعظت اور مجادلۂ حسنہ کے تمام پہلوؤں سے آوازِ حق پہنچانے کے بعد اب خاص طور پر باہر سے آنے والوں (خواہ زائرین ہوں یا تجار) کی طرف اپنی توجہ مرکوز فرمائی۔

جاہلیت میں بھی ہمیشہ سے رسمِ حج ادا کی جاتی تھی اور لوگ ہر طرف سے حج و زیارت

کے لیے ہر سال موسم حج میں مکہ آیا کرتے تھے۔ کسی نہ کسی شکل میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا قبولیت کا رنگ دکھاتی رہتی تھی کہ "فاجعل افئدة من الناس تھوی الیھم"(۳). (خداوندا! لوگوں کے دلوں کو ان ساکنان صحراء کی طرف مائل کر دے)۔

کعبہ کی یہ مرکزیت بڑی قوت کے ساتھ ہمیشہ مسلسل باقی رہی۔ یہی وہ پر زور مرکزیت تھی جسے توڑنے کے لیے ابرہہ نے اپنے ہاتھیوں اور پیل تن ساتھیوں کے ساتھ ناقابل مقاومت حملہ کیا تھا اور حملہ سے پہلے ہی سارا لشکر بھوسے کی طرح اڑ گیا۔ یہ اتنا بڑا ناقابل یقین قسم کا واقعہ تھا کہ اس سنہ کا نام ہی "عام الفیل" رکھا گیا۔ اس واقعے کے بعد کعبۃ اللہ کی مرکزیت اعتقاداً اور عملاً دوچند ہو گئی۔ خدا نے اسی کو مرکزِ عالم بنانا پسند کیا اور اسی مرکز ابراہیمیؑ کو دعائے ابراہیمی (ربنا وابعث فیھم رسولاً)(۴) (اے رب ان میں سے ایک رسول بھیج) کی قبولیت گاہ بنایا۔

اس لیے نبی کریم ﷺ نے اب ان آنے والوں کی طرف خصوصی توجہ مبذول فرمائی لیکن مشکل یہ تھی کہ:

"منکرین نے شروع ہی میں یہ پکا بندوبست کرلیا تھا کہ باہر سے کوئی آنے والا حضور ﷺ سے نہ ملنے پائے۔ کسی کے کانوں میں کوئی آواز اسلام نہ پڑنے پائے۔ وہ ہر آنے والے کو حضور ﷺ کے خلاف پوری طرح کان بھر کر پہلے ہی ورغلا چکتے تھے اور ان کی ایک جماعت مستقل اسی کام پر لگی رہتی تھی کہ اگر کوئی موقع ایسا آئے تو شوروغل، استہزاء اور مخالفانہ پروپیگنڈہ کرنے سے کوئی دریغ نہ کرے"(۵)۔

ان حالات میں نبی کریم ﷺ کا علانیہ کسی کو تبلیغ کرنا تقریباً ناممکن تھا۔ لہذا قدرت نے اس مقصد کے لیے ایک خاص موقع پیدا کر دیا تاکہ اسلام کی اشاعت اور ترقی ہو۔

مدینہ میں اسلام کی ابتداء

سنہ ۱۰ نبوی کے حج کے زمانے میں رسول اللہ ﷺ معمول کے مطابق قبائلِ عرب

میں دعوتی و سفارتی مشن پر ایک رات نکلے۔ حضور ﷺ مقام عقبہ سے گزر رہے تھے (جو جبلِ حراء اور منیٰ کے درمیان ہے) تو خزرج کے کچھ لوگ آپ ﷺ کو نظر آئے[۶] جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا ارادہ فرمایا تھا جب رسول اللہ ﷺ ان سے ملے تو آپ ﷺ نے پوچھا:

"تم کون ہو؟" انہوں نے جواب دیا: "خزرج کے کچھ آدمی ہیں"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہود کے ہمسائے؟ کہا: "ہاں" نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "کیا تم تھوڑی دیر بیٹھ کر میری بات سن سکتے ہو"؟ انہوں نے کہا: "کیوں نہیں" چنانچہ وہ بیٹھ گئے تو حضور ﷺ نے انہیں توحید کی طرف بلایا اور اسلام کی دعوت دی اور انہیں قرآن پڑھ کر سنایا"[۷]۔ ان سب نے اسلام قبول کرلیا[۸]۔

آپ ﷺ نے ان سے یہ بھی فرمایا کہ: "کیا تم پیغام خداوندی میں میری مدد کرو گے"؟ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! ابھی ہماری آپس کی اوس اور خزرج کی خانہ جنگی ہو رہی ہے۔ اگر اس وقت جناب مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ کی بیعت پر سب کا اجتماع نہ ہوسکے گا۔ ابھی آپ ایک سال اس ارادہ کو ملتوی فرمائیں۔ ممکن ہے کہ ہماری آپس میں صلح ہوجائے اور پھر اوس و خزرج مل کر اسلام قبول کرلیں۔ آئندہ سال ہم پھر حاضر ہوں گے۔ اس وقت اس کا فیصلہ ہوسکے گا"[۹]۔

چونکہ نبی کریم ﷺ کو اپنے تبلیغی و سفارتی مشن سے والہانہ عقیدت تھی اور آپ ﷺ خدائی سفیرِ اعظم ﷺ ہونے کی حیثیت سے اس مشن کو آگے بڑھانے کی فکر میں تھے۔ اس لیے آپ ﷺ نے خود آگے بڑھ کر اس کی پہل کی اور اپنے نقطہ نگاہ سے وفد کو پوری طرح آگاہ فرمایا۔ ایک سچے اور مخلص داعی کی حسنِ خوبی کی یہی بیّن دلیل ہے۔

حضرت عاصم بیان کرتے ہیں: "خدائے تعالیٰ نے ان خزرجیوں کے اسلام لانے میں جو قدرتی کام کیا وہ یہ تھا کہ یہودی ان کے علاقوں میں آباد تھے۔ وہ اہلِ علم اور اہلِ کتاب تھے

اور یہ اہلِ مدینہ ان دنوں مشرک و بت پرست تھے۔ یہ لوگ یہود کی زبان سے بار با سن چکے تھے کہ ایک نبی عنقریب مبعوث ہونے والا ہے۔ یہود کہا کرتے تھے کہ ہم اس نبی ﷺ کے ساتھ مل کر بت پرستی کا قلع قمع کر دیں گے"[10]۔

خزرجیوں نے جب رسول اللہ ﷺ کی باتیں سنیں تو وہ آپس میں کہنے لگے: "یہ وہی نبی ﷺ ہیں جن کی بابت یہود تم کو ڈرایا کرتے ہیں۔ لہذا یہود کو حضور ﷺ پر ایمان لانے میں سبقت لے جانے کا موقع نہیں دینا چاہیے"[11]۔

چنانچہ انہوں نے فوراً اسلامی مشن میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے بعد وہ سب مسلمان ہو کر حضور ﷺ سے رخصت ہو گئے اور اپنے وطن مدینہ کو واپس چلے گئے[12]۔

یہی وہ خوش نصیب تھے جن کے قبولِ اسلام نے یثرب کے لیے مرکزِ اسلام بننے کا راستہ ہموار کر دیا۔ انہوں نے اپنے لوگوں سے رسولِ کریم ﷺ کا ذکر کیا اور ان کو اسلام کی دعوت دی حتیٰ کہ ان میں اسلام پھیل گیا اور انصار کے گھروں میں سے کوئی گھر ایسا نہ رہا۔ جس میں حضور ﷺ کا ذکر نہ ہوتا ہو[13]۔

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سفارتِ یثرب

بیعتِ عقبہ اولیٰ

سنہ ۱۱ نبوی ﷺ میں حسبِ وعدہ حج کے موقعہ پر بارہ اشخاص کا ایک وفد یثرب سے حضور نبی کریم ﷺ سے ملنے کے لیے مکہ مکرمہ آیا۔ اس وفد میں پانچ آدمی تو وہی تھے جو گزشتہ سال آئے تھے اور سات اصحاب ان کے علاوہ تھے[14]۔ جنہوں نے عقبہ میں حضور ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اور یہ بیعت عقبہ اولیٰ کہلائی[15]۔

سفارتِ یثرب سے جن امور پر معاہدہ ہوا

جو سفارت یثرب سے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ حضور ﷺ نے ان

سے مندرجہ ذیل امور پر بیعت لی اور ان پر کار بند رہنے کا معاہدہ ہوا۔ ان لوگوں نے عرض کیا[16]:

۱۔ ہم خدائے واحد کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں گے۔
۲۔ چوری اور زنا سے باز رہیں گے۔
۳۔ اپنی اولاد (خصوصاً لڑکیوں) کو قتل نہیں کریں گے۔
۴۔ کسی پر جھوٹا الزام اور بہتان نہیں لگائیں گے اور نہ کسی کی چغلی کھائیں گے۔
۵۔ تمام اچھی باتوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرماں بردار رہیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا:

"اگر تم نے ان شرائط کی پابندی کی، تو تمہارے لیے جنت ہے اور اگر ان میں سے کسی ایک بات کو چھپا کر رکھا تو تمہارا معاملہ خدا کے سپرد ہے وہ چاہے تو تمہیں سزا دے اور چاہے تو تمہیں معاف کردے"[17]۔

کس قدر عمدہ اور واضح اصول ہیں جن کی صداقت کے سامنے کسی کو مجال چشم زدن نہیں ہے۔ یہی بے لاگ اور ٹھوس باتیں ہی اسلام کی ترویج کا سبب بنیں۔ وہ لوگ ایسی پاکیزہ تعلیمات لے کر مدینہ پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی برکت سے اسلام اور سفارتی مشن کو وسعت عطا کی[18]۔ یہی وہ واضح اصول ہیں جن کی تبلیغ ہر مسلمان پر لازمی ہے۔

نمائندہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یثرب میں

اہلِ یثرب نے یہ درخواست بھی کی کہ ہمارے ساتھ معلم بھیج دیجئے۔ جو ہمیں دین کی تعلیم دیں اور نماز میں ہمارے لیے امام بنیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر کو ساتھ بھیج دیا[19]۔ اس طرح مدینہ طیبہ میں سب سے پہلی یونیورسٹی کی بنیاد پڑ گئی[20]۔

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر کی کوششوں سے مدینہ سے قبا تک گھر گھر اسلام پھیل گیا۔

صرف چند گھرانے باقی رہ گئے۔

قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعدؓ بن معاذ کے اسلام قبول کر لینے سے پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا[۲۱]۔

رسول اللہ ﷺ نے جس سفیر کو منتخب فرمایا، وہ کس قدر ذہین و فطین تھا کہ متعصب ترین لوگوں کو بھی اپنے حکیمانہ طرزِ تبلیغ سے تھوڑے عرصے میں اسلام کے دائرے میں داخل کر لیا۔

یثرب کی سب سے بڑی سفارت

بیعتِ عقبہ ثانیہ

نبی کریم ﷺ کی حکیمانہ پالیسی اور دعوتی و سفارتی مشن میں پورے اعتماد و وثوق کا یہ فائدہ ہوا کہ نبوت کے بارہویں سال حج کے ایام میں مدینہ منورہ سے حضرت مصعبؓ بن عمیر کی سرکردگی میں ۷۳ مرد اور عورتوں کا قافلہ مکہ پہنچا[۲۲]۔ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے بیعت کے ارادے سے آئے تھے۔ ان لوگوں نے رات کی تاریکی میں بالکل خفیہ طریق سے حضور ﷺ سے ملاقات کی۔ حضور ﷺ نے انہیں قرآن پڑھ کر سنایا اور اسلام قبول کرنے کی تلقین فرمائی۔ آپ ﷺ نے سب سے زیادہ جس بات پر زور دیا، وہ یہ کہ:

۱۔ کیا تم دینِ حق کی اشاعت میں میری پوری پوری مدد کرو گے ؟

۲۔ جب میں تمہارے شہر میں جا بسوں۔ کیا تم میری اور میرے ساتھیوں کی حمایت اپنے اہل و عیال کی مانند کرو گے[۲۳]۔

یہ سن کر براءؓ بن معرور (خزرج کے سردار) نے حضور ﷺ کا دستِ مبارک تھام لیا اور عرض کی:

"خدا کی قسم! جس نے آپ ﷺ کو نبی بنا کر بھیجا ہے، ہم آپ ﷺ کی اسی طرح

حفاظت کریں گے جس طرح اپنی عورتوں کی کرتے ہیں۔ اے اللہ کے رسول ﷺ ہماری بیعت قبول فرمائیں۔ ہم خدا کی قسم جنگجو اور سامانِ حرب والے ہیں"[۲۴]۔

پھر ابوالہیثم بن تیہان نے عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ! ہمارے اور دوسرے لوگوں کے درمیان تعلقات ہیں۔ جنہیں ہم آپ ﷺ کی وجہ سے توڑ ڈالیں گے۔ یہ تو نہ ہوگا کہ جب آپ ﷺ کو غلبہ حاصل ہو جائے تو آپ ﷺ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم میں تشریف لے آئیں۔ یہ سن کر حضور ﷺ مسکرائے اور فرمایا:

"میرا خون تمہارا خون ہوگا اور میرا ذمہ تمہارا ذمہ ہوگا میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو۔ تم جس سے لڑو گے میں بھی اس سے لڑوں گا اور جس سے تم صلح کرو گے میں بھی اس سے صلح کروں گا"[۲۵]۔

اس گفتگو اور معاہدے میں کتنا خلوص اور سادگی ہے کہ دل کی باتیں ایک ایک کر کے باہر آرہی ہیں اور صاف صاف معاملہ ہورہا ہے۔ دراصل رسول اللہ ﷺ نے اپنے طرزِ عمل سے پوری کائنات کو درس دیا ہے کہ جو بات بھی خلوص اور صداقت پر مبنی ہوگی وہ ہمیشہ پائیدار اور ٹھوس ہوگی۔ دل اور زبان کی صداقت ہی کامیابی و کامرانی کی ضامن ہے۔

ابن اسحاقؒ کہتے ہیں کہ اس موقع پر عباسؓ بن عبادہ نے بات کو مزید پکا کرنے کے لیے زور دار الفاظ میں کہا:

اے گروہِ خزرج! تم جانتے ہو کہ کس چیز پر بیعت کر رہے ہو، یہ سمجھ لو کہ عرب و عجم سے جنگ کرنے پر بیعت کر رہے ہو۔ اگر آئندہ چل کر مصائب و شدائد سے گھبرا کر چھوڑ دینے کا خیال ہو تو ابھی سے چھوڑ دو۔ اس وقت گھبرا کر چھوڑنا خدا کی قسم دنیا اور آخرت کی رسوائی کا سبب ہوگا اور اگر تم آئندہ مصائب و تکالیف برداشت کر سکتے ہو اور اپنی جان و مال پر کھیل کر اپنے عہد پر قائم رہ سکتے ہو تو خدا کی قسم اس میں تمہارے لیے دنیا اور آخرت کی بھلائی اور بہتری ہے"[۲۶]۔

سب نے کہا ہاں ہم اسی پر بیعت کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ کے لیے جان و مال سے ہم کو دریغ نہیں۔ مصائب سے ڈر کر خدا کی قسم ہم اس بیعت کو نہیں چھوڑ سکتے[۲۷]۔

یہ ایمان و یقین محض پیغام سے نہیں آتا۔ بلکہ اس میں بڑا حصہ پیغام لانے والے کے کردار کا ہوتا ہے۔ کوئی پیغام اس وقت تک قبول نہیں ہوتا۔ جب تک خود پیغام دینے والے کی عملی زندگی اس پیغام کے مطابق نہ ہو۔ اہلِ مکہ ہوں یا اہلِ مدینہ، انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا یا یقینی اطلاع سے معلوم کرلیا کہ اس پیغمبر ﷺ کی پوری زندگی ان اقدار کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے جن کا پیغام یہ دوسروں کو دے رہا ہے اور اس کی ہر ادا، ہر حرکت و سکون، ہر گفتار و کردار، ان ہی افکار و کردار کا آئینہ ہے۔ جن کو یہ دنیا میں قائم کرنا چاہتا ہے اور اسے اپنے سچے پیغام سے اتنی فنائیت کے ساتھ عشق ہے کہ یہ اس کی خاطر ہر پیش کش کو ٹھکرا رہا ہے اور ہر بڑی سے بڑی قربانی کو پیشانی پر بل لائے بغیر جھیلتا چلا جا رہا ہے۔ محض وعدہ جنت میں کہاں سے اتنی کشش آسکتی ہے کہ انسان اپنا سب کچھ قربان کرنے پر بخوشی راضی ہو جائے۔ قربانی پر آمادگی صرف اس وقت پیدا ہو سکتی ہے جب بڑی سے بڑی قربانی کا عملی نمونہ بھی سامنے ہو اور وہ اسوۂ قربانی پیش کرنے والے کی ساری زندگی، عقل و فراست، اخلاق و صداقت اور امانت و استقامت کی قابلِ اعتماد چلتی پھرتی تصویر ہو۔ کسی پیغامبر کے پیچھے چلنے اور اپنا سب کچھ اس کے ہاتھ بیچ ڈالنے (بیعت کرنے) کے لیے پہلی شرط ہے غیر متزلزل اور کامل اعتماد و اعتقاد، اور یہ اس وقت تک نہیں پیدا ہو سکتا جب تک اس پیغام کی عقلی راستی کے ساتھ خود پیغامبر کی عقل و فراست، اخلاص و امانت، قربانی و ایثار، سیرت و کردار ناقابل خرید و بے خوف استقامت، ان تھک سرگرمی اور بے پناہ قوت عمل نہ ہو، یہی وہ نبوی ﷺ کردار ہے۔ جس نے دیکھنے والوں اور سننے والوں میں نورِ یقین پیدا کر دیا۔

یثرب میں نقیبوں کا تقرر

جب سب بیعت کر چکے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں سے بارہ نقیب منتخب فرمائے تھے اسی طرح میں بھی جبریل کے اشارہ سے تم میں سے بارہ نقیب منتخب کرتا ہوں تاکہ یہ لوگ اپنی اپنی قوم کے کفیل اور ذمہ دار ہوں۔ جیسے حواری عیسیٰ علیہ السلام کے کفیل تھے[۲۸]۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مدینہ منورہ میں سفارتی مشن کا کام ان کے سپرد ہوگا جب کہ مکہ مکرمہ میں میں خود اس کام کو آگے بڑھاؤں گا۔

امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے انصار سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا کہ "تم میں سے بارہ نقیب منتخب کروں گا تم میں سے کوئی یہ خیال نہ کرے کہ مجھے کیوں نہیں نقیب بنایا گیا۔ اس لیے کہ میں مامور ہوں جس طرح حکم ہے اسی طرح کروں گا اور جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جس جس کو نقیب بنانے کا حکم تھا اس کی طرف اشارہ کرتے جاتے تھے[۲۹]"۔

یہ گویا ایک ڈیلی گیشن تھا جو مصالحت اور خیر سگالی کے جذبے سے سرشار تھا۔ اس میں ہر قبیلے کی نمائندگی تھی۔ اندازہ لگائیے ہجرت سے قبل حضور ﷺ کس قدر حتمی انتظام فرما رہے ہیں تاکہ اسلامی ریاست کے قیام میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے۔ بات وہی درست ہوتی ہے جو مرحلہ وار اور ٹھوس بنیادوں پر ہو۔

در اصل اس سارے پس منظر میں سفارتی و دعوتی مشن کو آگے بڑھانے کے لیے اصول، ان کا طریق کار اور لائحہ عمل اس خوبصورتی سے طے کئے گئے ہیں کہ جنہیں مشعلِ راہ بنایا جا سکتا ہے۔ اور ان کی روشنی میں اپنے سفارتی و تبلیغی نظام کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔ ہر سال وفود کے تبادلہ خیالات نے ہر بار ایک نئی کروٹ ہی لی ہے اور نئے انداز سے گتھیاں سلجھائی گئی ہیں۔ انداز کس قدر سادہ، جاذب اور صداقت پر مبنی ہے۔ جس میں کوئی فریق بھی کوئی بات غیر واضح اور مبہم رکھنے کے حق میں نہیں ہے بات سیدھی سیدھی اور دو ٹوک کی

گئی ہے۔ جس میں کسی قسم کی ملمع سازی نہیں ہے اور یہی اصول تعمیرِ ملک و ملت اور تحفظِ دین کے مبادیات میں سے ہیں۔ یہی خدا اور رسول ﷺ کا منشا تھا کہ: "ھوالذی ارسل رسوله بالھدیٰ و دین الحق لیظھره علی الدین کله"[۳۰]۔

مرکزِ اسلام کی تبدیلی کا فیصلہ اور ہجرتِ مدینہ

بیعت عقبۂ ثانیہ کے بعد اسی مجلس میں رسول اللہ ﷺ نے مرکزِ اسلام مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ منتقل کرنے کا فیصلہ کرلیا اور مسلمانوں کو یثرب کی طرف ہجرت کی اجازت فرمادی۔ تاکہ خدائی علم بردار اپنے اعتقاد و ضمیر کے مطابق اپنی عقل و فراست اور فہم و ادراک کی روشنی میں اپنے سفارتی مشن اور عالمی دعوت کو جاری رکھ سکیں۔ وہ تو آہستہ آہستہ مدینہ کی جانب چلے گئے۔ لیکن خود نبی کریم ﷺ نے اپنی روانگی اللہ کے حکم کے آنے تک ملتوی رکھی[۳۱]۔

ہجرت کے لیے مدینہ کے انتخاب کی وجوہات

آٹھ سال قبل حضور ﷺ نے اہلِ اسلام کو حبشہ کی طرف ہجرت کرجانے کی اجازت دے دی تھی۔ مگراب مظالم کی انتہا ہوجانے کے بعد حضور ﷺ نے عام اجازت دے دی کہ مسلمان ہجرت کرجائیں خواہ یثرب کی طرف ہو یا کسی اور طرف۔ مسلمانوں نے یثرب کو ترجیح دی کیونکہ:

۱۔ حبشہ میں بہت سے مسلمان پہلے سے موجود تھے۔ اس لیے ان پر مزید بوجھ ڈالنا مناسب نہ تھا۔

۲۔ حبشہ کا سفر نسبتاً دشوار بھی تھا۔ کیونکہ سمندر عبور کیے بغیر سفر نہیں ہوسکتا تھا۔

۳۔ حبشہ میں کسی ذمے دار جماعت نے قبولِ اسلام کے بعد معاہدہ نصرت کے ساتھ آنے کی دعوت نہ دی تھی۔ اس لیے قدرتاً مسلمانوں کا رحجان ایک نئی پناہ گاہ یعنی یثرب ہی

کی طرف ہوا۔

۴۔ علاوہ ازیں حبشہ کی نسبت یثرب میں اسلام کی تبلیغ کے بہتر مواقع تھے۔ مسلمان اپنے عقائد کا کھلم کھلا اظہار کر سکتے تھے۔ وہاں کے باشندے پیکرِ صدق و صفا تھے۔ ان کی آنکھوں میں حیاء اور غیرت تھی اور ان کی زبان حسنِ خلق کی ترجمان تھی۔ وہاں کی ہوائیں بھی عفت و عصمت کی پاسبان تھیں۔

یثرب اور اہلِ یثرب کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایسے بھائی اور ایسا گھر فراہم کردیا ہے کہ وہاں بے خوف وخطر رہ سکتے ہو" [۳۲]۔

حضور ﷺ کے چونکہ وہاں ننھیال تھے اور آپ بارہا وہاں تشریف لے گئے تھے اس لیے آپ ﷺ نے مدینہ کا پورا نقشہ کھینچ دیا۔

ہجرتِ مدینہ کی کیفیت

ہجرت کا حکم ملتے ہی مسلمان آہستہ آہستہ یثرب چلے گئے۔ ہجرت اتنے وسیع پیمانے پر ہوئی کہ مکہ میں محلے کے محلے خالی ہوگئے۔ عتبہ بن ربیعہ نے ان ویران گھروں کو دیکھ کر یہ شعر پڑھا:

وکل دار وان طالت سلا متها یوماً ستدرکھاالنکباء والحوب

(ہر آبادی خواہ وہ کب سے عیش و خوش حالی کا مرکز بنی رہی ہو۔ ایک نہ ایک دن غم والم اور ویرانی کا شکار ہوجاتی ہے)

ہجرتِ مدینہ کا مقصد

مسلمانوں نے دینِ حق کے تحفظ اور عالمی مشن کی عالمی دعوت کی تبلیغ کی خاطر مجبوراً اپنا گھر بار چھوڑا۔ وطن، مال و متاع اور عزیز و اقارب کو خیر باد کہا، یہاں تک کہ اپنی جان سے

بھی زیادہ عزیز اور محترم خانہ کعبہ کو چھوڑا جس پر ان کو کفارِ قریش سے بھی زیادہ حق حاصل تھا۔ ہجرت کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ:

"مومن لوگ اپنے دین کی خاطر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف اس ڈر سے بھاگتے تھے کہ وہ فتنہ میں مبتلا نہ کردیئے جائیں" (ان کو ارتداد پر مجبور نہ کیا جائے)[۳۴]۔

حضرت خبابؓ کا بیان ہے کہ: "ہم لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہجرت کی۔ اس کا مقصد صرف خدا کی رضا جوئی تھا"[۳۵]۔

سفیرِ اعظم کے قتل کا منصوبہ اور ہجرتؐ مدینہ

حضور ﷺ کو مدینہ جانے سے روکنے کے لیے قریش نے پورا زور صرف کردیا اور ۱۴ سرداروں پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی اور اسلامی نظام کو پارہ پارہ کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے قریش کی ساری تدبیروں اور مکروفریب کو مکڑی کے جالے کی طرح توڑ دیا[۳۶]۔ حضور ﷺ مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔

ہجرتِ مدینہ کی سفارتی اہمیت

یثرب پہنچ کر نبی کریم ﷺ نے اس کا نام "مدینہ" اور "قبۃ الاسلام" رکھا اور اسے "حرم" قرار دیا[۳۷]۔

آپ کی ہجرت سے تاریخ نے ایک نیا اور نرالہ باب تحریر کرنا شروع کیا۔ ہجرت سے قبل مسلمان چاروں طرف سے دشمنوں سے گھرے ہوئے تھے۔ انہیں صبر آزما تکلیفوں کا ہدف بنایا جاتا تھا۔ ہجرت نے انہیں آزادی اور خودمختاری کی حامل پناہ گاہ عطا کی۔ وہاں محبت بھری نظریں ان کا استقبال کرنے کو موجود تھیں۔ اہلِ مدینہ نے ان کو سینے سے لگایا اور مقدور سے بڑھ کر ان کی مدد کی۔ وہ معاشی اعتبار سے اپنے پاؤں پر کھڑے ہوگئے اور انہیں مدینے کی شہری مملکت میں آزاد اور قابلِ احترام شہریوں کا درجہ حاصل ہوگیا۔

ہجرتِ مدینہ کی سیاسی اہمیت

قریش عالمی دعوت اور سفارتی مشن کی راہ میں آہنی دیوار بن گئے تھے۔ لوگ حضور ﷺ کا پیغام سننے میں تأمل کرتے تھے لیکن ہجرتِ مدینہ کے بعد امت کی شیرازہ بندی کا کام ممکن ہو گیا۔ آپ نے اپنے نصب العین کے حصول کے لیے عالم گیر کوششیں شروع کر دیں اور اس کا مرکز عرب کو بنایا۔ قبائل کے سرداروں کے پاس اپنے نمائندے بھیجے[۳۸]۔ نقیب مقرر فرمائے[۳۹]۔ اور سلاطین کے پاس سفراء کو مکتوب گرامی دے کر روانہ فرمایا[۴۰]۔ آپ ﷺ نے ساتھ ہی خارجی سفارتوں کو مدینہ میں قبول فرمایا[۴۱]۔ معاہدات طے فرمائے[۴۲]۔ اور یہود و نصاریٰ اور سازشیوں کے خلاف اعلان جہاد فرمایا[۴۳]۔

ہجرت کے بعد لوگ بے کھٹکے ہادیٔ برحق کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اپنے دامن میں اسلام کی دولت بھر کر لے جاتے تھے۔ اسلام اس سرعت سے پھیلا کہ دس برس کے اندر اندر پورا عرب حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ کو احکاماتِ الٰہیہ کے مطابق اسلامی نظامِ معاشرت کی تشکیل کا بھرپور موقع ملا۔ متعدد مسائل جن کا تعلق تمدن اور اجتماعی زندگی سے ہے۔ مدینہ میں رہ کر ہی حل کیے جا سکے۔ مسلمان چند مظلوم اور منتشر دلدادگانِ توحید کے بجائے ایک ایسے معاشرے کے افراد بن گئے جس کا اپنا اسلامی تمدنی نظام تھا۔

ہجرت کے بعد مسلمانوں کی تقریباً تمام جمعیت ایک نقطے پر مجتمع ہو گئی۔ مدینہ کے محفوظ و مامون ماحول میں حضور ﷺ کو سیاسی اعتبار سے مسلمانوں کو منظم کر کے نظامِ سیاسیہ کی تشکیل کا موقع فراہم ہوا[۴۴]۔ یہ سیاسی نظام اس قدر مضبوط اور منظم تھا کہ دس برس میں تمام عرب رسول اللہ ﷺ کی سیادت کا دم بھرنے لگا۔ قبائلی عصبیت کے قالب میں ڈھلے ہوئے منتشر عرب "بنیان مرصوص" بن گئے۔ اس طرح اجتماعی حکمتِ عملی کے وہ تمام

عناصر منصۂ شہود پر آگئے جن کی بنا پر امتِ وسطیٰ کی تشکیل و ترقی ہوئی اور اسلامی منظم حکومت نے دنیا کو اپنا چہرہ زیبا دکھا دیا۔ اس سے سیاسی توسیع کے نئے ذرائع کا استعمال ممکن ہوسکا اور اسلامی تحریک محدود و باطنی ماحول سے نکل کر دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچنے کے قابل ہو گئی[۴۵]۔

ہجرت وہ نقطہ آغاز ہے جہاں سے اسلام کی حقیقی کامرانیاں شروع ہوتی ہیں[۴۶]۔ مسلمانوں کی بے کسی اور مظلومی کی زندگی کا خاتمہ ہوا اور ہجرت نے انہیں ایک نئی زندگی بخشی۔ فاروقِ اعظم حضرت عمرؓ نے اسلامی سنہ ایجاد کیا[۴۷]۔ تو اس کی ابتداء "ولادتِ رسول" یا "بعثتِ نبوی ﷺ" کے بجائے ہجرت کے واقعہ سے کی۔ ہجرت نے یہ ثابت کردیا کہ وطن مسلمانوں کے لیے ان معنوں میں نہیں کہ وہ اسے قومیت بنا کر اس کی پرستش شروع کردیں بلکہ وطن ایک ایسا خطہ ہے جہاں مسلمان امن و امان سے ایک سازگار ماحول میں اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرسکیں۔ ہجرت نے وطن پرستی کے بت کو پاش پاش کردیا اور مسلمانوں پر واضح کردیا کہ اسلام میں قومیت کی بنیاد عقیدۂ توحیدِ الٰہی اور خاتم النبیین ﷺ پر ایمان لانے پر ہے۔ اختلافی عقائد کی وجہ سے ابوجہل اور سرورِ کائنات ﷺ قریش ہونے کے باوجود ایک قوم نہ بن سکے۔

۲۔ ہجرتِ مدینہ کے اثرات

جب حضور نبی کریم ﷺ مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر ہر طرح کے خطرات سے محفوظ، مدینہ پہنچ کر مہاجرین و انصار سے مل گئے[۴۸]۔ تو مکہ اور مدینہ دونوں کی دنیا میں عجیب طرح کا انقلاب رونما ہوا اور دونوں جگہ نئی نئی پیچیدگیاں پیدا ہو گئیں۔ نئے نئے سوالات اٹھ کھڑے ہوئے اور دونوں جگہ کے لوگوں کو اپنی اپنی جگہ پر خطرات کے نئے نئے بادل نظر آنے لگے۔

الف: ہجرت کا مکہ پر اثر

ہجرتِ نبوی کا اثر مکہ پر یہ ہوا کہ:

۱۔ قریش کو اپنی سعیٔ ناکام پر ندامت بھی ہوئی اور غصہ بھی ہوا۔ ندامت اس لیے کہ عین محاصرہ کی حالت میں حضور پیغمبر آخرالزمان ﷺ ان کے بیچ سے ہو کر نکل گئے اور ان کو اس کی خبر بھی نہیں ہوئی بلکہ ایک اجنبی نے بتایا کہ:

"قدواللہ خرج علیکم محمد، ثم ماترک منکم رجلا الاوقد وضع علی رأسه تراباً، وانطلق لحاجته"[۴۹]. (خدا کی قسم! تمہارے بیچ میں سے محمد نکل گئے اور تم میں سے ہر شخص کے سر پر مٹی بھی ڈال گئے ہیں اور وہ اپنے مقصد پر روانہ ہو گئے ہیں)۔

پھر آپ ﷺ کی تلاش میں قریش کے ہر خاندان کے نوجوانوں کی ایک مسلح جماعت کھڑی ہوئی اور غارِ ثور کے دھانے تک پہنچی جس میں حضور ﷺ پوشیدہ تھے[۵۰]۔ اور وہ لوگ اتنے قریب ہو گئے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے گھبرا کر حضور ﷺ سے عرض کیا:
"اب دشمن اس قدر قریب آگئے کہ اگر اپنے قدم پر ان کی نظر پڑ جائے تو ہم کو دیکھ لیں گے"[۵۱] حضور ﷺ نے فرمایا:

"لاتحزن ان اللہ معنا"[۵۲]. (غم زدہ مت ہو، اللہ ہم لوگوں کے ساتھ ہے)۔

مگر جب رسول اللہ ﷺ کے پائے اقدس کے نشانات کا کوئی اثر اپنی قیافہ شناسی کی بناء پر اس کے آگے نہ پایا تو اس یقین پر کہ آپ اس سے آگے نہیں گئے ہیں۔ پوری جماعت واپس ہو گئی۔ پھر باوجود اس اعلان واشتہار کے کہ:

"مائة ناقة لمن رده علیهم"[۵۳]. (یعنی جو شخص (محمد ﷺ) کو گرفتار کر کے لائے گا، اس کو سو اونٹ انعام دیئے جائیں گے)۔

وہ لوگ حضور ﷺ پر قابو نہ پاسکے حالانکہ مکہ سے تین میل پر آپ تھے اور بقول ابنِ

ہشام حضور ﷺ مسلسل تین روز تک معہ حضرت ابوبکر صدیقؓ غارِ ثور میں ٹھہرے رہے[۵۴]۔

قریشِ مکہ کو غصہ اس لیے آیا کہ اسلام کے استیصال کی وہ سازش جو دارالندوہ میں قبائلِ عرب کے متحدہ اجتماع اور اجلاسِ عام میں ردوکد کے بعد طے پائی تھی ، ناکام ہوگئی[۵۵]۔

۲۔ یہ خطرہ جس کے انسداد کے لیے دارالندوہ میں اجلاسِ عام بلایا گیا تھا کہ مسلمان مدینہ منورہ میں جاکر انصار کی حمایت میں طاقت پکڑتے جارہے ہیں[۵۶] اور اسلام پھیلتا جاتا ہے۔ کہیں مضبوط طاقت نہ بن جائیں۔ اب حضور ﷺ کے مدینہ منورہ پہنچ جانے کے بعد یہ خطرہ تصور اور خیال کی حد سے نکل کر واقعہ بن کر سامنے آگیا۔ جس سے ان کے غیظ و غضب میں مزید اشتعال پیدا ہوگیا۔

۳۔ مسلمانوں میں اور کفارِ قریش میں دراصل وجہ مخالفت یہ تھی کہ بت پرستی جو تمام قبائلِ عرب کا سینکڑوں برس آبائی اور واحد مشترک دین تھا، اسلام اس کی جڑ کھودتا تھا اور جن بتوں کو وہ لوگ معبود سمجھتے تھے ان کو حرفِ غلط کی طرح مٹادینا چاہتا تھا[۵۷]۔ اب وہ مدینہ میں مسلمانوں کے اجتماع سے ڈرے کہ اسلامی تحریک اور دعوتی مشن اگر قائم ہوکر زور پکڑ گیا اور اس کا دائرہ وسیع ہوگیا اور اس کو پھیلنے، پنپنے اور مدینہ کی چار دیواری سے باہر نکلنے اور قرار پکڑنے کا موقع دیا گیا تو ان کے سینکڑوں برس کے آبائی دین کے طلسم کا برباد ہوجانا یقینی تھا۔

۵- پھر ان کے معاش کا دارومدار چونکہ شام و فلسطین کی تجارت پر تھا- جیسا کہ حضرت سعد بن معاذؓ کے مکہ میں جا کر طوافِ کعبہ کے دوران ابو جہل کی دھمکی کے جواب میں برہم ہو کر غضب آلود لہجہ میں یہ کہنا: "واللہ لئن منعتنی ان اطوف بالبیت لاقطعن متجرک بالشام"(۵۹) (خدا کی قسم! اگر تم مجھ کو بیت اللہ کے طواف سے روکو گے تو ہم تمہارا شامی تجارت کا راستہ روک دیں گے- جو مدینہ والوں کے پاس سے ہو کر گزرتا تھا)-

قریشِ مکہ کو اپنا سامانِ تجارت لے کر جانے کے لیے جو راہ سب سے قریب تر تھی وہ مدینہ کے قریب ہو کر جاتی تھی- اس لیے وہ اس یقین پر مجبور ہو گئے کہ اگر اسلامی تحریک کو قوت پکڑنے اور دعوتی و سفارتی مشن کو پھیلنے کی دعوت دی جائے گی تو وہ تجارت کی راہ میں روک ٹوک کریں گے اور اس طرح قریش معاشی کاروبار کے تعطل سے بے موت مر جائیں گے(۶۰)-

۶- ان تمام وجوہات کی بناء پر قریش نے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ حضور ﷺ کی ہجرت کے چند ہی روز کے بعد عبداللہ بن ابیؔ کو اس دھمکی کا خط لکھا:

"تم نے ہمارے آدمی کو پناہ دی ہے- ہم خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں یا تو تم لوگ اس کو قتل کر ڈالو یا تم اس کو مدینہ سے نکال دو ورنہ ہم سب مل کر تم پر حملہ کر دیں گے اور تمہارے جنگ جو سورماؤں کو قتل کر ڈالیں گے- اور تمہاری عورتوں پر تصرف کریں گے"(۶۱)-

اور ساتھ ہی ساتھ جنگ جو قبائلِ عرب کو مذہب کے نام پر اسلام سے اس طرح بھڑکایا کہ تمام قبائلِ عرب اسلام دشمنی میں ایک دل اور ایک رائے ہو گئے- دارمی میں ہے کہ: "رمتهم العرب واليهود عن قوس واحدة"(۶۲)- (تمام عرب اور یہود ایک ساتھ لڑنے کے لیے تیار ہو گئے)-

۷- پھر اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ اس خیال سے کہ مسلمان مدینہ سے باہر نکلنے کی ہمت نہ

کریں اور اسلام کا اثر مدینہ سے باہر نہ پھیلنے پائے، مدینہ کی جانب چھوٹے چھوٹے دستے بھیجنے شروع کردیئے(٦٣)۔ تاکہ مسلمانوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ جاری رہے۔ انہیں پریشان و تنگ کیا جائے اور انہیں ہر طرح مرعوب کرکے ان پر بالادستی حاصل کی جائے جیسا کہ:

"ہجرت کے تیرھویں مہینے میں کرز بن جابر فہری نے مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کیا اور مویشی ہانک کر لے گیا۔ نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں زید بن حارثہ کو قائم مقام بنا کر خود کرز بن جابر کا وادی تک تعاقب فرمایا۔ لیکن وہ بچ کر نکل گیا۔ اور حضور ﷺ واپس مدینہ تشریف لے گئے(٦٤)۔

ب: ہجرت کا مدینہ پر اثر

۱۔ انصار مدینہ شروع دن سے، جب انہوں نے حضور ﷺ کے ہاتھ پر عقبہ میں بیعت کی تھی، یہ سمجھتے تھے کہ حضور ﷺ کو مدینہ کی دعوت دینی، دنیا بھر سے عموماً اور قریش سے خصوصاً جنگ مول لینی ہے۔ چنانچہ عین بیعت کے وقت بیعت کرنے والوں سے عباسؓ بن عبادہ انصاری نے کہا تھا:

"تمہیں خبر ہے کہ کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ یہ عرب و عجم، جن و انس سے اعلانِ جنگ ہے۔ تو سب نے کہا کہ ہاں ہم اسی پر بیعت کر رہے ہیں(٦٥)"۔

چنانچہ جب حضور علیہ السلام مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو سب سے پہلا اثر مدینہ پر یہ پڑا کہ مدینہ، جو اب تک تمام بیرونی خطرات سے امن میں تھا، اب قریش اور قبائلِ عرب کی اسلام دشمنی کے باعث مخالفینِ اسلام کے قتل و غارت کی آماجگاہ بن گیا(٦٦)۔

۲۔ انصار کو یہ بھی معلوم تھا کہ مسلمان جب پہلی دفعہ ہجرت کرکے حبشہ گئے تھے تو قریش کی سفارت نجاشی کے پاس گئی تھی کہ یہ مہاجرین ہمارے قومی مجرم ہیں۔ ہمارے حوالے کردیئے جائیں(٦٧)۔ اس لیے ان کو خطرہ تھا کہ مدینہ میں قریش ان قومی مجرموں کو

گرفتار کرنے کے لیے دفعتاً فوجی دستے لے کر نہ پہنچ جائیں۔ چنانچہ وہ ان خطرات کے ماتحت راتوں کو ہتھیار باندھ کر سوتے تھے۔ مسلم کی روایت ہے:

"جب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ مدینہ منورہ آئے اور انصار نے ان کو پناہ دی تو تمام عرب ایک ساتھ لڑنے کے لیے تیار ہوگئے۔ صحابہ کرام ہتھیار باندھ کر رات گزارتے تھے اور اسی حالت میں صبح کرتے تھے"(۶۸)۔

خود رسول اللہ ﷺ کا یہ حال تھا کہ راتوں کو جاگ کر بسر کرتے تھے(۶۹)۔

۳۔ عبداللہ بن ابی، جس کی تاج پوشی کی رسم متفقہ طور پر انصار میں طے پا چکی تھی، آپ کی ہجرت کی وجہ سے ناکام ہوگئی(۷۰)۔ اس کا اس پر اور اس کے ساتھیوں پر خصوصی اثر کا پڑنا لازمی امر تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ حضور ﷺ نے اس کی حکومت چھین لی(۷۱)۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قدرتی طور پر مدینہ منورہ میں حاسدوں کی ایک منافق جماعت پیدا ہوگئی۔ یہ نہایت خطرناک پارٹ ادا کرتی تھی اور ان سے اس امر کا بھی ہر وقت خطرہ رہتا تھا کہ کس وقت ان کی قریش سے ساز باز ہوجائے۔ چنانچہ چند مرتبہ ایسا ہوا کہ عبداللہ بن ابی کی وجہ سے مدینہ کے اندر خون کا بازار گرم ہوتے ہوتے رہ گیا(۷۲)۔

۴۔ حوالی مدینہ میں یہود کے تین قبیلے بنوقینقاع، بنونضیر، بنو قریظہ بستے تھے(۷۳)۔ یہ لوگ عموماً دولت مند، زمیندار، تجارت پیشہ تھے۔ اس لیے مدینہ منورہ کے ملکی اور تجارتی معاملہ میں ان کو نمایاں حیثیت حاصل تھی۔ پھر انصار چونکہ بت پرست تھے اس لیے ان پر یہودیوں کا اچھا خاصا مذہبی اور عملی اثر تھا۔ انصار ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ان کی فوقیت تسلیم کرتے تھے(۷۴)۔

حضور ﷺ کی تشریف آوری کے بعد دفعتاً ان کی فوقیت جاتی رہی اور انہوں نے محسوس کیا کہ اسلام کی وجہ سے ان کے اقتدار کو، ان کے جابرانہ کاروبار کو، ان کے سودی لین دین کو اور مذہبی وقار کو سخت دھچکا لگا۔ اس کی وجہ سے انہیں سخت ناراضگی پیدا ہوگئی اور

اسلام کی مخالفت کا عزم کرلیا(۷۵)۔ بلکہ عملاً وہ طرح طرح کی سازشیں کرنے لگے۔ جن میں مسلمانوں کے ساتھ دھوکا اور نبی کریم ﷺ کے قتل جیسے ناپاک منصوبے شامل تھے(۷۶)۔

کعب بن اشرف یہودی رئیس خاص طور پر حضور ﷺ کی ہجو کرتا تھا اور آپ کے خلاف بھڑکایا کرتا تھا۔ اس کو اسلام دشمنی میں اتنی شدت تھی کہ چالیس آدمیوں کو لے کر مکہ گیا۔ وہاں ابوسفیان سے ملا اور اس کو بدر کے انتقام پر ابھارا اور مخفی مواقع بتائے۔ اس پر ابوسفیان سب کو لے کر حرم میں آیا۔ سب نے حرم کا پردہ تھام کر معاہدہ کیا کہ بدر کا انتقام لیں گے(۷۷)۔

۵۔ ان حالات میں مدینہ منورہ داخلی اور خارجی حیثیت سے غیر محفوظ تھا۔ داخلی نزاکت کا یہ حال تھا کہ حضرت طلحہ بن براء جب مرنے لگے تو انہوں نے وصیت کی کہ اگر میں رات کو مرجاؤں تو رسول اللہ ﷺ کو خبر نہ کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ میری وجہ سے آپ پر کوئی حادثہ گزر جائے(۷۸)۔

خارجی حالات کا یہ حال تھا کہ قریش نے ہجرت کے ساتھ ہی مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کردی تھیں اور ان کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں (فوجی دستے) مدینہ کے اطراف میں گشت لگاتی رہتی تھیں(۷۹)۔

۳۔ ہجرت کے اثرات اور وقائع کی مشکلات

ہجرت کے ان تمام اثرات اور وقائع نے حضور علیہ السلام کے سامنے دو طرح کی مشکلات کو بھیانک شکل میں لاکر کھڑا کردیا:

الف: داخلی مشکلات

جو مارِ آستین منافقین اور حاسدینِ یہود نے پیدا کردی تھیں۔ جس سے مدینہ کی زندگی غیر محفوظ ہوگئی تھی۔

ب: خارجی مشکلات

جو قریش نے پیدا کردی تھیں اور ان کے باعث مدینہ خارجی حیثیت سے غیر محفوظ ہو گیا تھا۔

یہ دونوں مشکلات ایسی اہم تھیں جن سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی تھی۔

الف: داخلی مشکلات سے چشم پوشی کے معنی یہ تھے کہ مدینہ کا داخلی امن و امان اور سکون و راحت رخصت ہوجائے اور مخالفینِ اسلام کو اس بات کا موقع مل جائے کہ وہ مدینہ کے مسلمان اور بت پرستوں میں خون ریزی کی طرح ڈال دیں اور باہم انصار و مہاجرین میں بھی فساد کے بیج بو کر دونوں کو ٹکرادیں۔ بلکہ موقع نکال کر جنگ بعاث وغیرہ کے تذکرہ سے خود آپس میں انصار کو برانگیختہ کر کے ان کے دونوں قبیلوں اوس و خزرج کو آپس میں لڑادیں۔ جو اس سے قبل بھی لڑ چکے تھے تاکہ یہ لوگ خود اپنے ہاتھوں برباد ہوجائیں(۸۰)۔ یا کم از کم انصار اور مہاجرین مدینہ کے اندر اس طرح خوف زدہ ہو کر پر خطر زندگی گزاریں کہ مدینہ کے شب و روز اور ان کے تمام کاروبار ٹھپ ہو کر رہ جائیں۔ پھر رات دن کی بے اطمینانی سے ان کی معاشی زندگی تباہ ہوجائے اور ہر وقت کے ہراس اور بے اطمینانی سے ان کے اندر بزدلی پیدا ہوجائے اور بے سروسامان مہاجرین کی ذمہ داری سے، جن کا سارا بوجھ ان پر پڑ گیا تھا، اکتاہٹ پیدا ہوجائے۔

ب: خارجی مشکلات کا معاملہ داخلی مشکلات سے بھی زیادہ اہم تھا کیونکہ حضور ﷺ اور مٹھی بھر مہاجرین اپنا گھر، اپنا وطن، اپنے عزیز و اقارب، اپنے مال و متاع کو قربان کر کے صرف اس لیے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تھے کہ جس بات کو وہ حق سمجھتے ہیں ان کے حق سمجھنے میں ان کو ضمیر و اعتقاد کی آزادی حاصل رہے اور جس کام کو وہ ناحق سمجھتے ہیں اس کے ماننے پر ان کو مجبور نہ کیا جائے(۸۱)۔ مکہ میں یہ بات ان کو حاصل نہ تھی۔

کفارِ قریش بزور شمشیر ان کو اپنے دعوتی و تبلیغی اور سفارتی مشن سے روکتے تھے۔

مدینہ میں آکر یہ تو ہوا کہ داخلی طور پر کھل کر ان کی اس آزادی میں کوئی مزاحمت نہیں کی گئی مگر خارجی طور پر کفارِ قریش نے یہاں بھی چین سے زندگی گزارنے نہیں دی[۸۲]۔

اب حضور ﷺ کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ یا تو جس کو حق سمجھتے تھے اس سے دست بردار ہو جائیں اور کفار کا مطالبہ تسلیم کرلیں تاکہ وہ اسلام اور مسلمانوں کو مٹادیں اور ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں یا حق پر استقامت کے ساتھ قائم رہیں اور قریش اور کفارِ عرب کے ظلم و تشدد کا مردانہ وار مقابلہ کریں اور نتیجہ خدا کے ہاتھ میں چھوڑ دیں۔

نبی کریم ﷺ نے آخری صورت اختیار کی اور داخلی و خارجی مشکلات پر قابو پانے کے لیے اور اس کے ماحول کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر اسلامی اصولوں کی روشنی میں لائحہ عمل تیار فرمایا۔

میثاقِ مدینہ کی سیاسی اور سفارتی اہمیت

ا۔ ہجرت کے وقت مدینہ کے داخلی حالات

جس وقت حضور ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے۔ مدینہ منورہ کا یہ حال تھا کہ چند مذہبی قبائل مسلمان ہو چکے تھے اور چند خاندان مثلاً بنی حظمہ، بنی واقف، بنی وائل، بنی امیہ، اوس، ایسے بھی تھے جنہوں نے اسلام کا کوئی اثر قبول نہیں کیا تھا اور چند قبائل ایسے تھے، جن میں اسلام پوری طرح ہنوز پھیلا نہیں تھا اور جن قبائل میں اسلام پوری طرح داخل ہو گیا تھا ان کا حال یہ تھا کہ چند روز قبل اوس و خزرج کے دو رقیب قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ جنگِ بُعاث[۸۳] کی خون ریزیوں نے جس کا خون بھی ابھی خشک نہیں ہوا تھا۔ دونوں کو کمزور اور بے جان کر دیا تھا۔ اور ان کی قومی طاقت برباد ہو چکی تھی۔ اسلام نے ان دونوں کو اسلامی رشتہ "انما المؤمنون اخوة"[۸۴] (سب

مسلمان بھائی بھائی ہیں) کے ناطے سے گرچہ باہم ملادیا تھا لیکن پھر بھی اس دور کے قبائلی مزاج اور عربی خصوصیات کی بنا پر قبائلی عصبیت کے نام پر مشتعل ہوجانے کا مادہ موجود تھا جس سے دشمنِ اسلام فائدہ اٹھاتے تھے(۸۵)۔

اس وقت مدینہ منورہ کی آبادی چار عناصر پر مشتمل تھی، مہاجرین، انصار، بت پرست، مشرکین، جن کا رشتہ انصار سے تھا۔ ان ہی میں عبداللہ بن ابی کی جماعت بھی تھی جو منافقت کا پارٹ ادا کررہی تھی۔ ان کے علاوہ یہود کے تین قبیلے، بنوقریظہ، بنونضیر، بنوقینقاع، تھے(۸۶) ان میں بھی آپس میں رقابتیں تھیں۔ بنوقریظہ کو بنونضیر کے لوگ کم رتبہ اور نیچی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ چنانچہ بنو نضیر کا کوئی آدمی بنو قریظہ کے آدمی کو قتل کردیتا تھا تو بنو نضیر اس کو آدھا خون بہا دیتے تھے اور جب بنو قریظہ کا کوئی آدمی بنو نضیر کے آدمی کو قتل کردیتا تو بنو نضیر اس سے پورا خون بہا لیتے تھے(۸۷)۔

قبیلہ بنوقینقاع یہودیوں میں اپنے آپ کو سب سے زیادہ جری اور بہادر سمجھتے تھے اور اپنے مقابلے میں کسی کو آنکھ نہیں لگاتے تھے۔ ان کے پاس ہمیشہ اسلحہ جنگ کے ذخیرے مہیا رہتے تھے۔ ان کے غرور کا یہ حال تھا کہ جب مسلمان غزوہ بدر سے فتح و ظفر کا علَم لہراتے ہوئے مدینہ منورہ پہنچے تو انہوں نے کہا:

"بے چارے مکہ کے قریش لڑنا کیا جانیں، ہمارے قلعہ سے مقابلہ پڑے، تو معلوم ہو"(۸۸)۔

مگر یہ تینوں قبیلے اسلام دشمنی میں ایک رائے تھے اور مذہبی حیثیت سے کفار کو مسلمانوں سے اچھا سمجھتے تھے۔

سفارتی اور عالمی مشن کی عالمی اور مقامی دعوت کے لیے، پھر اس دعوت کے تبلیغی بندوبست کے لیے، پھر اس دعوت کے مطالبہ کے عملاً نفاذ کے لیے اور محسوس طور پر اس دعوت کی افادیت کی نمود و ظہور کے لیے اور عالمی مشن کی عالمی وحدت اور تنظیمِ شرعی کے

بروئے کارلانے کے لیے اس بات کی ضرورت تھی کہ مدینہ کی آبادی داخلی حیثیت سے پرسکون رہے اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں تھا جب تک مدینہ کے یہ چاروں عناصر اپنے اپنے حقوق و مفاد کی جانب سے مطمئن نہ ہوں۔

گویا مدینہ منورہ اس وقت اپنی گونا گوں آبادی کے لحاظ سے مجموعہ اضداد تھا اور ایک عجیب طرح کے اندرونی خلفشار اور انتشار میں مبتلا تھا اور بظاہر ان تمام عناصر میں وفاقی وحدت پیدا کرنی ناممکن معلوم ہوتی تھی۔ علاوہ ازیں تجارتی قافلوں کی راہ داری کے معاملات بھی ایک مسئلہ تھا۔

۲۔ تجارتی قافلوں کے لیے راہ داری سسٹم

ملک کا ذریعہ معاش غارت گری کے بعد فقط تجارت تھی۔ مگر تجارت کے قافلوں کا ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا بہت دشوار تھا۔ جب تک ان کے پاس مختلف قبائل کے اجازت نامے، راہ داریاں، یا محافظ دستے نہ ہوں۔ جیسا کہ ابن قتیبہ کے استاد محمد بن حبیب نے لکھا ہے:

"جو تاجر بھی یمن اور حجاز سے نکلتا تو وہ اس وقت تک قریشی خفارے یعنی محافظ دستے کا محتاج رہتا جب تک وہ مغربی قبائل میں رہے کیونکہ ایک مضری قبیلہ دوسرے مضری قبیلے کے تاجروں کو نہ ستاتا، مزید برآں، جن جن قبائل سے مضریوں کی حلیفی تھی ان کے ہاں بھی ان کو امن رہتا اور یہ "باہمی امن" کے اصول پر مبنی تھا۔ چنانچہ قبائلِ کلاب ان کو مضری قبیلہ بنو تمیم سے حلیفی کے باعث نہ ستاتے اور قبائلِ طے بھی ان کو مضری قبیلہ بنواسد سے حلیفی کے باعث نہ چھیڑتے اور مغربی قبائل کہا کرتے تھے کہ قریش نے ہمارا وہ قرض ادا کردیا جو حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ہم کو وراثتاً مذمت کی صورت میں ملا تھا۔ جب یہ آگے بڑھ کر عراقی سمت میں جاتے اور بنی عمرو بن مرثد سے خفارہ حاصل کرلیتے تو تمام قبائل ربیعہ میں وہ کافی

تجارتی راستے کے خاص مقامات

دمشق
تدمر
بصریٰ
فلسطین
اردن
عراق
حیرہ
کویت
ایران
قطیف (خط)
ہفوف
ریاض
یمامہ (حجر)
خرج
جبرین
دوحہ
شارجہ
دبی
صحار
مسقط
عمان
خیبر
مدینہ (یثرب)
ینبع
جدہ
عسفان
مکہ
طائف
نجران
مأرب
صنعاء
ظفار
عدن
مخا
شبوہ
تریم
حضرموت
مرباط
بحر عرب
میل پیمانہ ۱۰۰ ۲۰۰ ۳۰۰



ہوتا۔ جو تاجر دومۃ الجندل جاتے ان کو بھی قریش ہی سے خفارہ حاصل کرنا ہوتا۔ رابیہ جو حضر موت میں واقع ہے اگر وہاں جانا ہوتا تو قریش وہاں قبیلہ بنو آکل المرار سے خفارہ حاصل کرلیتے اور باقی لوگ آلِ مسروق سے"(۸۹)۔

پھر دوسری جگہ لکھتا ہے:

"اگر مسافر بنی عمرو بن مرثد کا خفارہ حاصل کرلیتے تو اس پورے علاقہ میں جہاں قبائلِ ربیعہ بستے تھے۔ انہیں حفاظت حاصل تھی۔ اگر بحرین سوق مشقر جانا ہوتا تو قریشی خفارہ ہی حاصل کرلیا جاتا۔ اگر جنوبی عرب کے سوقِ مہرہ کو جانا ہوتا تو بنی محارب کا بدرقہ حاصل کیا جاتا۔ حضر موت کے سوق رابیہ کو جانے کے لیے قریش قبیلہ آکل المرار کا خفارہ حاصل کرتے اور دیگر لوگ کندہ کے آلِ مسروق کا۔ اس طرح دونوں ہی قبائل کو عزت حاصل تھی۔ لیکن قریشی سرپرستی کے باعث آکل المرار کو اپنے حریفوں پر فوقیت حاصل ہوگئی"(۹۰)۔

حاصل یہ کہ عربوں میں تجارتی قافلوں کے ایک جگہ سے دوسری جگہ گزارنے اور پہنچنے کے لیے خفارہ حاصل کرنا پڑتا تھا اور یہ ان کے ہاں ایک مستقل ادارہ بن گیا تھا اور عدنان و قحطان، مضر و ربیعہ کے سب قبائل اس میں داخل تھے۔

۳۔ راستوں میں امنِ عامہ کا فقدان

ملک کی بدامنی کی وجہ سے عبدالقیس جو بحرین کا طاقتور قبیلہ تھا، سنہ ۵ھ تک مضری قبائل کے ڈر سے اشہرِ حرم کے سوا اور مہینوں میں حجاز کا رخ نہیں کرسکتا تھا۔ بخاری شریف میں ہے کہ جب وفد عبدالقیس مدینہ منورہ آیا تو انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا:

"یارسول اللہ ﷺ! ہم لوگ صرف اشہرِ حرم میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوسکتے ہیں۔ ہمارے اور آپ کے درمیان کفارِ مضر کا قبیلہ ہے، ہم لوگوں کو فیصل شدہ امور

بتادیجئے تاکہ ہم ان لوگوں کو بتائیں جو حاضر نہیں ہوسکتے ہیں اور اس کے سبب سے ہم لوگ جنت میں داخل ہوں"(۹۱)۔

۴۔ غارت گری کے لیے اشہرِ حرم کا تقدس مجروح کرنا

پھر ان اشہرِ حرم کا یہ حال تھا کہ اس میں وہ جب چاہتے تھے، ردّو بدل کردیتے تھے اور اپنی غارت گری کا موقع نکال لیتے تھے۔ ابو علی قالی نے لکھا ہے:

"یہ ردو بدل اس لیے کرتے تھے کہ وہ پسند نہیں کرتے تھے کہ مسلسل تین مہینے ان پر بغیر غارت گری کے گزر جائیں۔ کیونکہ غارت گری ہی ان کا ذریعہ معاش تھا"(۹۲)۔ پھر اشہرِ حرم کے احترام کا یہ حال تھا کہ ابن عبدربہ نے لکھا ہے کہ:

"قبیلہ طے اور قبیلہ خثعم کے دو ضرب المثل لٹیرے قبائل اشہرِ حرم کی حرمت و امتناع کی پرواہ نہیں کرتے تھے"(۹۳)۔

بہرحال مسلمانوں کے لیے مدینہ منورہ سے باہر قبائلِ عرب میں گزرنا اور سفارتی اور عالمی مشن کی دعوت دینا دشوار ہی نہیں، ناممکن تھا۔

ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے جناب نبی کریم ﷺ نے اندازہ لگالیا کہ مدینہ منورہ کی زندگی میں جو کچھ بھی کیا جائے، چاہے وہ مدافعت کے انداز میں ہو، یا پیش قدمی کی شکل میں، یا تادیبی شکل میں، اس کی غایت صرف یہ ہونی چاہیے کہ لوگ عالمی مشن کی عالمی اور سفارتی دعوت کی تبلیغ کی راہ میں مزاحمت سے باز آجائیں۔

چنانچہ حضور ﷺ نے سب سے پہلے مدینہ منورہ کو بھی مکہ مکرمہ کی طرح حرم قرار دے کر ایک متحدہ مرکز بنادیا(۹۴) اور ایک ایسی سلطنت قائم کی جو خاندانی اور قبائل کی عصبیت اور رنگ و نسل کے امتیاز سے پاک تھی۔ اس میں ایک ایسا نظام رائج کیا جس کی بنیاد تقویٰ اور عدل و انصاف پر رکھی۔

۵۔ یہودیوں سے سیاسی تعلقات کی نوعیت کا تعیّن

مدینہ منورہ میں اوس اور خزرج کے علاوہ یہودیوں کے متعدد قبائل آباد تھے جو ان کے مقابلے میں تعلیم یافتہ، ماہرِ فن، دولت مند اور متمدن تھے۔ اوس و خزرج بھی ان کو اپنے سے زیادہ مہذب اور شائستہ سمجھتے تھے یہودیوں نے مدینہ منورہ اور اس کے اطراف میں تجارت کے ساتھ سودی لین دین کا کاروبار بھی پھیلا رکھا تھا تمام آبادی ان کے قرضوں سے زیرِ بار رہتی تھی۔ اسلحہ جنگ کے ذخیرے بھی بڑی مقدار میں ان کے پاس موجود رہتے تھے(۹۵)۔

ان لوگوں میں اسلام کی دعوت دینے کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی ضرورت تھی کہ ان سے سیاسی تعلقات کی نوعیت متعین ہوجائے کیونکہ قریش یہ جان کر کہ مسلمان مکہ سے چلے گئے ہیں مطمئن ہو کر نہیں بیٹھے تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کی جماعت مدینہ میں جمع ہورہی ہے تو انہوں نے اسلام کے اس نئے مرکز کو تباہ کرنے کی تیاری شروع کردی تھی۔ اس لیے ضروری تھا کہ مدینہ منورہ کے چاروں طرف یہود کی جو بستیاں تھیں، مسلمان ان سے اپنے سیاسی تعلقات واضح طور پر متعین کرلیں تاکہ قریش کے حملے کے وقت یہودی ان کے مددگار نہ بن سکیں۔ یہودی ایک بڑی طاقت ور قوم تھے۔ مدینہ کے دوسرے دو بڑے قبیلوں اوس و خزرج کی باہمی جنگوں میں یہودی ایک دوسرے کے حلیف بن کر شامل ہوا کرتے تھے(۹۶)۔ اوس و خزرج میں ہمیشہ باہم جنگ رہتی تھی۔ یہودیوں کا ایک قبیلہ بنو قریظہ، جنگ میں اوس کا ساتھ دیتا تھا اور دوسرا قبیلہ بنو نظیر، خزرج کا حلیف ہوتا تھا(۹۷)۔

۶۔ یہودِ مدینہ کے ساتھ امن و امان کا معاہدہ

اوس و خزرج کے بہت سے افراد حلقہ بگوشِ اسلام ہوچکے تھے۔ اس لیے حضور اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ میں یہودی قبیلوں کے ساتھ امن و امان کا معاہدہ کیا اور آپس

میں صلح و امن کے ساتھ رہنے کی بنیاد ڈالی۔ معاہدے کی رو سے فریقین اس بات کے ذمہ دار تھے کہ مدینہ میں امن و امان قائم رکھیں گے اور اگر کوئی غنیم مدینہ میں حملہ آور ہوگا تو سب مل کر مشترکہ طور پر دفاع اور مقابلہ کریں گے۔ اس معاہدے کو موجودہ اصطلاح میں "بقائے باہم" کا معاہدہ کہا جاسکتا ہے۔ اس معاہدے کی رو سے دونوں فریقوں کو ترقی کے یکساں مواقع حاصل تھے۔ مشترکہ ذمہ داریوں کی بنیاد پر امن و آشتی کے ساتھ اسلام کے پھیلنے پھولنے اور برگ و بار لانے کےلیے موزوں ترین فضا ہی ہو سکتی تھی، لیکن آگے چل کر یہودیوں نے نہ صرف یہ کہ معاہدے کا کوئی احترام نہیں کیا بلکہ وہ قریش مکہ سے برابر ساز باز کرتے رہے اور جن مقاصد کے لیے معاہدہ عمل میں آیا تھا، ان کو خود یہودیوں نے پامال کردیا۔ مگر اوس و خزرج معاہدے پر قائم رہے اور ان کی لامتناہی خانہ جنگیوں کا سلسلہ یک لخت رک گیا۔

یہ معاہدہ "۵۲" دفعات پر مشتمل ہے۔ اس میں ابتدائی ۲۵ دفعات مسلمانوں اور عرب قبائل سے متعلق ہیں اور آخر کی ۲۷ دفعات میں یہودیوں کے حقوق و فرائض سے بحث کی گئی ہے جو انصار کے بعد مدینہ منورہ کی دوسری طاقت تھے۔

میثاقِ مدینہ اولین تحریری دستور

مشہور استادِ قانون و اسلامیات ڈاکٹر محمد حمیداللہ میثاقِ مدینہ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"میثاق مدینہ دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور (CONSTITUTION) ہے جو خدا کے آخری پیغمبر نے نوع انسانی کو عطا فرمایا۔ ممالک کے عام قواعد و قوانین کم و بیش تحریری صورت میں تو ہر جگہ ملتے ہیں لیکن دستورِ مملکت کو عام قوانین سے علیحدہ تحریر میں لانا اس سے قبل تاریخ کے اوراق میں کہیں نہیں ملتا۔

منوسمرتی (۵۰۰ ق م) میں بے شبہ راجہ کے فرائض کا بھی ذکر ہے اور کوتلیا آرتھ

شاستر (۳۰۰ ق م) اور اس کے ہم عصر ارسطو کی تصانیف میں بھی سیاسیات پر مستقل کتابیں ملتی ہیں۔ لیکن یہ سب یا تو درسی اور مشاورتی کتابوں کی حیثیت رکھتی ہیں یا کسی مقام کے دستور کا تاریخی تذکرہ ہیں۔ کسی مقتدرہ اعلیٰ کی طرف سے نافذ کردہ مستند دستورِ مملکت کی حیثیت ان میں سے کسی کو حاصل نہیں ہے"(۹۸)۔

میثاقِ مدینہ کی خصوصیات

۱۔ معاہدے میں صاف طور سے اس امر کی وضاحت کردی گئی ہے کہ منبع اقتدار ذاتِ خداوندی ہے۔ مسلمانوں میں تعداد کی کمی سے جو کمزوری اور خطرات پیدا ہوسکتے تھے اس کے تدارک کے لیے انہیں راہ ہدایت پر ہونے کا اطمینان دلا کر نصرتِ خداوندی کا یقین دلایا گیا ہے۔

۲۔ پناہ دہی کا حق انفرادی طور پر ہر چھوٹے بڑے شخص کو دیا گیا ہے اور پناہ کے وعدے کا احترام پوری امت پر واجب قرار دیا گیا ہے۔ اس طرح آزادی عمل اور بڑوں اور چھوٹوں کے درمیان اخوت و مساوات قائم کردی گئی ہے۔ معاہدے میں انصاف میں مداخلت کرنے کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔ معاملات میں جانبداری برتنے اور اپنے قریب ترین رشتے داروں تک کی بے جا حمایت کرنے کی کوشش سے روکا گیا ہے اور اس بات پر آمادہ کیا گیا ہے کہ ہر ضرر پہنچانے والے کو سزا دینے میں پوری طرح ہر شخص کا ہاتھ بٹائے۔

۳۔ یہودیوں کو مسلمانوں کے سیاسی اور تمدنی حقوق میں صراحت کے ساتھ مساوات قائم کرکے "پورے حقوقِ شہریت" عطا کیے گئے ہیں اور ان کو مذہبی آزادی دے کر نہایت فیاضانہ رواداری کا معاملہ برتا گیا ہے۔ ان کی شریعت اور ان کے حقوق کی مساوات تسلیم کی گئی ہے۔ چنانچہ معاہدے میں اس امر کی صراحت موجود ہے کہ دشمن سے کسی جنگ کی

صورت میں اگر مسلمان اور یہودی اتحاد عمل کریں گے تو ہر حلیف اپنے مصارفِ جنگ خود برداشت کرے گا۔

۴۔ اس معاہدے کے ذریعے مدینہ منورہ کو مکہ مکرمہ کی طرح حرم قرار دے کر ایک متحدہ مرکز بنا دیا گیا ہے اور ایک ایسا نظام قائم کیا گیا ہے۔ جو ایشیاء، یورپ اور افریقہ کے تین براعظموں میں بہت جلد رائج ہو گیا۔

میثاقِ مدینہ کا اصل متن (۹۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ تحریری ہے معاہدہ جو کہ مندرجہ ذیل طبقوں کے درمیان ہے:

الف: محمد نبی رسول اللہ

ب: مسلمان قریشِ مکہ اور ساکنانِ شہرِ مدینہ

ج: مدینہ کے مسلمان

د: مدینہ کے یہودی

ھ: مدینہ کے نصرانی

و: مدینہ کے غیر مسلم

۱۔ خدا کے پیغمبر محمد (ﷺ) کا یہ معاہدہ مہاجرین، قریش اور اہلِ یثرب میں سے اسلام قبول کرنے والوں اور ان سب لوگوں کے لیے نافذ ہوگا جو مذکورہ جماعتوں کے ساتھ متفق ہوں اور ان کے ساتھ جنگ میں شریک رہیں۔

۲۔ دوسرے تمام لوگوں کے بالمقابل ان کی ایک علیحدہ سیاسی وحدت ہو گی۔

۳۔ مہاجرینِ قریش قبل اسلام کے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے اور اپنے قیدیوں کا خود فدیہ ادا کریں گے تا کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو۔

۴۔ بنی حارث اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے اور ہر گروہ اپنے اسیروں کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تاکہ ایمان والوں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

۵۔ اور بن عوف اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے اور ہر گروہ اپنے اسیروں کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تاکہ ایمان والوں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

۶۔ اور بنی ساعدہ اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدی کا خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تاکہ ایمان والوں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

۷۔ اور بنو جشم اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدی کا خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تاکہ ایمان والوں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

۸۔ اور بنی نجار اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدی کا خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تاکہ ایمان والوں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

۹۔ اور بنی عمرو بن عوف اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدی خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تاکہ ایمان والوں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

۱۰۔ اور بنی البنیت اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے اور ہر گروہ اپنے اسیروں کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تاکہ ایمان والوں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

۱۱۔ اور بنی اوس اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدی خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تاکہ ایمان والوں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

۱۲۔ مسلمانوں میں اگر کوئی مفلس کسی ایسے جرم کا مرتکب ہو جس پر دیت واجب ہوتی ہے یا کہیں قید ہو جائے اور فدیہ ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو دوسرے مسلمانوں

پر لازم ہوگا کہ وہ اس شخص کی جانب سے دیت یا فدیہ ادا کرکے اس کو چھڑائیں تاکہ مسلمانوں کے باہمی تعلقات میں نیکی اور ہمدردی رونما ہو۔

۱۳- اور کوئی مومن کسی دوسرے مومن کی اجازت کے بغیر اس کے مولا یعنی آزاد کردہ غلام سے معاہدہ نہیں کرے گا۔

۱۴- مسلمانوں پر فرض ہوگا کہ وہ ہر شخص کی علی الاعلان مخالفت کریں جو فتنہ و فساد برپا کرتا ہو اور خلقِ خدا کو ستاتا ہو یا زبردستی کوئی چیز حاصل کرنا چاہے اور سرکشی اختیار کرے، ایسے شخص کو سزا دینے میں تمام مسلمان آپس میں متفق رہیں گے خواہ وہ شخص ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

۱۵- کسی مسلمان کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ کسی مسلمان کو کسی کافر کے بدلے میں قتل کرے یا کسی مسلمان کے مقابلے میں کسی کافر کو مدد پہنچائے۔

۱۶- خدا کا ذمہ، عہد اور پناہ ایک ہی ہے۔ یعنی اگر کسی مسلمان نے کسی کو پناہ دے دی تو اس کی پابندی تمام مسلمانوں پر لازم ہوگی، خواہ پناہ دینے والا ادنیٰ درجے کا مسلمان ہی کیوں نہ ہو اور مسلمان دوسرے لوگوں کے مقابلے میں آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

۱۷- جن یہودیوں نے ہمارے ساتھ معاہدہ کرلیا ہے ان کے بارے میں مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان کی مدد کریں اور بھائی چارے کا برتاؤ کریں، ان پر کسی قسم کا ظلم نہ کیا جائے اور نہ ہی ان کے خلاف ان کے دشمن کو مدد دی جائے۔

۱۸- سب مسلمانوں کی صلح ایک ہی ہوگی۔ جب اللہ کی راہ میں جنگ ہو تو کوئی مسلمان دوسرے مسلمانوں کو چھوڑ کر دشمن سے اس وقت تک صلح نہیں کرے گا جب تک وہ صلح سب کے لیے برابر اور یکساں نہ ہو۔

۱۹- وہ تمام گروہ اور جماعتیں جو ہمارے ساتھ جنگ میں حصہ لیں گی انہیں باری باری

آرام کرنے کا موقع دیا جائے گا (اور رخصت دی جائے گی)۔

۲۰۔ اور جو مسلمان اللہ کی راہ میں شہید ہو جائیں ان کے پس ماندگان کی کفالت تمام مسلمانوں پر واجب ہو گی۔

۲۶۔

۲۰۔ الف۔ بلاشبہ تمام متقی، پرہیزگار مسلمان سب سے اچھے اور سب سے سیدھے راستے پر ہیں۔

۲۷۔

۲۰۔ ب۔ کوئی غیر مسلم معاہد قریش کی جان و مال کو کسی طرح کی پناہ نہ دے گا اور نہ ہی کسی غیر مسلم کے مقابلے میں مدد پہنچائے گا۔

۲۸۔

۲۱۔ اور جو شخص کسی مسلمان کو قتل کردے اور ثبوت موجود ہو تو قاتل سے قصاص لیا جائے گا۔ البتہ اگر مقتول کا وارث خون بہا (دیت) لینے پر راضی ہو جائے تو دیت ادا کر کے قصاص سے بچ سکتا ہے۔ تمام مسلمانوں پر اس امر کی تعمیل بلا استثناء لازمی ہو گی۔ اس کے علاوہ ان کے لیے کوئی چیز قابل قبول نہ ہو گی۔

۲۹۔

۳۰۔

۲۲۔ کسی مسلمان کے لیے جس نے اس دستور کے مندرجات کو تسلیم کر کے اس کی پابندی کا اقرار کرلیا ہے اور وہ خدا اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لیے یہ ہرگز جائز نہ ہو گا کہ وہ کسی جرائم پیشہ شخص کی مدد کرے یا اس کو پناہ دے اور جو شخص اسے مدد یا پناہ دے گا تو قیامت کے دن اس پر خدا کی لعنت اور غضب نازل ہو گا اور اس سے کوئی رقم یا معاوضہ قبول نہ ہو گا۔

۳۱۔

۳۲۔

۲۳۔ اور جب کبھی تم میں کسی چیز کے بارے میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اس کے فیصلے کے لیے خدا اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے رجوع کیا جائے گا۔

۳۳۔

۲۴۔ اور بنی عوف کے یہودی جنہوں نے اس معاہدے میں شرکت کی ہے وہ مسلمانوں کے ساتھ ایک سیاسی وحدت (امت) تسلیم کیے جاتے ہیں۔ یہودی اپنے دین پر رہیں اور مسلمان اپنے دین پر، خواہ موالی ہوں یا اصل۔ البتہ جو شخص ظلم

۳۴۔

۳۵۔

اور عہد شکنی کا ارتکاب کرے تو اس کی ذات یا گھرانے کے سوا کوئی شخص ہلاکت وفساد یا مصیبت میں نہیں پڑے گا۔

۲۶- اور بنی نجار کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

۲۷- اور بنی حارث کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

۲۸- اور بنی ساعدہ کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

۲۹- اور بنی جشم کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

۳۰- اور بنی اوس کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

۳۱- اور بنی ثعلبہ کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔ البتہ جو ظلم یا عہد شکنی کا ارتکاب کرے تو اس کی ذات یا اس کے گھرانے کے سوا کوئی شخص ہلاکت وفساد یا مصیبت میں نہیں پڑے گا۔

۳۲- اور جفنہ جو بنی ثعلبہ کی شاخ ہے اسے بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اس کے اصل قبیلے کو۔

۳۳- اور بنی شطیبہ کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو عوف کے یہودیوں کو اور نیکی اور وفاشعاری ہونی چاہیئے نہ کہ گناہ اور بد عہدی۔

۳۴- اور ثعلبہ کے موالی (حلیف) کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل قبیلے کو۔

۳۵- اور یہودیوں کے قبائل کی ذیلی شاخوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل

قبیلوں کو۔

۳۶۔ اور معاہدہ کرنے والوں میں کوئی بھی محمد (ﷺ) کی اجازت کے بغیر فوجی اقدام نہیں کرے گا۔

۳۶۔ الف۔ کسی زخم یا ضرب کا بدلہ لینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی اور جو شخص خون ریزی کرے تو اس کی ذمہ داری اس پر اور اس کے گھرانے پر ہوگی الّا یہ کہ اس شخص پر ظلم کیا گیا ہو اور جو شخص اس معاہدے کی زیادہ سے زیادہ وفادارانہ تعمیل کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا۔

۳۷۔ اگر کوئی اس دستور والوں (مسلمانوں اور یہود معاہدین) کے خلاف جنگ کرے تو ان تمام معاہدین کو متفق ہو کر لڑنا ہوگا اور وہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور ان میں باہم خیر خواہی، وفاشعاری اور حسن مشورہ ہوگا۔ نیکی اور وفاشعاری ان کا شیوہ ہوگا نہ کہ گناہ اور عہد شکنی۔

یہود اپنے اخراجات برداشت کریں گے اور مسلمان اپنے اخراجات کے ذمہ دار ہوں گے۔

۳۷۔ الف۔ کوئی شخص اپنے حلیف کی بد عملی کا ذمہ دار نہ ٹھہرایا جائے گا اور مظلوم کی بہرحال مدد کی جائے گی۔

۳۸۔ اور یہودی اس وقت تک مسلمانوں کے اخراجات برداشت کرتے رہیں گے جب تک وہ مل کر جنگ کرتے رہیں گے۔

۳۹۔ یثرب کا وہ میدان جو پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے اس دستور والوں کے لیے ایک حرم (مقدس مقام) ہوگا۔

۴۰۔ پناہ گزین سے بھی وہی برتاؤ کیا جائے گا جو پناہ دہندہ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ نہ اس کو کوئی نقصان پہنچایا جائے گا اور نہ وہ خود عہد شکنی کرے گا۔

۴۱۔ کسی پناہ گاہ میں وہاں والوں کی اجازت کے بغیر کسی کو پناہ نہیں دی جائے گی (یا کسی عورت کو اس کے کنبے والوں کی اجازت کے بغیر پناہ نہ دی جائے گی)۔

۴۲۔ اہل معاہدہ میں اگر کوئی حادثہ یا قتل اور اختلاف رونما ہو جس سے فساد اور نقص امن کا اندیشہ ہو تو اس فیصلے کے لیے خدا اور خدا کے رسول (ﷺ) سے رجوع کیا جائے گا۔ اس دستور میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ کو اس پر زیادہ سے زیادہ احتیاط اور وفاشعاری پسند ہے۔

۴۳۔ قریش مکہ اور ان کے کسی معاون و مددگار کو کوئی شخص پناہ نہیں دے گا۔

۴۴۔ اگر کوئی یثرب پر حملہ آور ہوگا تو مسلمان اور یہودی دونوں فریق مل کر مدافعت کریں گے۔

۴۵۔ اگر مسلمان کسی سے صلح کریں گے تو یہودی بھی اس صلح کے پابند ہوں گے اور اگر یہود کسی سے صلح کریں گے تو مسلمانوں پر بھی لازم ہوگا کہ یہود کے ساتھ ایسا ہی تعاون کریں البتہ کسی فریق کی اپنی مذہبی جنگ میں دوسرے فریق پر تعاون کی ذمہ داری عائد نہ ہوگی۔

۴۵۔ الف۔ یثرب پر حملہ کی صورت میں ہر جماعت کو اس حصے کی مدافعت کرنا ہوگی جو اس کے بالمقابل ہو۔

۴۶۔ اور اوس کے یہودیوں کو خواہ وہ موالی (حلیف) ہوں یا اصل، وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اس معاہدے میں شریک ہونے والوں کو حاصل ہیں۔ بشرطیکہ وہ بھی خالص وفاداری کا برتاؤ کریں اور وفاشعاری ہوگی نہ کہ عہد شکنی۔ جو جیسا کرے گا ویسا بھرے گا اور خدا اس کے ساتھ ہے جو اس کے مندرجات کی زیادہ سے زیادہ صداقت اور زیادہ سے زیادہ وفاداری کے ساتھ تعمیل کرے۔

۴۷۔ یہ حکم نامہ کسی ظالم یا عہد شکن کے آڑے نہ آئے گا اور جس شخص کو جنگی

ضرورت سے مدینہ سے باہر جانا پڑے تو وہ امن و حفاظت کا مستحق ہو گا اور جو مدینہ میں رہے اس کے لیے بھی امن ہو گا۔ کسی پر ظلم نہ کیا جائے گا اور نہ کسی کے لیے عہد شکنی جائز ہو گی اور خدا اس کا نگہبان ہے جو وفاشعاری اور احتیاط سے تعمیل عہد کرے۔ اس کے لیے اللہ کا رسول محمد (ﷺ) بھی نگہبان ہے۔

میثاقِ مدینہ کا تنقیدی جائزہ

مشہور مصری سکالر محمد حسین ہیکل رقم طراز ہیں کہ:

"یہ تحریری معاہدہ ہے جس کی رو سے حضرت محمد ﷺ نے آج سے ساڑھے تیرہ سو سال قبل ایک ایسا "ضابطہ" معاشرہ انسانی میں قائم کیا جس سے شرکاء معاہدہ میں سے ہر گروہ اور ہر فرد کو اپنے اپنے عقیدے کی آزادی کا حق حاصل ہوا۔ انسانی زندگی کی حرمت قائم ہوئی۔ اموال کے تحفظ کی ضمانت مل گئی۔ ارتکابِ جرم پر گرفت اور مواخذہ نے دباؤ ڈالا اور معاہدین کی یہ بستی (شہر مدینہ) اس میں رہنے والوں کے لیے امن کا گہوارہ بن گئی۔ غور فرمائیے کہ سیاسی اور مذہبی زندگی کو ارتقاء کا کتنا بلند مرتبہ حاصل ہوا۔ جب کہ سیاست اور مدنیت (دونوں) پردستِ استبداد مسلط تھا اور دنیا فساد و ظلم کا معمل بنی ہوئی تھی[۱۰۰]"۔

۱۔ میثاقِ مدینہ رسول اللہ ﷺ کے سیاسی اقتدار کا مظہر

میثاقِ مدینہ محض میثاق نہیں بلکہ یہ ایک دستور ہے جو تحریری ہے اور اس کے لیے لفظ صحیفہ استعمال کیا گیا ہے۔ یہ دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور تھا۔ اس کے دو نمایاں حصے ہیں۔ پہلا حصہ مہاجرین و انصار کے متعلق ہے اور دوسرا یہودیوں کے متعلق۔ مہاجرین و انصار تو اسلام لا چکے تھے اور انصار کے ساتھ بیعت ہائے عقبہ اولیٰ طے پا چکی تھی لیکن یہودیوں کے بارے میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں کہ:

"اس ابتدائی زمانے میں آنحضرت ﷺ کے سیاسی اقتدار کو مان لینا قرین قیاس

نہیں بلکہ دستور کا دوسرا حصہ غزوہ بدر کے بعد کا واقعہ ہے جب کہ ایک زبردست فتح سے مسلمانوں کی دھاک ہر طرف بیٹھ گئی تھی۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میثاق مدینہ کی کڑی کے طور پر ہی آس پاس کے قبائل سے معاہدات کیے"[۱۰۱]۔

۲۔ قبیلہ وارانہ نظام کی روشناسی

چونکہ مدینہ میں مختلف قبائل آباد تھے۔ اس لیے ہر قبیلہ ایک جگہ ہی رہتا تھا۔ ہر محلہ میں نقیب (امیرِ محلہ) عریف (نائب امیرِ محلہ) سقیفہ (اجتماع گاہ) ہوتے تھے۔ انصار اس بارے میں پہلے ہی واقف تھے۔ صرف مہاجرین اس نظام سے ناآشنا تھے چنانچہ عدالتی و معاشرتی مقاصد کے لیے مہاجرین کو بھی ایک قبیلہ قرار دے دیا گیا۔ علاوہ بریں دستورِ مدینہ نے یہ بھی قرار دے دیا کہ اگر کوئی محلہ وار مجلس اپنے کسی اہلِ محلہ کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے اہل نہ ہو تو دیگر مجالس اس کی اعانت کریں گی۔ اس بات کو بھی نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کردیا گیا کہ اگر کسی قبیلے میں موالی (ملحقہ خاندان) ہوں تو ایسے موالی کو اپنے اصل سے اختلاف کا حق قطعاً حاصل نہ ہوگا اور نہ ہی ایک شخص کے مولا کو کوئی شخص اصل کی اجازت کے بغیر مولا بنائے گا۔

۳۔ مدینہ کو حرم قرار دینا ایک سیاسی کارنامہ

اس دستور نے مدینہ کو حرم قرار دیا۔ مذہبی لحاظ سے وہاں خون ریزی کی ممانعت ہوگئی:

"مدینہ کو حرم قرار دینے کے بعد اس کی حدود کا تعین کرکے اس کی سرحدوں پر چھوٹے چھوٹے مینار حضرت کعبؓ بن مالک کی نگرانی میں تعمیر کیے گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہودیوں سے ایک نیم عرب شہر کو حرم منوا لینا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک سیاسی کارنامہ تھا"[۱۰۲]۔

۴۔ مرکزی حکومت کے قیام کی طرف ایک اہم اقدام

مملکتِ مدینہ کو وحدت اسی دستور کی بدولت حاصل ہوئی۔ معاہدے نے فریقین کو اس بات کا پابند کردیا کہ وہ تمام دنیا کے مقابل اسے ہی محترم جانیں گے۔ میثاقِ مدینہ نے جزیرہ نما عرب میں پہلی بار ایک مرکزی حکومت کی اساس رکھی۔ اس سے قبل عرب میں نظامِ قبائلیت رائج تھا جس میں ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کے ساتھ برسرِ پیکار رہتا تھا۔ ہر طرف عام لاقانونیت کا راج تھا۔ مسلمانوں کی مرکزی حکومت سے پہلے مظلوم کو اپنے انتقام کی آگ سرد کرنے کے لیے اپنی یا اپنے قبیلے کی قوت پر انحصار کرنا پڑتا تھا۔ اس دستاویز نے اس افراتفری کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاتمہ کردیا اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی نصرت کا راستہ دکھایا۔

میثاقِ مدینہ کے بارے میں مختلف آراء

میثاق مدینہ کی اہمیت، مسلم مؤرخین سے کہیں زیادہ مستشرقین نے محسوس کی۔

۱۔ پروفیسر نکلسن لکھتے ہیں:

"Ostensibly a cautious and tactful reform, it was in reality a revolution. Mohammad durest not strike openly at the independance of the tribes, but he destroyed it, in effect, by shifting The centre of power from the tribe to the community; and although the community included Jews and pagans as well as Moslems, he fully recognised, what his opponents failed to foresee, that the Moslems were the active, and must soon be the predominant, partners in the newly founded state." (103)

(بظاہر یہ ایک محتاط اور دانشمندانہ اصلاح ہے۔ حقیقت میں یہ انقلاب ہے۔

محمد (ﷺ) نے قبائل کی آزادی پر کھلم کھلا تو ضرب نہ لگائی لیکن اسے ختم کر ڈالا۔ کیونکہ آپ نے کعبہ کے قبائلی مرکز کو مرکزیت میں رنگ دیا، اگرچہ اس وحدت میں یہودی، مشرکین اور مسلمان سبھی شریک تھے لیکن آپ بخوبی اس حقیقت کو سمجھتے تھے کہ اس نوزائیدہ ریاست میں فعال اور بااثر حصہ دار مسلمان ہی ہیں۔ اس حقیقت کو آپ کے مخالفین پہلے نہ دیکھ سکے)۔

۲۔ سید امیر علی نے لکھا ہے:

The first char– ter of freedom of conscience"[104]

(یہ ضمیر کی آزادی کا پہلا چارٹر ہے)۔

۳۔ ہر قبیلہ ایک اکائی

اس معاہدے میں دس یہودی قبائل کا ذکر آیا ہے، شرکاء معاہدہ میں سے ہر گروہ کو اپنے اپنے عقیدہ کی آزادی حاصل تھی۔ ہر گروہ کے رواجات کو برقرار رکھا گیا۔ یہودیوں نے ایک اکائی کی حیثیت سے مدنی وفاق میں شرکت اختیار نہیں کی تھی بلکہ ہر قبیلہ اپنی جگہ ایک اکائی تھا[۱۰۵]۔

ابتداء میں مدینہ کے تین یہودی قبائل جن میں بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع شامل تھے وہ اس معاہدے میں شریک نہ تھے لیکن کچھ عرصے کے بعد وہ بھی اس معاہدے میں شریک ہوگئے، کہ یہ ایک لچک دار اور قابلِ عمل دستور تھا[۱۰۶]۔

۴۔ میثاقِ مدینہ پیغمبر اعظم ﷺ کی فرزانہ سیاست کا مظہر

میثاقِ مدینہ حضور ﷺ کی بے نظیر اور فرزانہ سیاست کی نشاندہی کرتا ہے آپ ﷺ نہ صرف اپنے زمانے کے بلکہ ہر دور کے سربراہ ہیں آپ ﷺ نے ایک ایسے معاشرے کی بنیاد رکھی جو عالمگیر انسانیت کا داعی تھا۔ اگر یہودی اس معاہدے کی پابندی کرتے تو دنیا پر

آشکار ہوجاتا کہ مدینہ کی ریاست میں مختلف اقوام کس عدیم المثال اتحاد و امن کے ساتھ زندگی بسر کر رہی ہیں۔

۵۔ میثاقِ مدینہ پوری دنیا کے لیے ایک رہنما اصول

یہ دستاویز نہ صرف اپنے زمانے میں اہمیت کی حامل تھی بلکہ اس نے آنے والے تمام مسلمان حکمرانوں کے لیے بھی رہنما اصول مہیا کیے کہ وہ اپنی غیر مسلم رعایا کے ساتھ کس طرح سلوک کریں۔ یہ انسانیت کا اولین دستور ہے۔ بعد کے تمام دساتیر و منشور بشمول اقوامِ متحدہ کے منشور اسی کا چربہ ہیں۔

۶۔ میثاقِ مدینہ وفاقی طرز کی شہری مملکت کا پیش خیمہ

اس دستاویز کا مدینہ منورہ کی داخلی حیثیت پر یہ بڑا خوش گوار اثر پڑا کہ مہاجرینِ مکہ، انصارِ مدینہ، مدینہ کے غیر مسلم اور یہود، اور ان کے متبعین کے اشتراک سے ایک وفاقی طرز کی شہری مملکت وجود میں آگئی اور اس کے سربراہ حضور نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس تسلیم کرلی گئی اور یہ مسلمانوں کی اور اسلام کی زبردست سیاسی کامیابی تھی۔

۷۔ میثاقِ مدینہ قریش کی اہم محرومی کا سبب

میثاقِ مدینہ سے ایک اہم فائدہ یہ ہوا کہ قریش ایک اہم حلیف یہود سے محروم ہوگئے۔

سلامی ریاست کا قیام

میثاقِ مدینہ ایک لحاظ سے اسلامی ریاست کے قیام کا پیش خیمہ تھا۔ چونکہ حضور ﷺ
. نما تسلیم کرلیا گیا تھا اس لیے اسلام نے ایک نئی کروٹ لی اور مسلمان قوم کی زندگی نے
ے نئے دور میں قدم رکھا۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ مدینے میں آنے کے بعد اسلامی ریاست کی
بنیاد پڑ گئی۔ حکومت کا قیام، ریاست کی تعمیر، اسلام کا کوئی مقصود نہیں۔ اسلام تو
ف ایک مثالی قسم کا صالح معاشرہ تعمیر کرنا چاہتا ہے۔ جو حکومت سے بہت وسیع تر مفہوم

رکھتا ہے اور نظامِ حکومت اس کا ادنیٰ ساجز ہے۔

اسلام سے قبل عرب میں کسی منظم حکومت کا وجود نہ تھا۔ عرب چند متفرق قبائل کا مجموعہ تھا۔ جن کے مابین کوئی قدرِ مشترک نہ تھی۔ ہر قبیلہ اپنے رسوم و رواج کا پابند تھا۔ کوئی قبیلہ کسی دوسرے قبیلے کی سیادت اور کسی دوسرے شخص کی ماتحتی قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ قبیلے کے سردار کو بھی برائے نام اختیارات حاصل ہوتے تھے۔ دراصل ہر شخص اپنی مرضی کا مالک اور خود مختار تھا۔ ہر طرف قتل و غارت گری کا بازار گرم تھا۔ طاقت ور لوگ کمزوروں کے حقوق غصب کرنا اور ان پر ظلم و ستم توڑنا اپنا حق سمجھتے تھے[۱۰۷]۔ لیکن اسلام نے آکر ان کے افتراق و انتشار کو ختم کردیا جو صدیوں سے قبائلِ عرب میں پایا جاتا تھا اور ایک منظم حکومت قائم کرکے تمام عرب کو ایک لڑی میں پرو دیا۔ تاہم یہ وضاحت کردینی ضروری ہے کہ عرب میں منظم حکومت کا قیام محض اس لئے عمل میں آیا کہ تمام عربوں نے اسلام قبول کرکے رسول اللہ ﷺ کو اپنا رہنما و حاکم تسلیم کرلیا تھا۔ ویسے اسلام کا حقیقی مقصد حکومت اور سلطنت قائم کرنا نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو صرف رسول بنا کر بھیجا تھا اور تمام دنیا تک پیغامِ حق پہنچانے کا عظیم الشان کام آپ کے سپرد کیا گیا تھا[۱۰۸]۔

فتح مکہ کے موقع پر ابوسفیان نے حضرت عباسؓ سے کہا تھا: "واللّٰہ یااباالفضل اصبح ملک ابن اخیک الیوم عظیماً" (خدا کی قسم! اے ابوالفضل تمہارا بھتیجا آج بہت بڑا بادشاہ بن گیا ہے۔) تو انہوں نے کہا: "انھاالنبوۃ"[۱۰۹] (یہ بادشاہت نہیں بلکہ نبوت ہے)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نبی اور رسول تھے حاکم و بادشاہ نہیں تھے۔ اسلام کو اللہ تعالیٰ نے "انّ الدین عنداللّٰہ الاسلام"[۱۱۰] کا مقام دیا ہے۔ جس کا تقاضا یہ تھا کہ اس کے پیروکار یک جہتی اور یگانگت اختیار کرکے ایک دوسرے سے بھائیوں جیسا

سلوک کریں اور اپنے مثالی کردار کے ذریعے دوسروں کی ہدایت کا سامان کریں۔ اگر رسول اللہ ﷺ کا مقصد بادشاہت کا قیام ہوتا تو آپ کے پیروؤں میں روحانیت اور اخوت قائم نہ ہو سکتی اور وہ مذہب کی حقیقی روح کو بھول کر سلطنت پر قبضہ کرنے کے لیے باہم دست و گریبان ہو جاتے۔

اسلامی ریاست کا مقصد

اسلام نے حکومت یا ریاست کا مقصد ایک صلح اور پاکیزہ معاشرے کا قیام قرار دیا ہے۔

ارسطو نے لکھا ہے کہ: "ریاست کی غرض و غایت یہ ہے کہ اہلِ ریاست کے لیے حسنِ سیرت اور خوبیٔ کردار کا ذریعہ بنے۔ اس کا وجود ہے تو خیر کی زندگی کے لیے، لہذا اس کے قوانین ایسے ہونے چاہئیں جن سے لوگوں میں صفاتِ خیر کی پرورش ہو"[۱۱۱]۔

اس کے نزدیک ریاست کے دو مقاصد ہیں:

۱۔ اس فطری تقاضے کو پورا کرنا کہ انسان ایک دوسرے سے میل جول پر مائل ہوں۔

۲۔ اس مشترکہ مفاد کی تکمیل جس کی حیثیت محض معاشی نہیں بلکہ اچھی زندگی کا حصول اور اس کے لیے ایسے نظامات (نظامِ عدالت) کا قیام ہے جو انسان کے لیے خیر کا موجب ہوتے ہیں چنانچہ ریاست کا سب سے بڑا فریضہ حصولِ خیر ہی ہے[۱۱۲]۔

اردشیر شہنشاہ ایران نے اپنے بیٹے سے کہا تھا: "ان الملک والعدل اخوان لاغنی باحدھما عن الاخر فالملک أس والعدل حارس"[۱۱۳]۔ (ریاست اور عدل دو بھائی ہیں جو لازم و ملزوم ہیں اور ایک دوسرے کے بغیر ان کا وجود بے فائدہ ہے۔ ریاست تو بنیاد ہے اور عدل محافظ۔) لہذا ریاست کا وجود رعیت کی بہتری ہی کے لیے ہے۔

اسی مفہوم کے پیشِ نظر مدنی زندگی میں اسٹیٹ یا ریاست کی بنیاد پڑ گئی۔ یہاں سے

اب درست اسلامی ریاست کے قیام کی حرکت تیز ہو گئی۔ حضور نبی کریم ﷺ کی حکومت ایسی حکومت تھی اور اس کا مقصد دعوتِ دین، اصلاحِ اخلاق اور تزکیہ نفس تھا۔ قرآن مجید میں اسلامی ریاست کا مقصد متعین کر دیا گیا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے: "الذین ان مکناهم فی الارض اقاموا الصلٰوة وآتوا الزکوٰة وامروا بالمعروف ونهوا عن المنکر ولله عاقبة الامور"(۱۱۴)۔ (یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین پر اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔)

اسی ایک آیت میں اسلامی حکومت کے نصب العین اور اس کے کارکنوں اور کارفرماؤں کی خصوصیات کا جوہر نکال کر رکھ دیا ہے اور یہ بتا دیا ہے کہ اسلامی حکومت فی الواقع کسی چیز کا نام ہے۔

مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کا پہلا خطبہ

چنانچہ نبیِ کریم ﷺ نے مدینہ منورہ میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلا خطبہ جو ارشاد فرمایا۔ اس میں اسلامی ریاست کے فرائض و مقاصد ہی کا تذکرہ ہے۔ سب سے زیادہ زور تقویٰ، خوفِ خدا اور پاکیزہ و صالح قسم کے معاشرے کے قیام پر دیا ہے۔ جو اسلامی ریاست کی اساسیات و مبادیات کی سمت ٹھوس اقدام ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"تمام تعریفیں صرف خدا ہی کے لیے ہیں۔ میں اس کی تعریف بیان کرتا ہوں۔ اسی سے مدد کا خواستگار ہوں، اسی سے بخشش طلب کرتا ہوں اور اس کے منکر کا مخالف ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں ہے۔ صرف وہی ایک خدا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ حضرت محمد ﷺ اس کے خاص بندے اور رسول ﷺ ہیں، جنہیں خدا نے ہدایت، نور اور سرتاپا نصیحت بنا کر مبعوث فرمایا۔ جب کہ پیغمبروں کو دنیا میں آئے ہوئے کافی وقفہ ہو چکا تھا، علم کم ہو چکا تھا، گمراہی عام ہو چکی تھی۔ جہالت پر طویل زمانہ گزر چکا

تھا، قیامت اور آخرت کے قرب کا زمانہ آگیا تھا۔ پس جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی وہ ہدایت پا گیا اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا اور کھلی گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔

میں تمہیں زہد و تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت کرتا ہوں کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کو اس سے بہتر نصیحت نہیں کرسکتا۔ اس کے بعد کا درجہ یہ ہے کہ بھائی ایک دوسرے کو آخرت کی ترغیب دیں اور اسے تقویٰ کی ہدایت کریں۔ پس خدا نے جس بات سے تمہیں بچنے کا حکم دیا ہے اس سے بچو۔ اس سے بہتر اور کوئی نصیحت نہیں ہے اور نہ اس سے افضل اور کوئی ذکر ہے۔ حقیقی تقویٰ اس کا ہے جو دل میں اپنے رب کا خوف اور اخروی امور کی صداقت کا جذبہ لیے ہوئے اس پر عمل کرے اور جو شخص اپنے اور اپنے خدا کے درمیان معاملہ کو ظاہر و باطن میں ٹھیک رکھے اور اس سے صرف اللہ کی خوشنودی کی نیت رکھے تو یہ عمل دنیا میں اس کے ذکرِ خیر کا باعث اور موت کے بعد ذخیرہ آخرت ہوگا۔ جس روز انسان اپنے پچھلے اعمال کا محتاج ہوگا اور اس کے سوا جو کچھ ہوگا اس کے متعلق وہ خواہش کرے گا کہ کاش اس کے اور اس کے عمل کے درمیان طویل مدت کا فاصلہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے عذاب سے بھی ڈراتا ہے ساتھ ہی وہ اپنے بندوں پر بہت مہربان بھی ہے۔ اللہ اپنے قول میں صادق اور اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا ہے، اس کا ارشاد ہے:

"مایبدل القول لدی ومااانا بظلام للعبید"[۱۱۵]

پس اے لوگو اپنے دنیوی و اخروی سب امور میں ظاہر و باطن میں اللہ سے ڈرو کیونکہ جو خدا سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی برائیوں کا کفارہ کردیتا ہے اور اس کے اجر میں اضافہ فرمادیتا ہے جو خدا سے ڈرتا ہے وہ عظیم الشان کامیابی حاصل کرتا ہے۔ اللہ سے تقویٰ انسان کو خدا کے غضب اور ناراضی سے محفوظ رکھتا ہے خدا کا تقویٰ متقیوں کے چہروں کو سفید و منور رکھے گا۔ اس کے رب کو راضی کردے گا۔ اس کے مراتب بلند کردے گا۔

اے لوگو! اپنا اپنا حصہ حاصل کرلو اور اللہ کے معاملہ میں زیادتی سے کام نہ لو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی کتاب کی تعلیم دی اور تمہاری نجات کے لیے ایک طریقہ مقرر فرمادیا تاکہ وہ اس کی تصدیق کرنے والوں اور اس کے جھٹلانے والوں کو جان لے۔ پس جس طرح خدا نے تم سے بھلائی کی ہے تم بھی بھلائی کرو۔ خدا کے دشمنوں سے تم بھی عداوت رکھو۔ اس کی راہ میں جہاد کا حق پوری طرح ادا کرو۔ اس نے تمہیں اسلام کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ اور تمہارا نام مسلمان رکھا ہے تاکہ وہ جسے ہلاک کرے اسے قطعی دلیل کے ساتھ ہلاک کردے اور جسے زندہ رکھے اسے دلیل کے ساتھ زندہ رکھے۔ خدا کے سوا کائنات میں کوئی اور طاقت نہیں ہے۔ پس تم لوگ اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرو اور آخرت کے لیے نیک عمل کرتے رہو۔ کیونکہ جس نے اپنے اور خدا کے درمیان کا معاملہ ٹھیک کرلیا تو خدا اس کے اور لوگوں کے درمیان ہونے والے معاملات کے لیے کافی ہوگا۔ اس لیے کہ اللہ لوگوں پر حکم چلاتا ہے لوگ اس پر حکم نہیں چلاتے اور اللہ ہی لوگوں کے معاملات کا مالک و مختار ہے۔ لوگ اس کے معاملات کے مختار نہیں۔ اللہ بہت بڑا ہے اور کائنات میں کوئی طاقت سوائے خدائے عظیم کی طاقت کے نہیں ہے(۱۱۶)"۔

یہ سب سے پہلا خطبہ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں پہلے جمعہ میں ارشاد فرمایا(۱۱۷)۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ "شاید یہ عام خطبہ تھا کہ مکہ سے واپسی پر عام لوگوں میں ایک اعلان ہے(۱۱۸)"۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اس پورے خطبہ میں اہل مکہ، ان کے آپ کے خلاف بغض، عناد اور کفر پر اصرار اور مسلمانوں کی ایذا رسانی اور حضور ﷺ کے قتل کی گھناؤنی سازشوں کا ذرا بھی ذکر نہیں فرمایا۔ بلکہ اس میں صرف مسلمانوں کو تقویٰ کی ترغیب دینے اور انہیں اللہ کی یاد دلانے تک محدود رکھا۔ حق و صداقت کے بیان میں آپ کا یہ طرزِ عمل انتہائی ادب و شائستگی اور بردباری و درگزر کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ ورنہ اگر حضور ﷺ کے

علاوہ کوئی دوسرا ہوتا تو اسے غیظ و غضب بھڑکا دیتا اور وہ اس موقع پر کفار کے عیوب بیان کرتا۔ کیونکہ انہوں نے ہی آپ.کو رسوا کیا، آپ پر مظالم ڈھائے اور آپ کو اپنے محبوب وطن سے باہر نکالا اور وہ لوگ آپ کے خدائی پیغام کو بندوں تک پہنچانے کی راہ میں رکاوٹ بنے رہے۔ درحقیقت اللہ کا فرمان سچ ہے کہ:

"انک لعلٰی خلق عظیم"[۱۱۹]۔ (اے محمد! یقیناً آپ عظیم الشان اخلاق پر فائز ہیں)

بے شک یہ عظیم الشان اخلاق اور انتہائی ادب ہے۔

اسلامی ریاست کے مرکز کی تعمیر اور نظام مواخات

اسلامی ریاست کے قیام کے ساتھ ہی نبی کریم ﷺ نے اپنے سفارتی مشن اور عالمی دعوت کی انجام دہی کے لیے سب سے پہلے دو اہم کاموں کی طرف توجہ مبذول فرمائی اور اولین فرصت میں ان کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

۱۔ مسجدِ نبوی ﷺ (ہیڈ کوارٹر) کی تعمیر:

۲۔ مہاجرین اور انصار میں مواخات:

۱۔ مسجدِ نبوی ﷺ کی تعمیر

عالمی امور

سفارتی مشن کے مدینہ منورہ میں آغاز کے سلسلے میں نبی کریم ﷺ نے اسلامی مرکز (مسجدِ نبوی ﷺ) کی تعمیر کی طرف توجہ فرمائی[۱۲۰]۔ اس لیے کہ اسی کو دعوت و رشد کا عالمی مرکز، اسی کو ساری مہمات کے لیے دارالشوریٰ، اسی کو مقدمات کے فیصلوں کے لیے دارالقضاء، (عدالتِ عالیہ)، اسی کو تبلیغِ عام کے پیغامبروں کے لیے دارالتبلیغ، اسی کو وفود اور سفراء کے لیے سفارت خانہ، اسی کو تعلیماتِ نبوی ﷺ کے لیے درس گاہ، اسی کو دنیا کے امن و سکون اور فلاح و صلاح کے لیے مجلسِ مقننہ (قانون ساز اسمبلی)، اسی کو جہاد اور ہر قسم کے

غزوے اور سریئے کے لیے چھاؤنی، اسی کو شریعت و طریقت، حقیقت و معرفت کے لیے مرکزِ رشد و ہدایت، اسی کو ساری تاریکیوں اور اندھیروں کے لیے منارۂ روشنی، اسی کو ذکرِ الٰہی اور تسبیح و تقدیس کے لیے زاویۂ قدس، اسی کو خاصانِ خدا کی عبودیت کے لیے سجدہ گاہ اور خطاکاروں کے عفو و بخشش کے لیے انابت گاہ، اسی کو مادیت کی دنیا میں "روضۃ من ریاض الجنۃ"(۱۲۱) اسی کو اجتماعِ خاص، اجتماعِ عام، نظمِ جماعت، نظامِ ملت کے لیے اور شب و روز کی تعلیم و تربیت کے لیے تربیت گاہ(۱۲۲)۔

مختصر یہ کہ کونین کی سعادت، دارین کی فلاح کے لیے ضمانت گاہ بننا تھا۔

۲۔ نظامِ مواخات

مواخات کی اہمیت

اسلامی ریاست، دارالہجرت میں دوسرا اہم کام مہاجرین کے معاش کا مسئلہ تھا جس کا اب تک کوئی مضبوط اور منظم انتظام نہ تھا، اس کی اہمیت اس وجہ سے اور زیادہ تھی کہ مہاجرین بالکل بے سروسامان مدینہ منورہ آئے تھے اور قریش کی روک ٹوک کی وجہ سے یہ کچھ بھی اپنے ساتھ نہ لائے تھے۔ حالانکہ ان میں بعض ذی حیثیت اور صاحبِ ثروت تھے۔ حضور ﷺ نے ان کے قیام و طعام کا یہ حل فرمایا کہ انصار کو طلب فرمایا۔ لوگ حضرت انسؓ بن مالک کے مکان میں جمع ہو گئے تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"تاخوا فی اللہ اخوین اخوین"(۱۲۳)۔ (اللہ کی راہ میں دو دو شخص بھائی بھائی بن جاؤ)

اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑلیا اور فرمایا کہ "یہ میرا بھائی ہے"(۱۲۴)۔ پھر مہاجرین اور انصار میں سے دو دو شخصوں کو بلا کر فرمانے لگے کہ:

"تم اور یہ باہم بھائی بھائی ہو۔ اس سے شیرازہ مجتمع ہو گیا۔ پردیس کی وحشت دور ہو گئی اور عزیز و اقارب کی جدائی کا غم دور ہو گیا"(۱۲۵)۔

۱۔ انتظامِ طعام

اس حل کو انصار نے کس طرح سُنا اور اس پر کس طرح عمل کیا؟ بخاری شریف میں ہے:

"انصار نے اپنی طرف سے یہ پیش کش کی کہ ہمارے نخلستان کو ہمارے بھائیوں کے درمیان تقسیم فرمادیجئے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ نہیں بلکہ نخلستان کی محنت و مشقت اوراخراجات کی ذمہ داری تم ہی اپنے ہاتھ میں رکھو اور پھلوں میں مہاجرین کو شریک کرو۔ انصار نے کہا۔ قبول و منظور ہے"(۱۲۶)۔

انصار کے پاس جو کچھ کائنات تھی وہ یہ نخلستان تھے۔ اس کی پیش کش کے معنی اپنی پوری کائنات کی نذر تھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ جب حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

"مہاجرین آمدنی میں توشریک ہوں گے۔ لیکن محنت اوراخراجات سب تم ہی کو ادا کرنے ہوں گے۔ توسب نے بلاکسی تردد کے خندہ پیشانی اور پوری بشاشتِ قلب سے عرض کیا کہ ہم کو منظور ہے"(۱۲۷)۔

۲۔ انتظامِ قیام

انصار نے مہاجرین کے معاشی یعنی طعام کے ساتھ انتظامِ قیام کا بھی یہ بندوبست کیا کہ اپنے گھروں کے پاس جو افتادہ زمینیں تھیں وہ ان کو دے دیں۔ جن کے پاس زمین نہ تھی انھوں نے اپنے رہائشی مکان میں حصہ دار بنالیا(۱۲۸)۔

مواخات کا یہ معاملہ سنہ ۶ھ تک اسی طرح قائم رہا لیکن جب سنہ ۷ھ میں خیبر کی فتح ہوئی تو مہاجرین نے انصار کو نخلستان واپس کردیئے صحیح مسلم میں ہے کہ:

"نبی کریم ﷺ جب جنگ سے فارغ ہوئے اور مدینہ منورہ سے تشریف لے آئے، تو مہاجرین نے انصار کے ان عطیوں کو جو انھوں نے مہاجرین کو نخلستان کے پھلوں کی صورت میں دیئے تھے، واپس کردیا"(۱۲۹)۔

۳۔ اتحادِ مذاق کا لحاظ اور اخلاقی تربیت

اسلام تہذیبِ اخلاق اور تکمیلِ فضائل کی شاہنشاہی ہے۔ اس سلطنتِ الٰہی کے لیے وزراء، اربابِ تدبیر، سپہ سالارانِ لشکر، ہر قابلیت کے لوگ درکار ہیں۔ شرفِ صحبت کی برکت سے مہاجرین میں ان قابلیتوں کا ایک گروہ تیار ہوچکا تھا اور ان میں یہ وصف پیدا ہو گیا تھا کہ ان کی درس گاہِ تربیت سے اربابِ استعداد تربیت پا کر نکلیں۔ اس بنا پر جن لوگوں میں رشتہ اخوت قائم کیا گیا ان میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا کہ استاد اور شاگرد میں وہ اتحادِ مذاق موجود ہو جو تربیت پذیری کے لیے ضروری ہے۔ پوری چھان بین اور تحقیق کے بعد یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جو شخص جس کا بھائی بنایا گیا دونوں میں یہ اتحادِ مذاق ملحوظ رکھا گیا اور جب اس بات پر لحاظ کیا جائے کہ اتنی کم مدت میں سینکڑوں اشخاص کی طبیعت اور فطرت اور مذاق کا صحیح اور پورا اندازہ کرنا، قریباً ناممکن ہے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ شانِ نبوت کی خصوصیات ہیں۔

۴۔ قبائلی تعصب اور جاہلی روگ کا خاتمہ

مواخات کے ذریعے ایک اہم کام یہ لینا تھا کہ ان کے مزاج سے قبائلی تعصب اور جاہلی روگ کو دور کردیا جائے جو اسلامی مزاج کے منافی ان کے رگ و ریشے میں پیوست تھا اور پشت با پشت سے عربوں میں پایا جاتا تھا۔

۵۔ عالمی وحدت اور جماعتی زندگی کا شعور

اسلام، عالمی مشن ہونے کے لحاظ سے روزِ اوّل سے عالمی مرکزیت اور عالمی وحدت کا داعی تھا اور اس کے مقاصد میں اس بات کو اولیت کا درجہ حاصل تھا کہ اپنے پیروؤں میں روزِ اول ہی سے تنظیمِ شرعی کی روح پیدا کردے اور جماعتی زندگی کو ان کے تمام شعبۂ حیات میں جاری و ساری کردے تاکہ قبائلی اختلاف کے باوجود اجتماعی مقصد اور شرعی تنظیم کے علم بردار بن

سکیں اور قبائلی عصبیت پر مرمٹنے کے بجائے اجتماعی مقصد پر مٹنا سیکھیں اور ساری دنیا پر اس کو پیش کریں اور سکھائیں اور عالمی و سفارتی مشن کے اولین ادا کار ہونے کے لحاظ سے وہ دنیا کے سامنے اس کا نمونہ اور اسوہ بن کر پیش ہوں کہ اسلامی ناطے سے ہم سب بھائی بھائی ہیں اور ہم سب کی گردن میں ایک قلادہ "لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کا ہے۔ اس طرح شرعی تنظیم کی روح اجاگر کردی گئی۔

ریاستِ مدینہ کی خارجہ پالیسی

رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی تعلیمات کا آغاز قریش اور ان کے اتحادیوں سے کیا جن کا مغربی ساحل کے نصف سے اوپر کے حصہ پر قبضہ تھا۔ پھر آپ نے مرکز کے لاتعداد قبائل کو اسلام کی دعوت دی اور آخر میں صنعاء، حیرا اور غسان کے یمنی حکمرانوں کو توحید اور رسالت کی طرف بلایا۔

اس وقت رومی سلطنت اپنے مشرقی اور مغربی کروں میں زوال پذیر ہورہی تھی اُسے کئی طرح کے کینسر لگ چکے تھے، لیکن دوسری طرف بازنطینی صناعوں نے ایسے مضبوط گودام تعمیر کررکھے تھے جہاں سامانِ حرب کے ڈھیر اور انبار لگے ہوئے تھے۔ وہاں جہازوں، منجنیقوں اور طاقت ور قلعوں کی کمی نہ تھی۔ اپنے وقت کے تقاضوں کو پورا کرنے والی جدید فوجی اکادمیاں تھیں جہاں جنگی چالوں کی اعلیٰ ترین تربیت دی جاتی تھی۔ لیکن ان ہتھیاروں کو مؤثر استعمال کرنے والے افراد کا فقدان تھا، ایسے افراد جو جنگ کے نظریوں کا عملی نمونہ بن سکیں۔

جزیرہ نما عرب کے مشرق میں عظیم الشان سلطنتِ ایران تھی جہاں خسرو دوم اپنے دادا خسرو اول کے عظیم کارناموں کو دہرا رہا تھا۔ اس کی سلطنت کا دفاع کرنے کے لیے اس کے پاس بھاری افواج اور مستحکم قلعہ جات تھے۔ اس کی افواج نے حال ہی میں کاکیدان پر قبضہ کیا تھا اور اب دمشق اور بیت المقدس کو زیر کرنے کے لیے اس کے اشارے کی منتظر

تھیں۔ ایرانی افواج یقیناً وہاں بھی فتح یاب ہوئیں اور ممکن ہے کہ وہ اس کے بعد یثرب، مکہ اور صنعاء کا رخ کرتیں۔

اب رہی عیسائیت، تو اس کا پیغام مظلومین میں اعتماد پیدا کرنے کے لیے کافی تھا۔ اس کی تعلیمات کم مبہم تھیں اس نے اخوت اور نیکی کا پرچار کیا۔ شرک سے نفرت کرنے والوں نے اس کے دامن میں پناہ لی لیکن عیسیٰ علیہ السلام کا زہد اس کی بنیادیں مستحکم نہ کرسکا۔ جلد ہی عیسائیوں نے مسیح کو خدا کا فرزند قرار دے دیا۔ اس طرح عیسیٰ علیہ السلام کی تمام تر کاوشوں پر پانی پھر گیا۔ کلیسا بے شمار فرقوں میں بٹ گیا اور عیسیٰ علیہ السلام سے محبت کا مطلب خون ریزی، قتلِ عام اور ظلم کرنا سمجھ لیا گیا۔ جن لوگوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کا الٹا اثر قبول کیا اور اس کا پرچار کیا انہیں کلیسا کا سینٹ تسلیم کرلیا گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی تبلیغ اس طریقے سے کی کہ لوگ از خود اس کی طرف مائل ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ ہجرت کرنے سے پہلے بیعتِ عقبہ اولیٰ و بیعتِ عقبہ ثانیہ کے ذریعے سے اہلِ یثرب کی رضامندی حاصل کی پھر ان کی درخواست پر ہجرت فرمائی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ پہنچ کر قبائل سے ایک معاہدہ طے کیا جسے میثاقِ مدینہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ دنیا کا پہلا تحریری دستور تھا جس سے اسلام کی حقانیت ممتاز ہو گئی۔

یہ معاہدہ ان لوگوں سے طے کیا گیا جو ظلم اور گناہ کی راہ میں تیزرو تھے۔ اس نے آنے والے دنوں کے لیے راہنما اصول مرتب کر دیئے۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاست خارجہ جیوپالیٹکس کے اصول کے تابع نہ تھی بلکہ عالم گیر نوعیت کی حامل تھی۔ اگر اسلام اس اصول کو تسلیم کرتا تو جزیرہ نما عرب تک ہی محدود رہتا۔ زمین کے ہر گوشے میں نسلِ انسانی کے جو افراد بھی چاہیں۔ ان اصولوں کو قبول کرسکتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کا پیغام بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لیے تھا۔ جب کہ آپ تمام بنی نوع انسان کی طرف مبعوث فرمائے گئے۔ اسلام سے قبل دنیا نسل، زبان اور رنگ کے

تین دائروں میں منقسم تھی۔

انسانیت کا احترام نام کو نہ تھا۔ آتش کدہ فارس میں انسانی عظمت جل کر راکھ ہورہی تھی۔ یونان کی حکمت نے وجود زن کو کائنات کے لیے لعنت تشخیص کیا اور بت کدہ ہند میں دیوتاؤں کے قدم عورت کی مقدس قربان گاہ تھے عربوں کو اپنی زبان کی فصاحت پر اتنا ناز تھا کہ وہ ایرانیوں کو عجمی کہا کرتے تھے۔ ایرانی سفید فام تھے اور اس پر اتنا اترائے تھے کہ حبشیوں اور ہندوستانیوں کو کوے کہتے۔ ہندوستان میں معاشرہ چار ذاتوں میں بٹا ہوا تھا۔ اسلام آیا تو اس نے کہا: "واختلاف السنتکم والوانکم ان فی ذلک لآیات"[130]۔ (اور تمہاری زبانوں اور رنگت کا اختلاف ہے یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں)

اسی فرمان الٰہی کے پیشِ نظر اسلامی حکومت میں بلالؓ حبشی اور صہیبؓ رومی میں کوئی فرق نہ رہا۔ حجتہ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

"لوگو! تم سب آدم کے بیٹے ہو، اور آدم مٹی سے بنائے گئے تھے کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت حاصل ہے نہ گورے کو کالے پر برتری۔ اللہ کے نزدیک شرافت اور بزرگی کا معیار تقویٰ اور پرہیز گاری ہے"[131]۔

اسی لیے نہ ترکوں نے حبشیوں کی کبھی لنچنگ کی اور نہ عربوں نے چینیوں کے ساتھ پر امن زندگی گزارنے میں کوئی دشواری محسوس کی۔ آپ نے فرمایا تھا کہ "الخلق عیال اللہ"[132]۔ اسی لیے تمام تفرقے، تمام امتیازات اور تمام حد بندیاں دفعتاً ٹوٹ گئیں۔

اسلام نے نسلی امتیاز کی نفی کرتے ہوئے فرمایا:

۱۔ " الذی احسن کل شئی خلقه وبدأ خلق الانسان من طین ثم جعل نسله من سلالة من ماء مهین[133]"۔ (جو چیز بھی اس نے بنائی، خوب ہی بنائی۔ اس نے انسان کی تخلیق کی ابتدا گارے سے کی۔ پھر اس کی نسل ایک ایسے ست سے چلائی جو حقیر

پانی کی طرح کا ہے)

۲. "انما المؤمنون اخوة فاصلحوا بین اخویکم واتقوا الله لعلکم ترحمون[۱۳۴]". (مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ لہذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو اور اللہ سے ڈرو، امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا)۔

۳. "ان اکرمکم عند الله اتقکم[۱۳۵]". (در حقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ عزت والاوہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے)۔ ایک موقعہ پر آپ ﷺ نے فرمایا:

"ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اور مسلمان، مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں"[۱۳۶]۔

اسلام نے پہلے مذاہب کو جھٹلایا نہیں بلکہ سب کو تسلیم کیا اور باقی رکھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وانزلنا الیک الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیه من الکتاب"[۱۳۷]. (اور ہم نے آپ کی طرف کتاب کو حق کے ساتھ نازل کیا جو کہ آپ سے پہلے کتابوں (مذاہب) کی تصدیق کرنے والی ہے)۔

نبی کریم ﷺ نے اسلام کی تبلیغ کے سلسلے میں جو خطوط لکھے ان میں عیسائیت کی تردید کے بجائے یہ آیت خاص طور پر درج ہوتی: "یااھل الکتٰب تعالوا الیٰ کلمة سواء بیننا و بینکم الا نعبد الا الله ولانشرک به شیئاً و لایتخذ بعضنا بعضا ارباباً من دون الله[۱۳۸]" (اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنا لے)۔

پھر فرمایا: "لااکراہ فی الدین[۱۳۹]". (دین کے معاملہ میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے)۔

ایک اور مقام پر فرمایا: "لکم دینکم ولی دین"[۱۴۰]. (تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین)

اسلام میں اعتقاد کی بنیاد قرآنی آیات میں غور و فکر، تدبر، عقل و فہم اور سوچ بچار ہے نہ کہ اندھی تقلید، جبر و اکراہ اور ڈر اور ظلم، اس سے بڑھ کر عقیدے کی آزادی کی اور کیا مثال ہو سکتی ہے جب آپ کے مشن کو یہودیوں سے کوئی خطرہ لاحق ہوا تو آپ نے ان کی سرکوبی کی۔ لیکن جب وہ صرف آپ کے مذہبی معاملات میں اختلاف کرتے تو آپ اتنے شریف النفس اور حلیم تھے کہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیتے۔ یہودیوں کی طرح آپ نے عیسائیوں کے مذہب میں بھی قطعاً مداخلت نہ کی جب تک کہ وہ عرب میں آپ کی سیاست کے ساتھ متصادم نہ ہوئے۔ یہ ظاہر ہے کہ آپ نے اسلام کی سیاسی ہیئت میں عیسائیوں اور یہودیوں کو جو حیثیت سونپی اس کا عام طور پر اسلامی ثقافتی ترقی پر ممکن عظیم نتیجہ برآمد ہوا۔

اسلام نے غیر مسلموں کی آزادی کو تسلیم کیا ہے، ان سے جتنے عہد نامے کئے گئے ان میں جہاں ان کی حریتِ ذات و مال تسلیم کی گئی وہاں ان کے عقائد اور اقامتِ شعائر کی آزادی بھی مانی گئی۔ پھر فرمایا: "وقل الحق من ربکم فمن شاء فلیؤمن و من شاء فلیکفر"[۱۴۱]. (صاف کہہ دو کہ یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے، اب جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کردے)۔

اسی ضمن میں ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

"انماعلیٰ رسولنا البلاغ المبین"[۱۴۲]. (ہمارے رسول ﷺ پر بس صاف صاف حکم پہنچا دینے کی ذمہ داری تھی)۔

اسلام کی اشاعت میں قطعاً کسی قسم کے جبر سے کام نہیں لیا گیا۔ بلکہ اس کی کھلے طور پر اجازت دے دی گئی کہ جس کا جی چاہے مان لے جس کا جی چاہے انکار کردے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے اس لیے جہاد کیے تاکہ کافروں کا زور نہ رہے اور وہ اہلِ ایمان

کو نہ روک سکیں۔ آپ نے مظلوموں کی داد رسی اور انسانی حقوق کی عظمت کی خاطر لڑائیاں لڑیں۔ لیکن آپ کی جنگیں خالصتاً دفاعی تھیں اور دفاعی جنگ میں بھی رضائے الٰہی مضمر تھی۔ کفارِ قریش نے مدینہ پر چڑھائی کی تو آپ نے بدر میں مدافعت کی، پھر احد میں اپنا بچاؤ کیا۔ غزوہ خندق میں اہلِ مکہ کے ساتھ یہودیوں نے بھی گٹھ جوڑ کرلیا تو آپ نے خندق کھود کر مدافعانہ طریقِ جنگ اپنایا۔ شروع میں آپ نے قریش کے تجارتی قافلوں کو روکنے کی پالیسی اختیار کی، جو مختلف معاہدات طے کیے گئے ان میں جہاں اہلِ مدینہ کے وقار کو بلند کرنا مقصود تھا وہاں آپ کے پیشِ نظر یہ بھی تھا کہ اہلِ مکہ کو اپنی تجارتی آمدورفت میں خطرہ محسوس ہو، جن کی تجارت کا دامن طائف، شام اور یمن تک پھیلا ہوا تھا۔ قریش کے رحلۃ الشتاء کا شمالی راستہ کھلنا تو کیا، ان کے لیے نجد وغیرہ سے ہو کر جانے والے نئے نو ساختہ راستے بھی بند ہوتے چلے گئے۔ جب مسلمانوں نے ان راستوں پر مؤثر کنٹرول حاصل کرلیا تو وہ تمام قبائل جن کا پیشہ تجارت تھا، بے روزگار ہوگئے۔ قبیلہ اشجع نے اسی معاشی کساد بازاری کے باعث اپنا وفد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور آپ سے اپنی حلیفی کا اعلان کیا[۱۴۳]۔

یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتِ طیبہ تھی کہ جب آپ کسی قوم سے مصالحت و معاہدہ کرتے تو جو بھی اس قوم کا حلیف بن جاتا، اسے بھی معاہدہ میں شریک کرلیتے اور دوسری قوم اگر آپ سے معاہدہ کرتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے بھی عہد میں شریک کرکے معاہدہ قرار دے دیتے اور ان میں جو جنگ کرتا پھر دوسری معاہد قوم کو محارب قرار دیتے۔ اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلِ مکہ پر حملہ کیا کیونکہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلِ مکہ کے ساتھ دس سال کے لیے جنگ بندی کا معاہدہ کیا تو بنو بکر بن وائل اٹھے اور انھوں نے قریش سے معاہدہ کرلیا اور اس عہد میں داخل ہوگئے۔ اس کے برعکس بنو خزاعہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معاہدہ کرلیا اور وہ اس عہد میں داخل ہوگئے[۱۴۴]۔

یہاں یہ برمحل معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاستِ خارجہ کے شاہکار معاہدہ

حدیبیہ[۱۴۵] کا جدید ڈپلومیسی کے ایک نمونہ معاہدہ ورسائی سے موازنہ کیاجائے۔ معاہدہ حدیبیہ طے کرتے وقت ابوجندلؓ جائے مذاکرات پر آگئے۔ وہ اسلام لاچکے تھے لیکن قریش کی قید میں تھے۔ سہیل بن عمرو نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا اور ساتھ ہی بصورتِ دیگر معاہدہ طے نہ کرنے کی دھمکی دے دی۔ آپ نے ابوجندلؓ کو واپس کردیا اور صبر کی تلقین کی[۱۴۶]۔ ابو بصیرؓ مدینہ پہنچے تو معاہدہ کے مطابق ان کو واپس کردیا[۱۴۷]۔ معاہدہ حدیبیہ طے کرتے وقت اگر آپ مکہ پر بزور شمشیر قبضہ کرنا چاہتے تو آسانی کے ساتھ ایسا کرسکتے تھے۔ فتح مکہ کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خونی دشمنوں پر کوئی تاوان عائد نہ کیا اور عام معافی کا اعلان کیا[۱۴۸]۔

اس کے برعکس جنگِ عظیم اول کے بعد ۲۸ جون ۱۹۱۹ء کو ورسائی کے مقام پر معاہدہ ورسائی طے پایا۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کی تصریح کے مطابق جرمنی کو جنگ کا واحد ذمہ دار قرار دیا گیا۔ اس کی افواج کو نہتا کردیا گیا۔ فاتحین کے نمائندوں کے سامنے جرمنی کے مندوبین کو بے آبرومندانہ انداز میں پیش کیا گیا اور معاہدے کا متن تیار کرتے وقت انہیں مجرموں کی طرح کھڑا رکھا گیا۔ نتیجتاً جرمنی پر بھاری تاوان جنگ (اندازاً ۲۵ ارب ڈالرز) عائد کیا گیا جس کو ادا کرنے کی استطاعت وہ قطعاً نہ رکھتا تھا[۱۴۹]۔اسی لیے ایچ جی ویلز اسے "فاتحین کا معاہدہ" قرار دیتا ہے۔

عصرِ حاضر میں ڈپلومیسی کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے "عنایات و دھوکہ دھی کا علم"۔ اور انیسویں صدی تک سفیر کو ایک دیانت دار کاذب سمجھا جاتا رہا ہے، جو اپنی ریاست کے مفادات کا تحفظ کرتا ہے۔

اسی طرح آج سفارتی آداب کو بالائے طاق رکھ کر سفراء کو قتل کرنے سے بھی دریغ نہیں کیاجاتا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاست کاری احکاماتِ الہٰی کو عملی جامہ پہنانے کا دوسرا نام تھا۔

باب اول میں ذکر ہوا ہے کہ مسیلمہ کذاب کے سفیروں نے حضور ﷺ کے سامنے بد تمیزی کا بھی مظاہر کیا۔ لیکن پھر بھی حضور ﷺ نے ان کو قتل نہیں کیا[۱۵۰]۔

اسلام کا ہر حکم بڑی چیز کی خاطر چھوٹی چیز کے قربان کر دینے کا مطالبہ کرتا ہے۔ حال کی جذباتیت کو مستقبل کی مستقل تعمیر پر قربان کر دیا جاتا ہے۔ اس کی ایک بین مثال معاہدہ حدیبیہ ہے۔ آپ ﷺ نے جس بصیرت سے قریش کو یہودیوں کے متعلق غیر جانب دار رہنے پر آمادہ کر لیا۔ وہ آپ ﷺ کی زبردست سیاسی اور سفارتی کامیابی کی دلیل ہے۔ دو ہفتوں کے بعد آپ نے خیبر کا رخ کیا اور ایسا سفارتی کمال دکھایا کہ اہلِ خیبر بے یارومددگار رہ گئے اور ان کی اعانت کو کوئی بھی نہ پہنچا۔ یہاں تک کہ غطفان کے حلیف بھی اپنے گھروں میں بیٹھے تماشا دیکھتے رہے۔ خیبر کی تسخیر کے بعد مزید دوستیاں بڑھانے کا موقعہ ملا۔ اسی زمانے میں بحرین اور عمان کے ساتھ تعلقات کا آغاز ہوا اور جب قریش تنہا رہ گئے، تو بغیر خون بہائے مکہ پر قبضہ ہو گیا[۱۵۱]۔

فتح مکہ کے تین ماہ بعد ذوالحجہ ۹ ھ کے موسمِ حج میں اعلانِ براۃ ہوا، جو دولتِ اسلامیہ کی تاسیس تھا[۱۵۲]۔ اس کی بدولت اسلام ۹ - ۱۰ ھ میں ایک طرف یمن، بحرین، یمامہ، عمان اور دوسری طرف عراق و شام کی حدود تک پھیل گیا۔ یہ عرب کے وہ علاقے تھے جہاں ظہورِ اسلام سے قبل عربوں کی بڑی بڑی حکومتیں تھیں اور اس وقت بھی وہ روم و فارس کی دو عظیم الشان طاقتوں کے زیر سیادت تھیں۔ تاہم اسلام تلوار کی رفاقت کے بغیر صلح اور امن کے سایہ میں اپنی صدا بلند کرتا چلا گیا۔ ناتواں و کمزور عرب توحید کی توانائی کے بعد مشرق و مغرب پر چھا گئے اور ان کی خارا شگاف شمشیر سے رومتہ الکبریٰ کا سارا تاریخی رعب و جلال اور صدیوں کا حاصل شدہ وقار خاک میں مل گیا۔ دوسری طرف جمشید نوشیروان اور کسریٰ اور رستم کی عظیم الشان سلطنت عربوں کے ایک ہی حملہ میں نیست و نابود ہو گئی[۱۵۳]۔ فتوحات کے ساتھ ساتھ عربوں نے فضل و کمال اور تہذیب و تمدن میں بھی خوب نام پیدا کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نظامِ خبر رسانی

عربوں میں یہ محکمہ نہایت منظم طریقے پر قدیم سے قائم تھا اور اس کے کارکن بہت باشعور لوگ ہوتے تھے۔ چنانچہ جاسوسوں کے ذریعے ان کو جو خبر ملتی تھی اور جو اندازہ وہ بتاتے تھے، وہ اتنا صحیح ہوتا تھا کہ واقعہ ٹھیک اسی کے مطابق وقوع میں آتا تھا۔ جیسا کہ غزوہ بدر کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اور ایک بوڑھے دہقانی کی بات چیت سے ظاہر ہوتا ہے[۱۵۴]۔

بیعت عقبہ ثانیہ، جس کا ہر معاملہ از ابتداء تا انتہاء نہایت خفیہ اور رازدارانہ طریق پر انجام دیا گیا تھا پھر بھی جاسوسوں سے پوشیدہ نہ رہ سکا تھا[۱۵۵]۔

مدینہ میں داخلی حفاظت اور امن و امان اور پرسکون زندگی کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودی قبائل کو مصالحت کی دعوت دی اور مفصل دستاویز تیار کرکے جانبین کے دستخط کروالئے[۱۵۶]۔

خارجی حفاظت کے سلسلے میں اس بناء پر کہ قریش کے فوجی دستے مدینہ کے اطراف میں گشت لگاتے رہتے ہیں۔ اور غارت گری کا ہر وقت خطرہ رہتا تھا۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر رسانی کا مضبوط انتظام فرمایا[۱۵۷]۔

مدینہ کے منافقین دشمنانِ اسلام کے جاسوس تھے[۱۵۸]۔ اور مسلمانوں کی تمام خبریں خفیہ طور پر مکہ بھیجا کرتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کی ان کاروائیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: "لوخرجوا فیکم مازادوکم الاخبالا ولاوضعوا خلالکم یبغونکم الفتنۃ و فیکم سمّٰعون لھم. واللہعلیم بالظالمین"[۱۵۹]. (اگر یہ منافق تمہارے ساتھ مل کر نکلتے تو خرابی پیدا کرنے کے سوا تمہاری کچھ مدد نہ کرتے اور وہ تمہارے درمیان (فساد کرنے کے لیے) خوب گھوڑے دوڑاتے پھرتے اور تمہارے اندر فتنہ پیدا کرنے کی خواہش

کرتے اور تم میں کچھ ایسے ہیں جو ان تک پہنچانے کے لیے باتیں سنتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو خوب جانتا ہے)۔

ان حالات کی موجودگی میں داخلی اور خارجی حفاظت کے لیے رسول اللہ ﷺ نے بھی عرب کے عام دستور کے مطابق خبر رسانی اور جاسوسی کی ضرورت محسوس کی اور اپنے جاسوس کفار کی صفوں میں متعین کیے جو ان کے تمام خفیہ رازوں، ان کی عناد اور دشمنی کی کارروائیوں اور سازشوں سے مسلمانوں کو بروقت آگاہ کرتے تھے[۱۶۰]۔

جاسوسی کا نظام محض اس لیے قائم کیا گیا کہ مسلمان چوکس رہیں اور دشمن بے خبری کی حالت میں ان پر حملہ نہ کرسکے۔ اسلام نے اس غرض کے لیے دوسری اقوام کے خلاف غیر شریفانہ اور خلافِ تہذیب و خلافِ اخلاق طریقے استعمال نہیں کیے۔ جیسا کہ فی زمانہ ہر ملک اپنے سفیر کے ذریعے کروارہا ہے اور جو سفیر کا اصل کام تھا کہ دونوں ملکوں کے درمیان منافرت اور کشیدگی کو دور کرنا۔ اس کو بالکل پسِ پشت ڈال کر الٹا منافرت، کشیدگی اور عداوت و دشمنی کی فضاء پیدا کررہا ہے۔ جس سے سفارت جیسے مقدس اور اعلیٰ اقدار کے حامل ڈپلومیسی کی روح کو کچلا جارہا ہے۔ ایسے گھناؤنے ہتھکنڈوں کی بنا پر بسااوقات مہذب حکومتیں سفراء کے خلاف تادیبی کارروائیاں کرنے پر مجبور ہوجاتی ہیں۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ نے وصال پاک سے چار روز قبل وصیت لکھوائی تھی کہ:

"سفراء کا اسی طرح احترام کیاجائے جس طرح آپ ﷺ کے زمانہ میں دستور تھا"[۱۶۱]۔

لیکن اگر سفراء ہی وہ کام شروع کردیں جو منافقین کا تھا تو پھر ان سفراء پر بھی جاسوس مقرر کرنے پڑیں گے۔

بیشتر حکومتیں جاسوسی کے لیے عورتوں کی خدمات مستعار لیتی ہیں۔ وہ عورتیں دشمن کے علاقوں میں پھیل جاتی ہیں اور ہر مہذب و غیر مہذب طریقے سے ان کے راز معلوم کرنے

کی کوشش کرتی ہیں۔ لیکن مسلمانوں نے کبھی ایسا نہیں کیا[۱۶۲]۔

جاسوسی کے نظام پر منافقین کا اعتراض

جاسوسی کا نظام قائم کرنے پر منافقین نے انگشت نمائی کی تھی۔ کیونکہ اس طرح ان کے تمام پول کھل جانے کا اندیشہ تھا۔ ان کے اعتراض کا اللہ تعالیٰ نے جواب یہ دیا:

"ومنهم الذين يؤذون النبی ويقولون هواذن. قل اذن خيرلكم يومن بالله ويومن للمومنين ورحمة للذين آمنوا منكم والذين يؤذون رسول الله لهم عذاب اليم[۱۶۳]". (اور ان میں سے بعض ایسے منافقین ہیں جو نبی کو دکھ دیتے ہیں کہ وہ تو کان ہی کان ہے (دشمنوں کے خفیہ راز معلوم کرنے کی کوششوں میں مصروف رہتا ہے) تو کہہ دے کہ وہ تمہارے لیے بھلائی سننے کے کان رکھتا ہے وہ اللہ پر ایمان لاتا ہے اور مومنوں کے لیے رحمت کا موجب ہے اور وہ لوگ جو اللہ کے رسول کو دکھ پہنچاتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے)۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ ہمارا رسول ﷺ کفار کے راز تو ضرور معلوم کرتا ہے مگر مسلمانوں کے فائدے کے لیے معلوم کرتا ہے تاکہ وہ ان کے ناگہانی حملوں سے محفوظ رہیں۔ دوسرے لوگوں کو نقصان پہنچانا اس کا مقصد نہیں ہے۔ لہٰذا یہ تمام انتظام مسلمانوں کو چوکس، بیدار اور باخبر رکھنے کے لیے کیا جاتا ہے اور یہ کوئی بری بات نہیں، جس کی مذمت کی جائے۔

خبر رسانی کے لیے دستوں کی ترسیل

نبی کریم ﷺ نے خبر رسانی اور جاسوسی کا یہ انتظام فرمایا کہ وقتاً فوقتاً چھوٹی چھوٹی جماعتیں مختلف اطراف میں روانہ فرمادیا کرتے تھے۔ زادالمعاد میں ہے کہ: "كان يبعث العيون يأتونه بخبر عدوه ويطلع الطلائع"[۱۶۴]. (حضور ﷺ اپنے دشمن کی خبریں لانے اور

اس کے حالات پر مطلع ہونے کے لیے جاسوس بھیجا کرتے تھے)۔

۱۔ خود بھی آنحضرت ﷺ نے بدر کی جنگ سے پہلے عرق الظبیہ میں سب سے پہلے ایک دہقانی سے دشمن کے متعلق تحقیق کی تھی۔ صفرا کے قریب پہنچ کر بسبس بن عمرو اور عدی بن زغباء کو دشمن کی صف کی طرف عسکری تفتیش کے لیے ارسال کیا تھا(۱۶۵)۔

صفرا پہنچ کر آپ نے محاذِ جنگ کے نقشہ کے خطوط پر توجہ کی۔ آپ نے پہاڑوں کے نام دریافت کیے اور ان قوموں کے متعلق علم حاصل کیا جن کی یہاں بود و باش تھی اس کے بعد ذفران سے گزر کر اسافر کے ٹیلوں کے بعد بدر پر خیمہ زن ہوئے۔ یہاں سے آپ سوار ہو کر صرف ایک شخص کے ساتھ آگے بڑھے اور ایک بوڑھے شخص سے دشمن کے متعلق دریافت کیا۔ اس سے معلومات لے کر واپس آئے(۱۶۶)۔ جب بوڑھے نے دریافت کیا کہ تم دونوں کہاں کے ہو۔ تو آپ نے جواب دیا۔ ''پانی کے ہیں'' وہ یہ کہہ کر آگے بڑھ گیا۔ کیا عراق کے پانی سے ہو؟''(۱۶۷)۔

۲۔ شام کو حضرت علیؓ، زبیرؓ، سعدؓ اور چند آدمیوں کا دستہ جاسوسی کے لیے بھیجا(۱۶۸)''۔ یہ دستہ دشمن کے دو آدمیوں کو پکڑ لایا۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے یہ سوالات کیے۔ قریش کے لشکر کی تعداد کیا ہے۔ وہ کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں، انہوں نے کہا، نو، دس، حضور ﷺ نے فرمایا۔ معلوم ہوا کہ ان کی تعداد نو سو یا ہزار ہے۔ اس کے بعد دریافت کیا قریش نے کہاں چھاؤنی ڈالی ہے، اور قبائل سرداروں میں سے کون کون سے سردار اپنے لشکر کے ساتھ ہیں۔ سب کچھ معلوم کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"ھذہ مکۃ قد القت الیکم افلاذ کبدھا(۱۶۹)". (یہ مکہ جس نے اپنے جگر کے ٹکڑے تمہارے سامنے لا کر ڈال دیئے ہیں)۔

۳۔ آنحضرت ﷺ کے نامہ نگار عرصے سے مکے میں تھے اور دشمن کی ہر نقل و حرکت کی بروقت اطلاع دے دیا کرتے تھے۔ ان پیشگی اطلاعوں سے احد اور خاص کر خندق

کی جنگ میں بڑی مدد ملی تھی۔ ورنہ خندق کے معرکے کے وقت آنحضرت ﷺ عرب کے انتہائی شمال میں گئے ہوئے تھے اور بروقت اطلاع کے باعث آدھے راستے سے مدینے واپس آکر پورے دو ہفتے خندق کی تیاری اور دیگر حفاظتی کاروائیوں میں صرف کرنے کے قابل ہوئے تھے۔

۴۔ محاذِ خندق پر سورج بلند ہونے سے پہلے حضور ﷺ نے فرمایا، کون ہے جو دشمنوں کی خبر مجھ کو لاکر دے اور جنت میں میرا رفیق ہو۔ حذیفہ نے لبیک کہا۔ فوراً گئے اور خبر لائے کہ دشمن طوفانِ باد کی وجہ سے منتشر ہو رہے ہیں(۱۷۰)۔

۵۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مجھے اور زبیرؓ اور مقدادؓ کو حضور ﷺ نے فرمایا کہ روضہ خاخ میں ایک پردہ نشین عورت ہے اس کے پاس ایک خط ہے جس میں مکہ کی طرف پیش قدمی کی مخبری کی گئی ہے وہ لے آؤ۔ چنانچہ ہم نے وہ خط حاصل کیا۔ مخبری والے صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہ پکڑے گئے۔ جن کو بعد میں معاف کردیا گیا(۱۷۱)۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کا جاسوسی کا نظام کس قدر سخت ہوتا تھا۔

۶۔ غزوہ حنین کے محاذ پر عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی کو ہوازن کے لشکر میں جاسوسی کے لیے بھیجا تھا اور وہ کامیاب واپس آئے تھے(۱۷۲)۔

۷۔ اس کے ساتھ اپنی نقل و حرکت کی خبروں پر پورا قابو تھا۔ چنانچہ مکے کی طرف دس ہزار کا لشکر کوچ کرتا ہے اور قریش کو اس تک خبر نہ ہوسکی۔ جب تک کہ مکے کے پہاڑوں کے عین نیچے پڑاؤ نہ لگ گیا(۱۷۳)۔

نظامِ جاسوسی کا فائدہ

اس نظام کا فائدہ یہ ہوا کہ:

۱۔ مخالفین کے ارادوں اوران کے منصوبوں کی حضور ﷺ کو خبر مل جاتی تھی۔

۲۔ علاوہ ازیں مخالفین کی نقل و حرکت کی بروقت آپ ﷺ کو خبر مل جاتی تھی کہ فلاں قافلہ فلاں راہ سے، فلاں تاریخ کو گزرے گا۔

۳۔ اس طرح جب کوئی جماعت حملہ کرنے کا یا غارت گری کا ارادہ کرتی تھی تو بھی حضور ﷺ کو خبر مل جاتی تھی اور آپ ﷺ اس کی مدافعت کے لیے ضروری تدابیر اختیار فرماتے تھے۔

۴۔ ان بروقت خبروں کی وجہ سے مدافعت کی خاطر کبھی تو صرف صحابہ کرامؓ کی کچھ جماعت بھیج دی جاتی تھی اور کبھی کبھار حضور ﷺ خود بھی ساتھ تشریف لے جاتے تھے۔

۵۔ بسااوقات حضور ﷺ ایسی جماعتیں بھی روانہ فرمایا کرتے تھے، جن سے مقصود تفتیشِ حال اور علم و اطلاع یابی ہوتی تھی۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ کا نظامِ سفارت (مدینہ سے باہر مصالحت کا پیغام)

دوسری تدبیر اسلام اور مہاجرین و انصار اور مدینہ کی خارجی حفاظت کے لیے حضور ﷺ نے یہ اختیار فرمائی کہ مصالحت کا پیغام مدینہ سے باہر کے قبائل کو بھی دیا جائے اور ایسی صورت اختیار کی جائے کہ کفارِ قریش جن کے غرور و نخوت کا پارہ سارے قبائل عرب سے اونچا ہے وہ بھی مصالحت پر مجبور ہوجائیں۔ اس مقصد کے لیے حضور ﷺ نے بذاتِ خود مدینہ سے قبائلِ عرب کا سفر فرمایا اور مختلف قبائل سے مصالحت فرمائی[۱۷۴]۔ جس کا تفصیلی حال آئندہ صفحات میں ملے گا۔

قریش سے مصالحت کا معاملہ نہایت اہم تھا۔ مٹھی بھر بے سازوسامان مسلمانوں کے مقابلہ میں مصالحت کا لفظ سننا بھی ان کے لیے توہین کا باعث تھا۔ ان کے لیے حضور ﷺ نے براہِ راست پیغامِ مصالحت کے بجائے ایسے حالات کا پیدا کرنا مناسب سمجھا جو ان کو صلح پر مجبور کردے۔

قریش تمام کے تمام تاجر پیشہ تھے اور اسی پر ان کی بسر اوقات تھی۔ اس کے سوا کوئی اور ذریعہ معاش ان کے لیے نہیں تھا۔ ان کے لیے اس سے زیادہ کوئی بڑی مصیبت نہیں ہو سکتی تھی۔ کہ ان کی تجارت بند ہو جائے۔ اس کو قریش خود بھی سمجھتے تھے اور ان کی اس دکھتی ہوئی رگ کو دوسرے لوگ بھی پہچانتے تھے۔

۱۔ حضرت ابوذر غفاریؓ جب مشرف بہ اسلام ہوئے اور انہوں نے اسلام کا اظہار کعبہ میں با آواز بلند کلمہ پڑھ کر کیا تو کفارِ قریش ٹوٹ پڑے اور اس قدر مارا کہ زمین پر فرش کر دیا۔ اتفاق سے حضرت عباسؓ ادھر سے نکل آئے انہوں نے جھک کر دیکھا تو کہا:

"بدبختی ہو تمہارے لیے کہ تم غفار کے آدمی کو قتل کر رہے ہو۔ حالانکہ تمہاری تجارت گاہ اور تمہارے قافلے کا راستہ قبیلہ غفار کے پاس سے ہو کر جاتا ہے۔ یہ سن کر لوگ ہٹ گئے"(۱۷۵)۔

۲۔ جیسا کہ گذشتہ صفحات میں ذکر ہوا ہے کہ ہجرتِ مدینہ کے بعد حضرت سعد بن معاذؓ عمرہ کی غرض سے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ گئے، تو ابوجہل نے کہا:

"تم محمد ﷺ اور اس کے ساتھیوں کو پناہ دے کر امن کے ساتھ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے ہو"۔

حضرت سعد نے اس دھمکی پر برہم ہو کر غضب آلود لہجے میں کہا:

"خدا کی قسم اگر تم مجھ کو بیت اللہ کے طواف سے روکو گے تو ہم تمہارا شامی تجارت کا راستہ روک دیں گے"(۱۷۶)۔

اس دکھتی ہوئی رگ کے پیش نظر قریش کے قافلہ کی خبر جب آپ ﷺ کو ملتی تھی تو آپ ﷺ روک ٹوک کے لیے صحابہ کی مختصر سی جماعت بھیج دیتے تھے(۱۷۷)۔ مقصد اس کا قریش کو مرعوب کرنا ہوتا تھا۔ کہ وہ خوف زدہ ہو کر شام کا سفر چھوڑ دیں اور بالآخر معاشی تنگی اور تباہی سے مجبور ہو کر مصالحت کر لیں۔

سیرت کی کتابوں میں ابتداً جتنے غزوات اور سریے قافلہ کے تعاقب میں ذکر کیے گئے ہیں وہ سب کے سب قافلے قریش ہی کے تھے[۱۷۸]۔ ان ہی کو پیشِ نظر رکھ کر حضور ﷺ تعاقب کا فیصلہ فرماتے تھے اور غزوے اور سریے کی ترتیب دیتے تھے۔ قریش کے ساتھ یہ تخصیص اس لیے تھی کہ براہِ راست مصالحت کے لیے ان مغروروں اور نخوت پرستوں کے مزاج میں کوئی جگہ نہیں تھی تاوقتیکہ حالات کے تقاضے سے یہ لوگ مجبور نہ ہوجائیں۔

دوسرے قبائل کی یہ حالت نہ تھی بلکہ ان کو بذاتِ خود مصالحت سے گریز نہ تھا، لیکن قریش چونکہ حرم کے متولی اور پڑوسی تھے یہ لوگ ان کا احترام کرتے تھے اس لیے دینی معاملے میں ان کے زیر اثر رہتے تھے اور ان ہی کی چشم و ابرو کے اشارے پر اپنے فیصلے کا اکثر و بیشتر مدار رکھتے تھے[۱۷۹]۔ نبی کریم ﷺ ان کے مزاج کو سمجھتے تھے۔ اس لیے قریش کے قافلے کے علاوہ کسی قبیلے کی طرف یا ان کے کسی قافلے کی طرف حضور ﷺ نے کسی جماعت کو نہیں بھیجا بلکہ صرف قریش ہی کے قافلے کی طرف اس خیال سے حضور ﷺ کی توجہ رہی کہ اگر یہ صلح پر آمادہ ہوجائیں گے تو ان کے بعد کوئی قبیلہ نہ تو انکار کرے گا اور نہ ہی سر اٹھائے گا۔

البتہ جب دوسرے قبائل نے قریش کے بھڑکانے پر مسلمانوں پر حملہ کیا یا ان کے حملے کی تیاری کی خبر ملی تو مجبوراً ان کی مدافعت، ان کی تادیب اور ان کو ان کے منصوبے میں ناکام کرنے کے لیے پیش قدمی کرنی پڑی۔

ان حالات میں حضور ﷺ کا رویّہ

نبی کریم ﷺ ہجرتِ مدینہ سے سنہ ۶ ھ تک چاروناچار ان حالات کا سامنا کرتے رہے۔ یہاں تک کہ قریش سے حدیبیہ میں دس سال کے لیے اس بات پر مصالحت ہوگئی کہ فریقین امن سے رہیں گے اور ایک دوسرے سے تعرض نہ کریں گے۔ ہر شخص کو اس امر کی

آزادی ہو گی، کہ فریقین میں سے جس فریق کے ساتھ الحاق کرنا چاہے، کر لے اور ان کا حلیف اور معاہد بن جائے[۱۸۰]۔

اسی مصالحت سے عالمی اور سفارتی مشن کی عالمی اور سفارتی دعوت کے لیے راہ کھل گئی اور حضور ﷺ کا وہ مقصد پورا ہو گیا جس کے لیے مہاجرین و انصار کی بیعت سے پہلے ہر قبیلے کے پاس جاتے تھے اور ان سے کہتے تھے کہ تم ہماری حفاظت کی ذمہ داری لے لو، تاکہ تمہاری پناہ میں دنیا کو میں خدا کا پیغام پہنچا دوں، جس کو لے کر میں مبعوث ہوا ہوں[۱۸۱]۔

چنانچہ صلح حدیبیہ کی پہلی فرصت میں ایک دن ضائع کیے بغیر حضور ﷺ نے عالمی دعوت کے لیے تبلیغی خطوط لکھے[۱۸۲]۔ اور عملاً اس کا ثبوت دیا کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت سارے عالم کے لیے ہے۔ آپ کی بعثت کسی خاص قوم کے لیے نہیں ہوئی ہے۔ آپ ﷺ نے ایک ساتھ تمام قوموں کے سلاطین اور امراء کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے اور تاریخِ عالم کے اوراق میں ہمیشہ کے لیے یہ محفوظ ہو گیا کہ اس دعوتِ عمومی میں رنگ و روپ، ملک و وطن، قوم و نسل زبان اور اسلوبِ تحریر، دین و مذہب، اچھوت اور غیر اچھوت، وغیرہ وغیرہ کا کوئی امتیاز اور تفریق نہیں ہے۔

حوالہ جات

۱۔ القرآن الکریم، الشوریٰ، (۴۲):۷

۲۔ تفصیل کے لیے تیسرا باب ملاحظہ ہو

۳۔ القرآن الکریم، ابراہیم، (۱۴):۳۷

۴۔ ایضاً، البقرہ (۲):۱۲۹

۵۔ ابن ہشام، ج ۱، ص ۲۸۹، ۲۹۱، ج ۲ ص ۲۲، ۲۸

۶ تا ۷۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۷۰

۸۔ ابن قیم، زاد المعاد، ج ۲، ص ۱۳۲

۹۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۱۹

۱۰ تا ۱۲۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۷۰

۱۳۔ ابن القیم، الجوزیہ، زاد المعاد، ج ۲، ص ۱۳۲

۱۴ تا ۱۵۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۲

۱۶ تا ۱۷۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۷۵

۱۸۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۲۰

۱۹۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۷۶

۲۰۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۶۱

۲۱ تا ۲۴۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۸۴، ۸۰

۲۵۔ ابن حجر العسقلانی، فتح الباری، شرح صحیح البخاری، ج ۷، ص ۱۷۳

۲۶ تا ۲۷۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۸۸

۲۸۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۲۳

۲۹۔ السہیلی، عبد الرحمن بن احمد، الروض الانف، ج ۱، ص ۲۷۷

۳۰۔ القرآن الکریم، الفتح (۴۸):۲۸

۳۱ تا ۳۲۔ ابو الفداء، البدایۃ والنہایۃ، ج ۳، ص ۱۶۹، ۱۳۹

۳۳۔ ابن ھشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۱۱۵

۳۴ تا ۳۵۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، ج ۵، ص ۵۷، ۶۳، مطبع الکبریٰ، الامیریہ مصر ۱۳۱۳ھ

۳۶۔ الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ۲، ص ۲۴۵

۳۷۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، ج ۱، ص ۳۳۵، السمہودی، وفاء الوفا ج ۱، ص ۹۰

۳۸۔ المقریزی، احمد بن علی، امتاع الاسماع، ج ۱، ص ۴۴۶

۳۹۔ ابن سید الناس، عیون الاثر، ج ۱، ص ۴۴۶

۴۰ تا ۴۲۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۴، ص ۲۵۴، ۲۰۶، ۱۴۷

۴۳۔ ایضاً، ص ۲۴۰: ابن قیم، زاد المعاد، ج ۲، ص ۱۵۰ تا ۱۷۰

۴۴تا۴۵۔ دروزہ عزۃ، سیرۃ الرسول، ج ۲، ص ۷، ۱۵

۴۶۔تا ۴۷۔ الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ۲، ص ۲۵۲

۴۸۔ ابن القیم، الجوزیہ، زاد المعاد، ج ۲، ص ۱۵۰

۴۹۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۱۲۷

۵۰۔ ابن القیم، الجوزیہ، ج ۲، ص ۱۳۷، ۱۳۸

۵۱۔ الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ۲، ص ۲۴۷: البدایۃ والنہایۃ، ج ۳، ص ۱۸۱

۵۲۔ القرآن الکریم، التوبہ، (۹): ۴۰

۵۳تا۵۵۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۱۳۴، ۱۳۰، ۱۲۴

۵۶۔ الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ۲، ص ۲۴۳

۵۷۔ ابن القیم، زاد المعاد، ج ۲، ص ۱۱۶

۵۸۔ الطبری، محمد بن جریر، ج ۲، ص ۲۴۳

۵۹۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، ج ۲، ص ۲۰۲

۶۰۔ الصعیدی، عبد المتعال، السیاسیۃ الاسلامیۃ فی عہد النبویہ، ص ۳۹

۶۱۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، ج ۲، ص ۶۷ (کتاب الجہاد، باب خبر النضیر)

۶۲۔ ابن قیم، زاد المعاد ج ۲، ص ۱۵۰

۶۳۔ ابن ہشام، ج ۳، ص ۴۸

۶۴۔ ابن جوزی، ابوالفرج عبد الرحمن، الوفاء باحوال المصطفیٰ، ص ۶۷۴

۶۵۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۸۸

۶۶۔ ابن قیم الجوزیہ، زاد المعاد، ج ۲، ص ۱۵۰

۶۷۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۱، ص ۳۵۸

۶۸۔ مسلم بن الحجاج القشیری، الصحیح لمسلم، ج ۲، ص ۲۸۰

۶۹۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، ج ۲، ص ۱۰۸

۷۰۔ صحیح البخاری، ج ۴، ص ۵۷

۷۱- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۳۳۴، ۳۳۸

۷۲- ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، ج ۲، ص ۶۷

۷۳- ابن قیم، زاد المعاد، ج ۲، ص ۱۴۷

۷۴- الصعیدی، عبد المتعال، السیاسیۃ الاسلامیہ، ص ۵۴: ابن ہشام، ج ۲، ص ۱۸۹

۷۵ تا ۷۶- سیرۃ ابن ہشام، ج ۲، ص ۱۶۳

۷۷- ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۲۲

۷۸- ابن جوزی، الوفاء باحوال المصطفیٰ، ص ۶۷۴

۷۹- ابن حجر العسقلانی، الاصابہ، ج ۲، ص ۱۱۸

۸۰- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۲۰۴، ۲۰۵

۸۱- الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ۲، ص ۲۵۲

۸۲- ابن القیم، زاد المعاد، ج ۲، ص ۱۵۰

۸۳- ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۰۴

۸۴- القرآن الکریم، الحجرات (۴۹): ۱۰

۸۵- ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، ج ۲، ص ۶۷

۸۶- الصعیدی، عبد المتعال، السیاسیۃ الاسلامیہ فی عہد النبویہ، ص ۵۴

۸۷- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۲۱۵

۸۸- الحلبی، علی بن برہان الدین، السیرۃ الحلبیہ، ج ۲، ص ۲۲۰

۸۹ تا ۹۰- ابن حبیب محمد، کتاب المحبر، ص ۲۶۴، ۲۶۵

۹۱- البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، ج ۱، ص ۴۹۸

۹۲- القالی، ابو علی، کتاب الامالی، ج ۱، ص ۶

۹۳- ابن عبد ربہ، العقد الفرید

۹۴- البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، ج ۳، ص ۲۰

۹۵- الصعیدی، عبد المتعال، السیاسیۃ الاسلامیہ فی عہد النبویہ، ص ۵۴

۹۶ تا ۹۷- ابن ہشام، ج ۲، ص ۱۸۸،

۹۸- حمید اللہ ڈاکٹر، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص ۴۷

۹۹- ابن ہشام، ج ۲، ص ۱۴۷- ۱۵۰، البدایۃ والنہایۃ، ابن کثیر، ج ۳، ص ۲۲۴

۱۰۰- ہیکل، محمد حسین، حیاۃ محمد، ص ۲۲۷

۱۰۱ تا ۱۰۲- حمید اللہ ڈاکٹر، عہد نبوی ﷺ کا نظام حکمرانی، ص ۹۸

۱۰۳- Nicholson, A Reynold, A Literary History Of The Arabs, P. 173.

۱۰۴- Ameer Ali Syed, The Sprit of Islam, P. 140.

۱۰۵ تا ۱۰۶- عہد نبوی ﷺ کا نظام حکمرانی، ج ۱، ص ۹۵، ۹۶، ۹۹

۱۰۷ تا ۱۰۸- الصعیدی، عبد المتعال، السیاسیۃ الاسلامیہ فی عہد النبویہ، ص ۱۸۵

۱۰۹- ابن سید الناس، عیون الاثر، ج ۲، ص ۱۷۰

۱۱۰- القرآن الکریم، آل عمران (۳): ۱۹

۱۱۱- احمد لطفی السید، السیاسیة لارسطوطالیس، فصل ۳، باب ۹، ص ۱۴۳

۱۱۲- ایضاً، کتاب ۳، باب ۵، ص ۲۰۴

۱۱۳- ابن عبد ربہ، احمد بن محمد، العقد الفرید، ج ۱، ص ۲۷

۱۱۴- القرآن الکریم، الحج (۲۲): ۴۱

۱۱۵- القرآن الکریم، ق (۵): ۲۹

۱۱۶ تا ۱۱۸- ابن کثیر ابوالفداء، اسماعیل ابن عمر، البدایۃ والنہایۃ، ج ۳، ص ۲۱۳

۱۱۹- القرآن الکریم، القلم، (۲۸): ۴

۱۲۰ تا ۱۲۱- ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج ۳، ص ۲۱۴، ۲۲۰

۱۲۲- Life of Mahomet, p. 177.

۱۲۳ تا ۱۲۴- ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج ۳، ص ۳۲۶،

۱۲۵- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۲۵۰ (حاشیہ)

۱۲۶- البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، ج ۲، ص ۳۳

۱۲۷- ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج ۳، ص ۲۲۸

۱۲۸- یاقوت حموی، معجم البلدان، ص ۴۳۰، (مدینہ یثرب)

۱۲۹- ابن قیم الجوزیۃ، زاد المعاد، ج ۲، ص ۳۵۷

۱۳۰- القرآن الکریم، الروم، (۳۰):۲۲

۱۳۱- احمد بن حنبل، مسند، ج ۵، ص ۴۱۱

۱۳۲- ابن عبد ربہ، العقد الفرید، ج ۱، ص ۲۶۲

۱۳۳- القرآن الکریم، السجدۃ، (۳۲):۷، ۸

۱۳۴ تا ۱۳۵- ایضاً، الحجرات (۴۹):۱۰، ۱۳

۱۳۶- مستدرک حاکم، ج ۲، ص ۹۳

۱۳۷- القرآن الکریم، المائدۃ، (۵):۴۸

۱۳۸- القرآن الکریم، آل عمران (۳):۶۳

۱۳۹- ایضاً، البقرۃ (۲):۲۵۶

۱۴۰- ایضاً، الکافرون (۱۰۱):۶

۱۴۱- القرآن الکریم، الکہف (۱۸):۲۹

۱۴۲- القرآن الکریم، المائدۃ (۵):۹۲

۱۴۳- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۳۰۶

۱۴۴- ابن قیم الجوزیۃ، زاد المعاد، ج ۲، ص ۱۹۴، ۳۱۱

۱۴۵- تفصیل کے لیے چھٹا باب ملاحظہ ہو۔

۱۴۶- ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج ۴، ص ۱۶۹

۱۴۷- ابن قیم الجوزیۃ، زاد المعاد، ج ۲، ص ۳۰۸

۱۴۸- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۵۵

۱۴۹- Encyclopaedia Britannica, vol. 23, p. 94- 95.

۱۵۰ تا ۱۵۱- ابن قیم، زاد المعاد، ج ۲، ص ۱۹۴، ۳۱۰

Nicholson, A

۱۵۲- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۴، ص ۱۹۰

۱۵۳- البلاذری، ابوالحسن، فتوح البلدان، ص ۳۱۱

۱۵۴- ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج ۳، ص ۲۶۴

۱۵۵- ابن خلدون، عبدالرحمٰن، تاریخ ابن خلدون، ج ۲، ص ۱۳

۱۵۶- ابن ہشام، ج ۲، ص ۱۴۷

۱۵۷- ابن قیم، زاد المعاد، ج ۲، ص ۱۶۷

۱۵۸- ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج ۳، ص ۲۳۸

۱۵۹- القرآن الکریم، التوبۃ (۹): ۴۷

۱۶۰- الصعیدی، عبدالمتعال، السیاسیۃ الاسلامیہ فی عہد النبویہ، ص ۲۲۳

۱۶۱- البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، ج ۲، ص ۱۲۹

۱۶۲- الصعیدی، عبدالمتعال، السیاسیۃ الاسلامیہ فی عہد النبویہ، ص ۲۲۴

۱۶۳- القرآن الکریم، التوبۃ (۱): ۶۱

۱۶۴- ابن القیم الجوزیۃ، زاد المعاد، ج ۲، ص ۱۵۷

۱۶۵- الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ۲، ص ۲۷۵

۱۶۶- ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۶۷ - ۲۶۸

۱۶۷ تا ۱۶۸- ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج ۳، ص ۲۶۴، ۲۶۵

۱۶۹- السھیلی، عبدالرحمٰن بن عبداللہ، الروض الانف، ج ۲، ص ۶۵

۱۷۰- الواقدی، محمد بن عمر بن واقد، کتاب المغازی، ج ۲ ص ۴۸۹

۱۷۱- البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، ج ۲، ص ۱۲۳: ابن حزم علی بن احمد، جوامع السیرۃ، ص ۲۲۶

۱۷۲- ابن ہشام، ج ۴، ص ۸۲، ۸۳، ابن حزم، جوامع السیرۃ، ص ۲۲۶

۱۷۳- الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ۲، ص ۲۷۵: ابن ہشام، ج ۴، ص ۳۲

۱۷۴- ابن اثیر الجزری، الکامل، ج ۲، ص ۴۵، ۴۶

۱۷۵ تا ۱۷۶- البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، ج ۲، ص ۲۲۹، ۲۰۲

۱۷۷تا۱۷۸- ابن اثیر الجزری، الکامل، ج ۲، ص ۴۶

۱۷۹- ابن ہشام، ج ۴، ص ۲۰۵

۱۸۰- ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج ۴، ص ۱۶۸

۱۸۱- مزید تفصیل کے لیے تیسرا باب ملاحظہ ہو۔

۱۸۲- الاحمدی علی بن حسین علی، مکاتیب الرسول، ص ۳۰

چھٹا باب

* **معاہدات**

* مدینہ سے ملحق قبائل سے سفارتی تعلقات اور معاہدات

* معاہدۂ حدیبیہ (سفارتی مشن کی ایک اہم کڑی)

* سفارتی زندگی کے لیے صلح حدیبیہ کی افادیت

* صلح حدیبیہ رسول اللہ ﷺ کی سیاست خارجہ کا شاہکار

چھٹا باب

معاہدات

معاہدات کا مقصد

ہجرتِ مدینہ کے بعد جب اجتماعی زندگی کا آغاز ہوا اور مدینہ منورہ کو ایک سیاسی وحدت بنانے اور اسلامی حکومت کی بنیاد ڈالنے کی کوششوں کے ساتھ ساتھ آنحضرت ﷺ نے نہ صرف مسلمانوں کے تحفظ کے لئے بلکہ ہمہ گیر اور عالم گیر امن کی خاطر قریب و بعید کے قبائل اور اربابِ اقتدار سے جن میں مہاجرین وانصار اور یہود شامل تھے، ایسے معاہدات کیے جن میں ہر شخص کو جان ومال اور دین کا تحفظ، رائے اور ضمیر کی مکمل آزادی کے ساتھ فیصلہ کرنے کا موقع دیا گیا ہے۔ اس طرح سیرتِ مقدسہ کا یہ پہلو جو بین الاقوامی حیثیت رکھتا ہے، نمایاں ہو کر سامنے آگیا ہے[1]۔

اس باب میں نبی کریم ﷺ کے تمام ایسے سیاسی اور معاشرتی معاہدے پیش کیے گئے ہیں، جن کے ذریعے مدینہ منورہ ایک ایسے متحدہ مرکز میں تبدیل ہو گیا، جو چند سال کی مختصر ترین مدت میں نہ صرف دینی و روحانی بلکہ سیاسی اور معاشرتی حیثیت سے بھی دنیا کا سب سے بڑا صدر مقام بن گیا اور حقیقت یہ ہے کہ:

"عہد نبوت میں جس اسلامی اسٹیٹ کا آغاز ہوا تھا وہ روزانہ دو سو چوہتر (۲۷۴) مربع میل کے اوسط سے وسعت اختیار کرتی رہی اور دس سال کے بعد جب آنحضرت ﷺ کا وصالِ پاک ہوا، تو دس لاکھ سے زیادہ مربع میل کا رقبہ آپ کے زیرِ اقتدار آچکا تھا۔

برِ صغیر کے تین ملکوں کے تقریباً برابر وسیع علاقے کی فتح میں دشمن کے بمشکل ڈیڑھ سو آدمی ہلاک ہوئے اور مسلمان فوج کا مشکل سے اس دس سال میں ماہانہ ایک سپاہی شہید ہوتا رہا۔ انسانی خون کی یہ عزت تاریخِ عالم میں بلاخوفِ تردید بے نظیر ہے[2]"۔

یہ معاہدات امن و آزادی کا واضح اعلان ہیں۔ یہ غیر مسلم شہریوں کے حقوق کا بنیادی مأخذ اور سیاسی اصول کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بعد میں خلفائے اسلام نے غیر مسلم شہریوں کے لئے جو قانون بنائے اُن کی اصل بنیاد یہی معاہدات ہیں۔ عہدِ نبوی کا ریکارڈ آنحضرت ﷺ کی سیرت، حضور ﷺ کے اخلاق و عادات، اسلامی عقائد، عبادت و تعزیرات کے بے شمار مسائل، اسلامی تہذیب و تمدن کی خصوصیات، حکومتِ اسلامی کے سیاسی نظریات اور اسلامی تاریخ کے اہم ابواب کے لئے یہ خصوصیات اور معاہدے بنیادی مأخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر ان پر عمل ہوتا تو نہ صرف یہ کہ عرب کی تاریخی بدامنی ختم ہو جاتی بلکہ ہر ایک قبیلے کو رائے اور ضمیر کی مکمل آزادی کے ساتھ اپنے حال اور مستقبل پر غور اور فیصلہ کرنے کا موقع ملتا اور کم از کم قرنِ اول کی تاریخ میں کوئی جنگ پیش نہ آتی۔

نبی کریم ﷺ کے ان معاہدات کے ذریعے غیر مسلموں کو اسلام کے عالم گیر نظریات سے روشناس کرانا مقصود ہے تاکہ ناواقفیت کے باعث اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو غلط فہمیاں اور نفرت پیدا کر دی گئی ہے، وہ دور ہو سکے اور وہ یہ فیصلہ کر سکیں کہ ان کے ہمسائے ان کے لئے کتنے مفید اور کار آمد ہیں اور یہ کہ اسلام ان کے لئے کتنی عظیم رحمت اور ذریعہ فوز و فلاح ہے، کیونکہ اسلام کا سب سے بڑا مقصد انسان کو انسان کی غلامی سے نجات دلا کر پوری انسانیت کو ایک ایسی برادری میں تبدیل کرنا ہے جو خداوندِ قدوس کے فرمانبردار، نیکوکار اور اخوت پسند بندوں پر مشتمل ہو۔

مدینہ سے ملحق قبائل سے سفارتی تعلقات اور معاہدات

مدینہ منورہ میں نبی کریم ﷺ کو داخلی امور کی سر انجام دہی میں تقریباً سات مہینے گزر گئے۔ اس دوران حضور ﷺ کو خارجی معاملات کے متعلق توجہ دینے کا ادنیٰ بھی موقع نہ ملا۔ ہجرت کے بعد قریش کی مخالفت نے قبائلِ عرب میں ایک آگ لگا دی تھی [۳]۔ کسی قبیلے کی جانب سے اطمینان نہیں رہا تھا۔ مدینہ پر ہر وقت حملے کا خطرہ رہتا تھا۔ صحابہ کرامؓ راتوں کو

پہرے دیتے تھے[۴]۔ اس لئے حضور نبی کریم ﷺ قبائل کی نقل و حرکت پر نظر رکھتے تھے۔

ہجرت کے آٹھویں مہینے میں مدینہ کے یہودیوں سے میثاقِ مدینہ کرنے کے باوجود حضور ﷺ نے خارجی معاملات کے سلسلے میں مدینہ کے اطراف و جوانب میں رہنے والے قبائل سے سلسلہ جنبانی کیا۔ اس کے لئے آپ نے دو طریقے اختیار فرمائے:

۱۔ مدینہ سے ملحقہ قبائل کو رفاقت، خیر سگالی اور مصالحت کا پیغام دیا جائے تاکہ اتحاد و یک جہتی کی فضاء قائم ہو اور سفارتی تعلقات استوار ہوں۔

۲۔ ایسی صورت اختیار کی جائے جس سے کفارِ قریش مصالحت پر مجبور ہو جائیں۔

جیسا کہ غزوہ بدر کے بعد جب قریش کی شامی تجارت مدینہ کی راہ سے بند ہو گئی تو وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوئے کہ عراق کی راہ اختیار کریں جو دور کا راستہ تھا۔ چنانچہ ابو سفیان اور صفوان بن امیہ جو اب قریش کے سردار اور سرتاج تھے، انہوں نے اس خطرہ کا اعلان کیا کہ:

"ان اقمنا بمكة اكلنا رؤوس اموالنا[۵]". (اگر ہم مکہ میں بیٹھے رہے تو اپنی پونجی کھا جائیں گے)۔

چنانچہ بدر کے نو مہینے کے بعد انہوں نے اس کی تیاری کی۔ ابنِ ہشام میں ہے:

"جب بدر کے واقعات ہو چکے تو قریش جس راستے سے شام کو جایا کرتے تھے اس راستے پر چل کر جانے سے ڈر کر انہوں نے عراق کا راستہ اختیار کیا اور ان میں سے چند تاجر جن میں ابو سفیان بن حرب بھی تھا اور اس کے ساتھ بہت سی چاندی تھی اور چاندی ہی ان لوگوں کی تجارت کا بڑا حصہ ہوا کرتی تھی۔ ان لوگوں نے بنو بکر بن وائل کے ایک شخص فرات بن حیان کو کچھ معاوضہ دے کر ساتھ لے لیا، تاکہ وہ اس راستہ میں ان کی رہنمائی کرے[۶]"۔

"اس نے انہیں عراق کی راہ سے ذاتِ عرق روانہ کیا[۷]۔"

مسلمانوں کی یہ بڑی کامیابی تھی کہ قریش اس راہ سے مرعوب اور خوف زدہ ہو گئے،

کیونکہ قافلے کی روک ٹوک سے ان کا مقصد یہی تھا کہ اس طرح قریش کو مصالحت پر اتارا جائے۔

چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ کو قریش کے راستہ بدلنے کی اطلاع ملی، تو حضور ﷺ نے ایک سو سواروں کا دستہ حضرت زید بن حارثہؓ کی قیادت میں قردہ کی طرف روانہ فرمایا۔ مقصود اس سے صرف یہی تھا کہ اس راہ میں بھی مزاحمت کی بنیاد ڈال دی جائے۔ طبقات میں ہے کہ: ''زیدؓ بن حارثہ نے ان کو روکا اور قافلہ کو پالیا اور قوم کے بڑے بڑے لوگ بچ کر نکل گئے۔ یہ لوگ تمام مال و اسباب حضور ﷺ کی خدمت میں لے آئے(۸)''۔

زید بن حارثہؓ جیسے ناتجربہ کار شخص کی کامیابی اور ابو سفیان وغیرہ جیسے تجربہ کار کمانڈر کا بدحواس ہو کر بھاگ جانا، بظاہر ایک غیر معمولی بات ہے لیکن اس اقدام سے دونوں راستے خطرناک ہو گئے اور اصل مقصود بھی یہی تھا۔

اس طرح حضور ﷺ نے ان کے تجارتی قافلوں کی راہ میں حائل ہونا، ان سے مزاحم ہونا، ان کو مرعوب اور خوف زدہ کرنا وغیرہ اہم اقدامات کیے۔

ملحقہ قبائل سے سلسلہ جنبانی کا مقصد

پانچویں باب میں ذکر ہوا تھا کہ مدینہ کی چراگاہ پر کرز بن فہری نے حملہ کیا تھا۔ یہ حملہ دراصل قریشِ مکہ کی جنگی تیاریوں کا ایک اعلان تھا۔ اس لئے حضور ﷺ نے حفظِ ماتقدم کے طور پر آس پاس مختلف مقامات پر فوجی نقل و حرکت فرمائی۔ اس نقل و حرکت کا مقصد کوئی جنگ نہ تھا۔ بلکہ:

۱۔ اس کا ایک مقصد یہ تھا کہ جن قبائل سے اب تک کوئی معاہدہ نہ ہوا تھا ان سے معاہدہ ہو جائے اور اگر معاہدہ ہو چکا ہو تو اس کی تجدید و توثیق ہو جائے اور وہ کسی دھوکے میں آ کر قریش کا ساتھ نہ دیں۔

۲۔ ایک اور مقصد یہ تھا کہ جہاں دشمنوں کی کچھ سازشی کاروائیوں کا علم ہوا وہاں

حالات کا جائزہ لینے کے لئے کوئی فوجی دستہ پہنچ گیا۔

۳۔ ایک مقصد یہ بھی تھا کہ آس پاس کی مختلف آبادیوں سے یہ خطرہ تھا کہ کہیں یہ قریش کا جنگ میں ساتھ نہ دیں۔ اس لئے ان پر اثر ڈالنا تھا کہ مسلمان جوابی کاروائیوں کے لئے دم خم رکھتے ہیں۔

۴۔ اور سب سے بڑا مقصد جو کسی وقت بھی نبی کریم ﷺ کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوسکتا تھا، یہ تھا، شاید کوئی بندۂ خدا دعوتِ اسلام پر لبیک کہنے والا مل جائے۔

یہ تمام نقل و حرکت کے مقاصد، سیاسی، فوجی اور دینی نقطۂ نگاہ سے اتنے اہم ہیں کہ ان کو پیشِ نظر رکھے بغیر کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی۔ اس سے حضور ﷺ کے بین الاقوامی زاویہ نظر، بیدار مغزی، جزرسی اور چوکسی کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔

نقل و حرکت کے ضمن میں ضروری اقدامات

چونکہ مدنی زندگی میں باقاعدہ ریاست و حکومت کا انداز پیدا ہو گیا تھا۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ:

۱۔ یہاں جو معاہدے ہوئے وہ محض قبائلی قسم کے نہ تھے بلکہ بین الاقوامی انداز کے تھے۔

۲۔ خطرات کے پیشِ نظر اکثر مقامات پر تجدید معاہدہ کی گئی۔

۳۔ جہاں جہاں بھی قریش کی آمد یا تیاریوں یا سازشوں کا پتہ چلتا تھا وہاں ایک دستہ روانہ کیا جاتا تھا اور پھر یہ دستہ محض تبلیغی انداز کا نہیں بلکہ فوجی رنگ کا ہوتا تھا۔

۴۔ جب حضور ﷺ کسی دستے کے ساتھ جاتے تھے، تو ایک نہ ایک کو مدینہ میں اپنا جانشین بنا کر جاتے تھے۔

۵۔ ہر دستہ کے ساتھ باقاعدہ ایک جھنڈا ہوتا تھا۔

۶۔ بسا اوقات ان دستوں کا سامنا قریشی گروہوں کے ساتھ ہوا، لیکن کوئی جنگ نہیں لڑی۔

۱۔ قبیلہ جہینہ سے معاہدہ اور سفارتی تعلقات

مدینہ کے اطراف و جوانب میں رہنے والے جن قبائل سے سفارتی تعلقات استوار کیے گئے اور ان کے ساتھ معاہدے کیے گئے ان میں سب سے پہلا قبیلہ جہینہ تھا۔ یہ واقعہ یکم ہجری ۶۲۲ء کا ہے۔

محلِ وقوع

یہ قبیلہ مدینہ منورہ سے ۸۰ میل کے فاصلے پر ینبوع کے قریب بحرِ احمر کے نزدیک آباد تھا۔ اسی کے قرب و جوار میں دوسرے دو قبیلے مزینہ اور بنو ضمرہ [۹] رہتے تھے۔ بنو ضمرہ سے باہمی رفاقت کا معاہدہ ہوا، جسے بعد ازاں اس کے حلیف قبیلے بنو مدلج نے بھی تسلیم کر لیا۔

یہ علاقہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ جو قبیلے آمادۂ اتحاد نہیں ہوئے ان سے غیر جانب داری کا پیمان لیا گیا اور طے پایا کہ وہ یا تو فریقین سے یکساں سلوک کریں گے یا پھر بالکل غیر جانب دار رہیں گے [۱۰]۔

قبیلہ جہینہ کا وفد خدمتِ نبوی ﷺ میں

آنحضرت ﷺ کے سفرِ ینبوع میں قبیلہ جہینہ کا ایک وفد خدمتِ نبوی ﷺ میں معاہدہ حلیفی کے لئے حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

"تم کون لوگ ہو؟"

انہوں نے جواب دیا۔ "ہم بنی غیان ہیں"۔ غیان کے معنی سرکشی کے ہیں۔ اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا۔ "نہیں تم بنی رُشدان ہو"۔

رُشدان کے معنی ہدایت پانے والے کے ہیں۔ یہ لوگ جس وادی میں رہتے تھے۔ اس کا نام غویٰ تھا۔ جس کے معنی گمراہی کے ہیں آپ ﷺ نے تبدیل فرما کر "رُشد" رکھ دیا [۱۱]۔

رحمتِ عالم ﷺ ایسے ناموں کو جن میں برائی کا پہلو نکلتا تھا، ناپسند فرماتے تھے۔ اس لئے عادتِ شریفہ یہ تھی کہ ہمیشہ برے ناموں کو اچھے ناموں سے تبدیل فرما دیا کرتے تھے۔

قبیلہ جہینہ سے مندرجہ ذیل معاہدہ عمل میں آیا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۔ قبیلہ جہینہ کی جان و مال کو امن حاصل ہو گا۔

۲۔ جو شخص ان پر زیادتی کرے یا حملہ آور ہو، اس کے مقابلے میں ان کو مدد دی جائے گی۔

۳۔ لیکن جو زیادتی یا جنگ ان کے اہل و عیال کے درمیان ہو یا ان کے مذہبی معاملات سے متعلق ہو، اس میں امداد لازم نہ ہو گی۔

۴۔ ان لوگوں کے قرب و جوار میں نیک اور پرہیز گار لوگ ہوں گے، ان کے بھی وہی حقوق ہوں گے، جو جہینہ کو حاصل ہیں [۱۲]۔

قبیلہ جہینہ کے لئے دوسرا فرمان رسالت ﷺ

کچھ عرصہ کے بعد قبیلہ جہینہ کے اکثر لوگ مشرف بہ اسلام ہو گئے [۱۳]۔ فتح مکہ کے بعد قبیلہ جہینہ کے ایک ہزار چار سو آدمی مسلمان ہوئے [۱۴]۔ تو سرورِ عالم ﷺ نے ان لوگوں کے لئے یہ فرمان تحریر فرمایا۔ جس میں قبولِ اسلام کے بعد فرائض کی تفصیل بیان کی گئی۔ اس کا مضمون حسبِ ذیل ہے:

امان نامہ [۱۵]

قبیلہ جہینہ کے مندرجہ ذیل افراد اور شاخوں کے لئے:

۱۔ عمرو بن معبد از قبیلہ جُہنی

۲۔ بنی حرقہ از قبیلہ جُہنی

۳۔ بنی جرمز از جہینہ

ان میں وہ فرقہ اللہ تعالیٰ اور محمد ﷺ کی امان میں ہے جو:

(الف) اسلام لانے کے بعد نماز قائم کرے، زکوٰۃ ادا کرتا رہے۔

(ب) اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا اطاعت گزار رہے۔

(ج) اور مالِ غنیمت میں سے خمس نکالتا رہے۔

(د) اپنے اموال میں سے رسول اللہ ﷺ کی پسندیدہ شیئے ان کے حضور پیش کرنے میں تامل نہ کرے۔

(ھ) اپنے اسلام کا اعلان کرے۔

(و) مشرکوں سے الگ رہے۔

(ز) مسلمانوں میں سے جس کا قرض واجب الاداء ہو، تو اس کو اصل رقم دلائی جائے گی اور رہن کا سود باطل ہو گا۔

(ح) پھلوں کی پیداوار میں سے عشر ادا کرنا ہو گا۔

(ط) جو شخص ان لوگوں میں شامل ہو گا۔ اس کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے اور یہی امور ان پر بھی عائد ہوں گے۔

۲۔ معاہدہ بنو ضمرہ / معاہدہ ابواء

معاہدۂ بنو ضمرہ کا دوسرا نام معاہدہ ابواء بھی ہے[۱۶]۔

محلِ وقوع

ابواء نامی مقام میں جناب نبی کریم ﷺ کی والدہ ماجدہ کا مزار ہے۔ ابواء کا مرکزی مقام فرع ہے۔ جو ایک اہم قصبہ تھا۔ یہ مقام مدینہ منورہ سے بجانب مکہ تقریباً ۸۰ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ انہی اطراف میں بنو ضمرہ کا قبیلہ آباد تھا جو بہت بڑا اور بااثر قبیلہ تھا۔ مدینہ کے جنوب مغرب میں واقع یہ مقام اس لحاظ سے بھی اہم تھا کہ قریش کے تجارتی قافلے

اسی راستے سے شام و مصر جایا کرتے تھے۔

مدینہ منورہ میں تشریف لانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مدینہ سے ینبوع کا کئی مرتبہ سفر فرمایا۔

ینبوع کی بندرگاہ

ینبوع، مدینہ منورہ کی قدیم بندرگاہ ہے، جو مدینہ منورہ سے ۱۳۰ میل کے فاصلے پر بحرِاحمر کے کنارے مکہ مکرمہ سے شام جانے والے قافلوں کا ایک بڑا اسٹیشن تھا۔ قدیم زمانے میں یورپ اور افریقہ کی شاہراہیں یہاں سے گزرتی تھیں۔ موجودہ سعودی حکومت نے اس کو جدید طرز کی بندرگاہ بنا دیا ہے، جو اب دنیا کی خوبصورت ترین بندرگاہوں میں سے ہے۔

نہر سویز کی تعمیر سے قبل یورپ اور افریقہ کے قافلے زیادہ تر اسی راستے سے آتے جاتے تھے۔اسی راستے میں جو مختلف قبائل بستے تھے ان سے آنحضرت ﷺ نے حلیف رہنے کے معاہدے فرمائے۔ بعض معاہدوں میں ہمیشہ حلیف رہنے اور باہمی فوجی امداد کا ذکر کیا اور بعض قبائل سے صرف غیر جانبدار رہنے اور دشمن کو مدد نہ دینے کا وعدہ لیا گیا ہے۔

معاہدہ کی اہمیت

معاہدہ ابواء یا معاہدہ بنو ضمرہ سے قریش کی تجارت پر ایک ضرب کاری پڑی۔ علاوہ ازیں مدینہ کو یہاں سے بروقت اطلاعات بھی فراہم ہو سکتی تھیں۔

معاہدہ بنو ضمرہ مدنی ریاست کی پہلی سیاسی مہم کا حامل ہے۔ اس معاہدے میں قیامِ امن کا حقیقی مقصد بھی کار فرما ہے اور یہ داعیہ بھی کہ ہر اسلامی معاہدہ کو اسلامی اور اساسی مقاصد کے عین مطابق ہونا چاہیئے۔

معاہدے کے اسباب

نبی کریم ﷺ اپنے سفارتی مشن اور تبلیغی مہم کو وسعت دینے اور پیش رفت کرنے

کے ارادہ سے ۱۲ صفر ۲ھ بمطابق ۶۲۳ء غزوہ ابواء کے سلسلے میں ستر جانثاروں کے ہمراہ مقام ودّان میں پہنچے۔ ان میں انصار کا کوئی فرد نہ تھا۔ لڑائی کی نوبت تو نہ آئی لیکن آپ نے میثاقِ مدینہ کی کڑی کے طور پر مخشی بن عمرو ضمری، جو بنو ضمرہ کا سردار تھا اس کے ساتھ ایک تحریری معاہدہ کیا۔ جس میں جنگ نہ کرنے اور حلیف رہنے کا وعدہ لیا[۱۷]۔

معاہدہ ابواء یا معاہدہ بنو ضمرہ کی دفعات

معاہدہ ابواء کی دفعات حسبِ ذیل ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ تحریر اللہ کے رسول محمد ﷺ کی جانب سے بنو ضمرہ کے لئے ہے۔

۱۔ ان لوگوں کو جان و مال کا تحفظ حاصل ہوگا۔

۲۔ جو شخص زیادتی کرتے ہوئے ان پر حملہ کرے گا، اس کے مقابلے میں ان کی مدد کی جائے گی۔

۳۔ ان لوگوں پر واجب ہوگا کہ ہمیشہ پیغمبر کی مدد کرتے رہیں اور خدا کا پیغمبر جب ان کو مدد کے لئے بلائے تو یہ لوگ مدد دیں۔ مگر مذہبی جنگوں میں مدد دینا ضروری نہ ہوگا۔

۴۔ یہ جب تک اپنے معاہدے پر قائم رہیں گے ان کی مدد کی جائے گی (نیکی کرتے رہیں گے اور بری بات سے بچتے رہیں گے)۔

۵۔ اس معاہدے پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ذمہ داری ہے۔

اسی طرح کے اور بھی متعدد معاہدے آپ ﷺ نے بنو ضمرہ کے قرب و جوار کے قبیلوں سے فرمائے۔ ان سب معاہدات کے الفاظ قریب قریب وہ ہی ہیں جو اوپر مذکور ہوئے[۱۸]۔

اسی سفارتی مہم کے سلسلے میں نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ سے پندرہ دن باہر رہے تھے

اور اپنی عدم موجودگی میں مدینہ منورہ کا امیر سعدؓ بن عبادہ کو بنایا تھا۔ یہ پہلا سفارتی مشن ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے شرکت فرمائی۔ یہ سفارتی اور دعوتی مشن بنو ضمرہ سے مصالحت کے سلسلے میں تھا اور اس نظریہ کے ماتحت تھا کہ مدینہ سے باہر کے قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے سے مصالحت کے ذریعے روک دیا جائے اور امن و امان کا معاہدہ ہو جائے(۱۹)۔

۳۔ غزوہ بواط(۲۰)

نبی کریم ﷺ ربیع الاوّل کے مہینے میں ایک دستہ لے کر نکلے۔ آپ ﷺ کا مقصد قریش کے قافلوں کی روک تھام تھا۔

اس مہم میں بھی حضور ﷺ نے حضرت عثمانؓ بن مظعون کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا۔

نبی کریم ﷺ بواط میں رضویٰ کے قرب و جوار پہنچے، تو کسی قسم کی مزاحمت نہ ہوئی۔ آپ ﷺ نے وہاں ربیع الثانی کا مہینہ اور جمادی الاول کے کچھ دن قیام فرمایا۔ پھر وہاں سے واپس مدینہ تشریف لے آئے(۲۱)۔

یہ مہم بہت کامیاب رہی۔ گرد و نواح کے قبائل کو اتنا اندازہ ہو گیا کہ ریاستِ مدینہ پوری طرح چوکس ہے اور اپنے دفاع کے لئے ہر طرح تیار ہے۔

۴۔ بنی زُرعہ اور بنی ربعہ سے معاہدہ

ہجرتِ مدینہ کے بعد سرور کائنات ﷺ نے جہینہ کی جن مختلف شاخوں سے جنگ کی صورت میں حلیف رہنے کا معاہدہ فرمایا، ان میں بنی زرعہ اور بنی ربعہ بھی تھے۔ اس معاہدے میں دشمنوں سے ان قبیلوں کی حفاظت اور امداد کا وعدہ کیا گیا ہے اور اسی کے ساتھ ان کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہ کرنے کی یقین دہانی بھی کی گئی ہے۔

معاہدے کا متن

۱۔ بنی زرعہ اور بنی ربعہ کی جان و مال کو امن حاصل ہو گا۔

۲۔ جو شخص ان پر حملہ آور ہو گا، اس کے مقابلے میں بنی زرعہ اور بنی ربعہ کی مدد کی جائے گی۔

۳۔ لیکن ان کے اندرونی جھگڑوں میں کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی۔

۴۔ ان قبیلوں کے قرب و جوار میں جو نیک اور پرہیز گار لوگ ہوں گے ان کے بھی وہی حقوق ہوں گے جو ان قبیلوں کے لوگوں کو حاصل ہوں گے[۲۲]۔

۵۔ معاہدہ بنو مدلج

محلِ وقوع

یہ قبیلہ بھی مدینہ منورہ سے ۹ منزل جنوب مغرب میں تقریباً ۸۰ میل کے فاصلے پر ابواء اور بنو ضمرہ کے پڑوس میں آباد تھا۔ یہیں سے مکہ مکرمہ سے تجارتی قافلے شام و مصر کو جایا کرتے تھے[۲۳]۔

معاہدہ کی افادیت

جمادی الثانی ۲ ھ بمطابق اکتوبر ۶۲۳ء کو جناب نبی کریم ﷺ دو سو مہاجرین کے ساتھ قریش کے تجارتی قافلے کی ناکہ بندی کی خاطر مدینہ منورہ سے نکلے۔ اس میں امیہ بن خلف اور ایک ہزار پانچ اونٹ تھے۔ یہ غزوہ عشیرہ بھی کہلاتا ہے۔ کاروان کی تلاش میں حضور ﷺ بطنِ ینبوع سے گزر کر صخیراتِ یمامہ میں عشیرہ کے مقام پر پہنچ گئے۔ کاروان تو سمندر کے راستے سے کنارے کنارے جا کر نکل گیا اور لڑائی کی نوبت نہ آئی۔ البتہ اسی مقام پر حضور ﷺ نے بنو مدلج سے معاہدہ طے فرمایا۔ یہ قبیلہ بنو ضمرہ کا حلیف تھا۔ جو میثاقِ مدینہ میں ایک فریق تھا۔ اس [illegible] کی دوسری وجہ ایک

دوسرے کے مذہب میں عدم مداخلت تھی، تاکہ بہترین ہمسائیگی کا ثبوت دیا جاسکے (۲۴)۔

۶۔ معاہدہ بنو غفار

قبیلہ غفار مکہ مکرمہ سے شام و فلسطین کے کاروانی راستے پر آباد تھا۔ بنو غفار عرب کا ایک مشہور قبیلہ تھا۔ قبولِ اسلام سے قبل اس کا پیشہ راہزنی تھا۔ یہ لوگ قبیلوں اور قافلوں پر چھاپے مارتے اور لوٹ مار کرتے تھے۔ مشہور جلیل القدر صحابی حضرت ابوذر غفاریؓ اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ شروع میں بہت بڑے رہزن تھے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کا بیان ہے:

"میں اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے قبیلے میں واپس آیا اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ تقریباً نصف لوگ ہجرت سے قبل اسلام لے آئے۔ بقیہ لوگ ہجرت کے بعد اسلام میں داخل ہوئے (۲۵)۔ فتح مکہ کے بعد چار سو آدمی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے" (۲۶)۔

نبی کریم ﷺ نے قبیلہ غفار کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"غفار غفراللہ لها". (غفار کو اللہ نے بخش دیا)۔

معاہدے کی پیش کش

قبیلہ بنو غفار نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں وفد بھیج کر معاہدے کی پیش کش کی۔ حضور ﷺ نے منظور فرما کر معاہدہ تحریر فرمایا۔

معاہدے کا متن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۔ بنو غفار مسلمانوں میں سے سمجھے جائیں گے۔ انہیں وہی حقوق حاصل ہوں گے جو مسلمانوں کو ہیں اور بنو غفار پر بھی وہی امور عائد ہوں گے جو مسلمانوں پر عائد ہوں گے۔

۲۔ محمد نبی کریم ﷺ نے ان کی جان و مال کی حفاظت کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ذمہ داری کا معاہدہ کیا ہے

۳۔ انہیں ایسے دشمن کے خلاف مدد دی جائے گی، جو ان پر ظالمانہ حملہ آور ہوگا۔

۴۔ ان لوگوں پر پابندی ہے کہ جب اللہ کا نبی ان کو مدد کے لئے بلائے تو یہ مدد دیں۔ مگر مذہبی جنگوں میں ہر فریق غیر جانب دار رہے گا۔

۵۔ جو شخص اس معاہدے سے روگردانی کرے گا اس کے لئے یہ معاہدہ حجت نہ ہوگا(۲۷)۔

۷۔ معاہدہ اشجع

محلِ وقوع

بنو اشجع قبیلہ غطفان کی ایک شاخ تھے اور تجارتی شاہراہ کے متصل آباد تھے۔

معاہدہ کی وجوہات

جب نبی کریم ﷺ نے قریش کی ناکہ بندی کی تو قریشی سلسلہ تجارت رک گیا تو اس سے ان کی معاش پر بھی اثر پڑا۔ کیونکہ یہ تجارتی قافلوں کی خدمت کرکے اپنی روزی کمایا کرتے تھے۔ معاشی بحران سے دوچار ہو کر ان کا وفد مدینہ منورہ آیا۔ آپ ﷺ نے ان سے معاہدہ فرمایا۔ ان کی طرف سے معاہدے پر دستخط نعیم بن مسعود نے کیے۔ معاہدہ حضرت علیؓ نے تحریر فرمایا۔

معاہدہ کا متن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"یہ وہ حلیفی معاہدہ ہے جو نعیم بن مسعود بن رخیلہ اشجعی نے طے کیا ہے۔ انہوں نے مدد و خیر خواہی پر اس وقت تک کے لئے حلیفی معاہدہ کیا ہے۔ جب تک کوہِ اُحد اپنے مقام پر رہے اور سمندر کسی سیپ کو گیلا کرتا رہے"۔

نعیم بن مسعود نے ستر ساتھیوں سمیت ۵ھ میں عین غزوہ خندق کے دوران اسلام

قبول کیا- معاہدے کے وقت پورا قبیلہ اسلام نہ لایا تھا- تاہم معاہدہ کی اساس اس فقرے سے واضح ہوتی ہے کہ:

"حالفه علی النصروالنصیحة "[۲۸]. (ان سے نُصرت اور خیر خواہی کے لئے معاہدہ کیا) یعنی حمایت و نصرت اور خیر اندیشی و خیر سگالی کے وسیع تعلقات استوار ہوئے)-

مدینہ سے ملحقہ قبائل سے معاہدات پر ایک نظر

ہمارے پیش رووں کی ایک رائے یہ ہے کہ ان معاہدات سے یہ قبیلے اور علاقے درحقیقت مدینہ کے سیاسی واحدہ کا جز بن گئے تھے اور متعلقہ علاقہ مدینہ کی سلطنت کا ایک حصہ ہوگیا تھا- اس کی دلیل یہ ہے کہ معاہدات کے بعض اہم اجزاء اور بعض اصطلاحات دستوری معاہدہ سے ملتی جلتی ہیں- لیکن اگر بالکل ابتدائی دور کے متعلق ایسا نہ بھی تسلیم کیا جائے تو اس میں شک نہیں کہ بعد میں جہینہ سے حلیفانہ تعلقات کا ارتقاء اس نہج پر جاری رہا کہ یہ لوگ دوسرے عرب قبائل سے بہت پہلے اسلام میں داخل ہوئے اور ایک ہزار چار سو کی جمعیت نے مدینہ آکر حضور ﷺ کی خدمت میں تعاون پیش کیا اور عملاً غزوات میں حصہ لیتے رہے[۲۹]- اس قبیلہ کی مختلف شاخوں سے اسلامی ریاست کے معاملات کا جو ریکارڈ موجود ہے وہ اس کی توثیق کرتا ہے- مثلاً:

۱- بنی جرمز (جہینہ کی ذیلی شاخ) کو حضور ﷺ نے امن و سلامتی کا تحریری پروانہ عطا کیا-

۲- بنی شمخ یا بنی شنخ (جہینہ کی ذیلی شاخ) کو ان کا پورا علاقہ بطور جاگیر مستقل طور پر تفویض کردیا-

۳- ذُوالمروۃ اسی طرح عوسجہ بن حرملہ جہنی کو اس کے مسکن ذُوالمروۃ (بہ جانب ساحل) کے قریب جاگیر کا پروانہ عطا کیا گیا[۳۰]- ابو بصیر اور ان کے ساتھیوں کے لئے جب معاہدہ حدیبیہ کی وجہ سے مدینہ جانے کا موقع نہ رہا تو وہ مکہ سے ہجرت کر کے اسی ساحلی

علاقے میں آ گئے تھے[۳۱]۔ عین ممکن ہے کہ عوسجہ جیسے سرداروں کی حمایت بھی انہیں حاصل رہی ہو اور وہ مقامی لوگوں کے تعلقات ہی سے قریشی قافلوں کی مزاحمت کرتے ہوں۔

تعلقات اور آگے بڑھے۔ میل جول کی وجہ سے دعوت کا کام جاری رہا۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قبائل بحیثیت مجموعی اسلامی تحریک کے علمدار بن گئے۔ قبیلہ جہینہ کی بیعتِ اسلام کا حال ہمارے سامنے ہے۔ حضور ﷺ کے دورِ آخر میں ایک نیا پروانہ بنی جرمز، بنی الحرفہ اور عمرو بن معبد جہینہ کے نام جاری ہوا۔ جس میں دو شرائط ہیں۔ جو مسلم قبائل پر عائد ہوتی تھیں۔ یعنی غلہ و زکوٰۃ کی پابندی، خمس کی ادائیگی، مخالفینِ اسلام سے انقطاع، قرضوں کے سود کا ترک ان کے لئے لازم کیا گیا تھا۔ مدینہ میں قبیلہ جہینہ کے نام کی مسجد بھی دورِ نبوت میں بن گئی تھی۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خاصی تعداد میں جہینی لوگ اسلامی مشن میں شامل ہو کر مدینہ آئے ہوں گے۔

۴۔ بنو غفار کے لوگوں نے حضور ﷺ سے معاہدہ کیا۔ جس کی اساس اس جملے پر ہے کہ:

"انهم من المسلمين و عليهم ماعلى المسلمين". (بنو غفار مسلمانوں میں سے سمجھے جائیں گے، انہیں وہی حقوق حاصل ہوں گے جو مسلمانوں کو ہیں اور بنو غفار پر بھی وہی امور عائد ہوں گے جو مسلمانوں پر عائد ہوں گے)۔

ہماری رائے میں اگرچہ اس کے ایک جزو میں اس قبیلہ کے غیر مسلم عناصر کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ لیکن فی الحقیقت یہ قبیلہ گویا مدینہ کی ہیئتِ اجتماعیہ کا جز بن گیا اور کوئی وجہ نہیں کہ اس کے علاقے کو مدینہ کے زیرِ نگیں نہ سمجھا جائے۔

۵۔ بنو ضمرہ جس کی بہت سی شاخوں میں سے ایک بنو غفار کی شاخ تھی، اس کا ایک ذیلی قبیلہ بنو عبد بن عدی بھی تھا۔ جس کا قیام حدودِ حرم میں تھا۔ اس شاخ نے قریش سے مجبوراً تعلقِ مصالحت کے باوجود مسلم حکومت سے دوستانہ تعلقات استوار کیے۔ صرف قریش

کے خلاف جنگ میں شامل ہونے سے استثنیٰ حاصل کر کے بقیہ ہر لحاظ سے حضور ﷺ کے ساتھ حلیفانہ روابط جوڑ لیا۔

۶۔ قبیلہ مزینہ مدینہ سے صرف ۲۰ میل کی دوری پر فرع کی سمت میں بجانب شمال مغرب (بقول ابو یوسفؒ) آباد تھا۔ ۵ھ میں یہ قبیلہ حلقۂ اسلام میں شامل ہوا۔ لیکن ان سے حلیفانہ تعلقات لازماً ان کے ہمسایہ قبائل کے ساتھ ہی ساتھ آغاز پا چکے تھے۔ اس قبیلہ کے ایک سردار بلال بن حارث کو قبیلہ یا قبیل کی سونے کی کانیں حضور ﷺ نے بطور جاگیر عطا کیں (۳۲)۔ چنانچہ حالیہ کھدائی میں یہاں کے قبرستان سے جاگیر کے فرمان کا کتبہ ملا ہے (۳۳)۔ فتح مکہ کے بعد سردار مذکورہ کو بہت سی زرعی زمین بھی بطور جاگیر دی گئی۔

ان باتوں سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ فرمانروائے مدینہ نے کتنی زیادہ توجہ ساحلی علاقے کے قبائل پر صرف کی۔ کیونکہ سیاسی جغرافیہ کے لحاظ سے یہ کلیدی مقامات پر قابض تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ جاگیروں کے فرامین یہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ علاقے شروع ہی سے (ان قبائل کے قبولِ اسلام سے قبل) حکومتِ مدینہ کی سرزمین سے سیاسی طور پر ملحق ہو چکے تھے۔

۷۔ قبیلہ غطفان کی ایک شاخ بنو اشجع تھے۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ معاشی بحران سے مجبور ہو کر ان کا وفد مدینہ پہنچا اور معرکہ خندق سے قبل ہی انہوں نے اسلام قبول کر کے معاہدہ استوار کیا۔ اس قبیلہ کی ایک شاخ بنو عامر بن عکرمہ نے قافلوں کے پڑاؤ کا کاروبار چلانے کے لئے استحقاق خصوصی کا پروانہ حضور علیہ السلام سے حاصل کیا۔ اس شاخ کے ایک سردار کو بھی غزوہ خندق سے قبل جاگیر دی گئی (۳۴)۔

اب ہم ان چند حلیفانہ رابطوں کا ذکر کرتے ہیں۔ جو غزوہ خندق کے مابعد قائم ہوئے۔

۱: قبیلہ خزاعہ۔ قبیلہ خزاعہ یمن کی قحطانی نسل سے تعلق رکھتا تھا اور بہت سی شاخوں پر مشتمل تھا۔ یہ لوگ مکہ کے ارد گرد پھیلے ہوئے تھے۔ بنی مصطلق کے علاوہ اس قبیلہ کی اکثر

شاخیں مسلمانوں سے اچھے روابط رکھتی تھیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ جناب عبدالمطلب نے ان کے ساتھ مستقل حلیفی رکھی تھی۔ اس قبیلے نے معاہدہ حدیبیہ کی گنجائش سے فائدہ اٹھا کر علی الاعلان قریش کو چھوڑ کر مدینہ کی اسلامی حکومت سے حلیفی قائم کرلی[۳۵]۔ اسی واسطے کی بنا پر ایک طرف تو اس قبیلے نے جنگِ احزاب کے لئے قریش کی تیاریوں کی اطلاع حضور ﷺ کو پہنچائی اور دوسری طرف حضور ﷺ نے بھی فتح مکہ سے قبل ان کو ایک مکتوب میں اطمینان دلایا تھا کہ ان کو کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ نیز اطلاع دی تھی کہ بنو کلاب اور بنو ہوازن نے اسلام قبول کرلیا ہے۔ لیکن وقت آنے سے قبل یہ بنو بکر کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے اور ان کی مظلومی ہی فتح مکہ کا محرک بنی[۳۶]۔

۲۔ قبیلہ قضاعہ اور عذرہ: تبوک کے شمالی علاقے میں جذام قضاعہ اور عذرہ کے قبائل آباد تھے۔ جنھوں نے اپنے مخالفانہ رویے سے خاصی مشکلات اسلامی حکومت کے لئے پیدا کی تھیں۔ ان لوگوں نے مدینہ کے سفیر کو لوٹ لیا تھا۔ پھر تادیبی مہم ان کے خلاف بھیجی گئی۔ اس مہم کی زد میں غلطی سے بعض بے قصور لوگ بھی آئے۔ یہ لوگ مدینہ میں فریاد لے کر آئے اور تلافی کی گئی۔ اس طرح تعلقات کی راہیں بھی کھلیں۔

۳۔ قبیلہ جذام: حضور ﷺ کی دستاویزات میں ایک مکتوب رفاعہ بن زید جذامی کے نام ملتا ہے۔ جس میں بڑا بھاری الٹی میٹم ہے۔ اس سردار کو مخاطب کرکے اس کی ساری قوم کو متنبہ کیا گیا ہے کہ یا تو وہ اسلامی مشن قبول کرکے اللہ اور رسول کی جماعت میں شریک ہوجائے۔ ورنہ روگردانی کرنے کی صورت میں دو ماہ کی امان ہے[۳۷]۔ حالات کا اس نہج سے ارتقاء بالآخر جس صورت پر منتج ہوتا ہے۔ وہ یہ تھی کہ حضور ﷺ کی تبوک سے واپسی پر ۹ھ میں مالک بن احمر جذامی نے مدینہ میں آکر حضور ﷺ سے ملاقات کی اور پروانہ حاصل کیا۔ اس پروانہ میں وہ شرائط درج ہیں جو معمولاً صرف مسلم قبائل کے لئے ہوتی تھیں۔ یعنی ان لوگوں نے اسلام قبول کرلیا تھا[۳۸]۔ اس طرح قضاعہ کا ایک سردار بریدہ بن الخصیب کی مہم کے

درمیان میں حضور علیہ السلام سے مدینہ کے باہر ہی ملا اور اس نے اپنی قوم کی طرف سے قبولِ اسلام کا قول دے کر پروانہ حاصل کرلیا[۳۹]۔

۴۔ قبیلہ کلب: ۶ ھ میں قبیلہ کلب کی طرف حضور ﷺ نے عبدالرحمان کو ایک دعوتی مہم پر بھیجا۔ نتیجہ حسب منشا نکلا اور سردار نے اظہار وفاداری اور استحکام رابطہ کے لئے اپنی بیٹی کا نکاح عبدالرحمانؓ بن عوف سے کردیا۔ اسی طرح بارگاہِ نبوی ﷺ سے ایک پروانہ کلبیوں کے نو مسلم سردار حارثہ بن قطن کے نام جاری ہوا۔ جو دومتہ الجندل کے قرب و جوار کے کلبیوں سے متعلق ہے۔ خودا کیدر (والئی دومتہ الجندل) سے معاہدہ ہوا۔ قوم نے اسلام قبول کیا[۴۰]۔ جزیہ دینے کی شرط پر سرداری پر بحال رکھا گیا[۴۱]۔ بہر حال بعد میں اس نے اپنے اسلام یا معاہدہِ اطاعت سے انحراف کیا اور حضرت خالدؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ بعد میں اس کے قلعے اور افتادہ زمینوں کو اسی کلبیوں کے سردار حارثہ بن قطبن کی تحویل میں دے دیا گیا۔

اہل طائف کے عمومی قبولِ اسلام سے قبل عمرو بن عبداللہ یمنی اسلامی مشن کے علمبرداروں میں آملے۔ حضور ﷺ نے ان کو اس علاقے میں فوجی کاروائیوں کے لئے کمانڈ تفویض کی۔ حضور ﷺ ہی کے اذن سے انہوں نے جرس کے قلعے کا محاصرہ کیا۔ جو معاہدہ صلح پر منتج ہوا[۴۲]۔

۵۔ بنوازد: بنوازد جو عمان شہر میں آباد تھے اور عبید اور جعفر نامی دو اشخاص ان کے رئیس تھے۔ ان کی طرف عمرو بن العاصؓ حضور ﷺ کا نامہ دعوت لے کر ۸ ہجری میں گئے۔ انہوں نے اسلام قبول کرلیا[۴۳]۔

علاوہ ازیں فوجی کارروائی کے نتیجے میں جہاں کہیں کسی گروہ نے اطاعت قبول کرنے یا مصالحت کرنے کی خواہش کی، وہاں فوراً اس کے لئے راستہ دیا گیا۔ مدینہ کی مستقل اصولی پالیسی یہ تھی کہ جو محارب بھی صلح کا خواہاں ہو اس کی خواہشِ امن کا احترام کیا جائے۔ چنانچہ

متعدد قبائل نے میدانِ جنگ میں اترنے کے بعد یا تو سیاسی اطاعت اختیار کی۔ یا اسلام قبول کیا۔ اس سلسلے کی ایک نمایاں مثال خیبر اور ملحقہ علاقہ کے یہودیوں کی ہے کہ مفتوح ہونے پر جب انہوں نے وہیں رہنے کی درخواست کی، تو شرائط طے کرکے ان کو رکھ لیا گیا۔

ان سارے واقعات کو سامنے رکھیے تو ماننا پڑتا ہے کہ تصادم سے بچ کر حلیفانہ تعلقات پیدا کرنا حکومتِ مدینہ کی سرگرمیوں کا اہم ترین شعبہ تھا اور حضور علیہ السلام اور آپ ﷺ کے رفقاء نے بہت ساری مہمات اسی شعبہ کار کے لئے اٹھائیں اور متعدد سفر کیے۔ یہ سرگرمیاں اسلامی ریاست کے امن پسندانہ نقطۂ نظر کا بڑا بین ثبوت ہیں۔ پھر اس معاملے میں حضور ﷺ نے ایک اصولی و نظریاتی ریاست کے تقاضے سامنے ہونے کے باوجود پالیسی میں یہاں تک وسعت رکھی کہ اسلام نہ لانے والے قبائل کی طرف سے محض سیاسی حلیفی کو بھی قبول کرلیا اور متعدد صورتوں میں غیر مسلم سرداروں اور حاکموں کو اپنی طرف سے مامور یا بحال فرمایا۔ مدعا یہی تھا کہ تصادم کے مواقع کم سے کم رہ جائیں۔ بعد کا یہ فیصلہ تو بہت سارے تلخ تجربات کی روشنی میں کیا گیا کہ کم سے کم جو سرزمین، اسلامی تحریک کے گھر کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے ماحول کو پاک اور پر امن رکھنے کے لئے اسے مخالف عناصر سے خالی کرالیا جائے۔ ورنہ ان کی غدارانہ حرکات سارے کام کا ستیاناس کردیں گی۔

اوپر کے روابط کا تجزیہ کرکے دیکھیں تو یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ جہاں کہیں اسلام پہنچتا وہاں سے مدینہ کو سیاسی اطاعت ازخود حاصل ہوتی اور اسی طرح جہاں کہیں سیاسی حلیفی کا تعلق قائم ہوگیا وہاں بھی کچھ ہی مدت میں اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ قبائل کا جب مدینہ سے میل جول بڑھتا گیا تو وہ اسلامی نظریہ حیات کے اعجازات کو سر کی آنکھوں سے دیکھ کر متاثر ہوتے ہوں گے۔ نیز ان کے اندر تحریک کے کارکنوں کو دعوتی کام کرنے کے لئے پر امن فضا حاصل ہوتی گئی۔ دین و سیاست کی یہی وحدت تھی جس نے دس بارہ لاکھ مربع میل علاقے کو چند برس میں اسلام کے رنگ میں رنگ دیا۔

(سفارتی مشن کی ایک اہم کڑی)

۸۔ معاہدۂ حدیبیہ

نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ پہنچ کر مدینہ کی خارجی حفاظت کے لئے یہ تدبیر اختیار فرمائی تھی کہ مدینہ سے باہر قبائل کو مصالحت کا پیغام دیا جائے اور ایسی صورت اختیار کی جائے کہ قریش جن کے فخر اور نخوت کا پارہ سارے قبائلِ عرب سے اونچا ہے وہ بھی مصالحت پر آمادہ ہو جائیں۔

چنانچہ حضور ﷺ نے اسی مقصد کے پیشِ نظر بذاتِ خود مدینہ منورہ سے قبائلِ عرب کا سفر کیا اور مختلف قبائل سے مصالحت فرمائی (تفصیل گزر چکی ہے)۔

قریش سے مصالحت کا مسئلہ نہایت اہم تھا۔ مٹھی بھر بے سرو سامان مسلمانوں کے مقابلے میں مصالحت کے لفظ کا سننا بھی ان کے لئے توہین کا باعث تھا۔ ان کے لئے براہِ راست پیغامِ مصالحت کے بجائے ایسے اسباب کا پیدا کرنا مناسب سمجھا گیا جو ان کو صلح پر مجبور کردے۔

اس سارے جتن کا مقصد یہ تھا کہ اس مصالحت سے سفارتی مشن کی عالمی دعوت کے لئے راہ کھل جائے۔ جس کے لئے آپ ﷺ ہجرت اور انصار کی بیعت سے پہلے ہر قبیلے کے پاس تشریف لے جاتے تھے اور ان سے کہتے تھے:۔

''میں اللہ کی طرف سے سفیرِ اعظم اور رسول ہوں۔ وہ تمہیں حکم کرتا ہے کہ اسی پر ایمان لاؤ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور یہ کہ تم میری تصدیق کرو اور لوگوں سے میری حفاظت کروتا کہ میں اللہ کے پیغام کو کھول کر بیان کرسکوں''[۴۴]۔

غزوہ خندق کے بعد حضور ﷺ نے یہ اعلان فرما دیا کہ: "الاٰن نغزوھم ولا یغزوننا نحن نسیرالیھم"[۴۵] (اب ہم ان لوگوں پر حملہ کریں گے وہ لوگ ہم پر حملہ نہیں کریں

گے۔ ہم ہی اُن کی طرف بڑھیں گے)۔ یعنی نبی کریم ﷺ نے اس بات کا پورا پورا اندازہ فرمالیا کہ قریش میں اب اس کی طاقت نہیں رہی کہ وہ اپنی جنگی طاقت سے اسلام اور مسلمانوں کا استیصال کرسکیں گے بلکہ ہم ہی ان پر چڑھائی کریں گے۔

اسی کے ساتھ حضور ﷺ نے یہ بھی اندازہ فرمالیا کہ اب اس حالت میں کہ وہ غزوہ خندق سے ناکام و نامراد لوٹے ہیں اور اپنی کامیابی سے مایوس ہوچکے ہیں اور ان کی امیدوں پر اوس پڑگئی ہے۔ قدرتی طور پر ان کے غرور و تکبر کا پارہ نیچے اتر چکا ہوگا اور اب ان کا قومی مزاج اس قابل ہوگا کہ صلح کی دعوت کارگر ہو۔ لہذا نبی کریم ﷺ کے سامنے اب دو صورتیں تھیں:

۱۔ فدائیوں اور جانثاروں کی جماعت کو لے کر ان پر حملہ آور ہوں اور ان کے ساتھ بھی تادیبی کاروائی کریں اور ان کے ظالمانہ سلوک اور مسلمانوں کے ان جانی اور مالی نقصان کا بھرپور انتقام لیں جو انہوں نے مسلسل ابتداء بعثت سے غزوہ خندق تک پورے اٹھارہ سال پہنچائے اور اس سلسلہ میں کوئی دقیقہ مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کے لئے اٹھا نہیں رکھا۔

۲۔ صلح کا پیغام دیا جائے اور اس طریقہ سے دیا جائے کہ مؤثر اور کارگر ہو اور ان کو یہ احساس نہ ہو کہ تلوار کے نیچے اپنی طاقت کے بل پر ہم سے جبراً صلح کا معاہدہ لکھوایا جارہا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے تادیب کی پہلی صورت کے مقابلے میں مصالحت کی دوسری صورت کو پسند فرمایا۔ اس کی بھی دو وجوہات تھیں۔

(۱)۔ اول یہ کہ حضور ﷺ کا مقصد صرف یہ تھا کہ "عالمی مشن کی عالمی و تبلیغی دعوت" کی راہ سے مزاحمت ختم ہوجائے اور قریش دعوت حق کو کھلے دل سے بلا جبر و اکراہ اختیار کریں۔ آپ ﷺ کا مقصد اور آپ ﷺ کی پالیسی ہرگز یہ نہیں تھی کہ قریش کا یا ان جیسے دشمن اسلام کا استیصال کردیا جائے۔ یا ان کو اسلام لانے پر مجبور کیا جائے یا اسلام قبول نہ

کرنے پر اور اس کی دعوت کو رد کردینے کی بناء پر ان کو جانی و مالی نقصان پہنچایا جائے۔ کیونکہ اسلام میں نہ ایسے اسلام کی کوئی قدرو قیمت ہے اور نہ ایسا اسلام قابل اعتبار ہے جو کھلے دل سے بلاجبر و اکراہ نہ قبول کیا گیا ہو۔

(۲)۔ دوم یہ کہ اسلامی نقطۂ نظر سے نبی کریم ﷺ صلح ہی کو اسلام کی فتح بھی سمجھتے تھے اور عالمی مشن کی عالمی دعوت کی کامیابی اور اثراندازی کے لئے اختلاط، آپس کا میل جول، صلح و آشتی اور وسعتِ قلبی سے باہمی تبادلہ خیال اور گفتگو کے مواقع کو ضروری سمجھتے تھے، جو مصالحت ہی کی راہ سے حاصل ہوسکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے مشرکین مکہ کی ہر وہ شرط قبول فرمالی جو بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھی[۴۶]۔

چنانچہ "صلح حدیبیہ" سے فارغ ہو کر جب حضور ﷺ واپس عازمِ مدینہ منورہ ہوئے تو راستے ہی میں حضور ﷺ کو خداوند کریم کی جانب سے مصالحت پر ان الفاظ میں مبارک باد دی گئی[۴۷]: "انا فتحنالک فتحاً مبیناً[۴۸]" (صلح حدیبیہ کے ذریعے ہم نے آپ کو کھلی فتح دے دی)۔

فی الواقعہ صلح حدیبیہ کے بعد باہمی اختلاط کا سلسلہ قائم ہوگیا۔ اب تک مسلمان اور کفار ملتے جلتے نہ تھے۔ اب صلح کی وجہ سے آمدورفت شروع ہوئی۔ خاندانی اور تجارتی تعلقات کی وجہ سے کفار مدینہ منورہ میں آتے، مہینوں قیام کرتے اور مسلمانوں سے ملتے جلتے تھے۔ باتوں باتوں میں اسلامی مسائل کا تذکرہ آتا رہتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ہر مسلمان اخلاص، حسنِ عمل، نیکوکاری، پاکیزہ اخلاق کی ایک زندہ تصویر تھا۔ جو مسلمان مکہ مکرمہ جاتے تھے ان کی صورتیں یہی مناظر پیش کرتی تھیں۔ اس سے خود بخود کفار کے دل اسلام کی طرف کھنچتے آتے تھے اور مخفی طور پر جو مسلمان تھا وہ بھی ظاہر ہوگیا[۴۹]۔

زہری کا خیال ہے کہ:

"صلح حدیبیہ سے قبل اسلام میں اتنی بڑی کوئی فتح نہیں حاصل ہوئی۔ جہاں بھی لوگ ایک

دوسرے سے دوچار ہوتے تھے، جنگ ہو کر ہی رہتی تھی۔ لیکن جب یہ مصالحت ہوئی، جنگ روک دی گئی، لوگ ایک دوسرے سے مانوس ہوگئے اور میل ملاپ کرنے لگے، باہم گفت و شنید اور تبادلہ خیالات ہونے لگا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اگر کوئی شخص اسلام کے بارے میں بات کرتا اور اس کی سمجھ میں کوئی چیز آجاتی تو وہ اسلام میں داخل ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔ اس سے پہلے مسلمانوں کی جو تعداد تھی اس کے مساوی یا اس سے بھی زیادہ لوگ ان دو برسوں میں داخلِ اسلام ہوئے[50]۔

بہر حال نبی کریم ﷺ نے مصالحت کی راہ کو اختیار فرمایا اور اس کے لئے یہ مؤثر صورت اختیار کی کہ حضور ﷺ نے "عمرہ" کا عزم کیا اور اس کے ذیل میں پیغامِ صلح کو رکھا۔ تاکہ دل میں اس کا معمولی خطرہ بھی پیدا نہ ہو کہ محمد ﷺ کے ساتھ چودہ سو فدائیوں کا جو جتھا ہے اور سب کے سب احرام باندھے ہوئے ہیں اور جنگی ہتھیاروں سے خالی ہیں۔ یہ مکہ پر چڑھائی کے لئے آرہے ہیں[51]۔ آگے چل کر نبی کریم ﷺ کا یہ اندازہ صحیح ثابت ہوا کہ قریش کے قومی مزاج میں مصالحت کی قبولیت کی استعداد پیدا ہو گئی تھی۔

چنانچہ جب حدیبیہ میں حضور ﷺ نے قریش کو "پیغام صلح" دیا تو ردوکد کے بعد یہ پیغام کامیاب ہوا اور حدیبیہ کے مقام پر صلح ہو گئی اور پیغمبرِ اعظم ﷺ کا "عمرہ" کے ذیل میں پیغامِ صلح کو رکھنا نہایت مؤثر ہوا اور "معاہدۂ صلح" پرسکون فضا میں طے ہوا۔

حدیبیہ کا محلِ وقوع

مکہ معظمہ سے شاہراہ جدہ پر ایک منزل ہے یہاں (تقریباً ۲۰ کلو میٹر کے فاصلے پر) ایک کنواں ہے جو حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے۔ کنویں سے ملحقہ آبادی بھی حدیبیہ کہلاتی ہے جو کہ ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ چونکہ "معاہدۂ صلح" اسی مقام پر تحریر کیا گیا اس لئے اس واقعہ کو صلح حدیبیہ کہتے ہیں۔ آجکل حدیبیہ کو "شمیسیہ" کہتے ہیں۔ وہاں اب خوبصورت مسجد

بنی ہوئی ہے جو "بیعتِ رضوان" کے مقام کی نشاندہی کرتی ہے۔ یہیں سے "حدودِ حرم" شروع ہوجاتی ہے۔ حدیبیہ اور مدینہ کے درمیان نو منزل کا فاصلہ ہے[۵۲]۔

صلح حدیبیہ کا واقعہ

ذی قعدہ ۶ ھجری بمطابق ۶۲۸ء میں حضور ﷺ نے چودہ (۱۴) سو صحابہ کرامؓ کے ساتھ عمرہ کا قصد فرمایا۔ اپنی عدم موجودگی میں نبی کریم ﷺ نے نمیلہ بن عبداللہ لیثیؓ کو مدینہ میں نیابت سونپ کر مسلمانوں کی کافی تعداد حفاظت کی غرض سے وہیں رہنے دی۔ اس امر کے اظہار کے لئے کہ آپ جنگ کی غرض سے روانہ نہیں ہوئے بلکہ مقصود محض زیارتِ کعبہ ہے۔ "ذوالحلیفہ" ہی سے احرام باندھ لئے تھے۔ قربانی کے ستر اونٹ ساتھ لئے۔ روانگی بڑی خاموشی سے ہوئی[۵۳]۔ مقامِ ذوالحلیفہ ہی میں پہنچ کر قربانیوں کو نشان زد کیا گیا۔ جنگی ہتھیار نہیں لگائے گئے، صرف ضروری ہتھیار رکھے، وہ بھی نیام میں۔ احتیاط کے لئے قبیلہ خزاعہ کے ایک شخص بسر بن سفیان کو جاسوس بنا کر قریش کی خبر معلوم کرنے کے لئے آگے روانہ فرمایا[۵۴]۔

چونکہ یہ سفر ایک طرف مذہبی بھی تھا اور دوسری طرف اس میں بڑا زبردست سیاسی پہلو بھی ازخود شامل تھا۔ اس لئے یہ سفر قریش کے لے ایک بھاری چیلنج بن گیا۔ اگر وہ ان زائرینِ حرم کی مزاحمت نہ کریں تو گویا مکہ ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کے لئے کھل گیا۔ پھر پیغمبرِ اعظم ﷺ اور آپ کے رفقاء کے حرم میں آنے سے بہت ہی گہرے اثرات شہر والوں پر پڑ سکتے تھے۔ کیونکہ اسلامی انقلاب کے ان داعیوں کی آمد سے پچھلی تاریخِ دعوت کے ان سارے نقوش میں جان پڑ جاتی جو ذرے ذرے پر ثبت تھے۔ پھر عوام میں یہ چرچا بھی پھیل جاتا کہ بس اب قریش میں دم خم باقی نہیں رہا۔ چنانچہ سہیل بن عمرو (نمائندہ مکہ) نے کہہ بھی دیا تھا کہ "اگر ہم آپ لوگوں کو حرمِ کعبہ میں داخل ہونے دیں، تو سارا عرب یہ کہے گا کہ ہم نے آپ کی قوت سے ڈر کر راستہ کھول دیا[۵۵]"۔

مسلمانوں کی روانگی اور قریش کی مزاحمت

حضور ﷺ کو راستہ ہی میں صورتِ حال کا علم ہو گیا تھا۔ آپ ﷺ کے خبر رساں بسر بن سفیان نے مقامِ عسفان پر آ کر اطلاع دی کہ قریش مسلمانوں کی آمد سے آگاہ ہو چکے ہیں اور انہوں نے عہد کیا ہے کہ "محمد (ﷺ) مکہ میں کبھی داخل نہیں ہو سکتے"۔ آپ ﷺ کو روکنے کے لئے خالد بن ولید سواروں کا دستہ لے کر مقامِ کراع الغمیم تک آ چکا ہے۔

حضور ﷺ نے اس پر فرمایا:

"یہ قریش کی بد بختی ہے، جنگوں نے ان کا کچومر نکال دیا ہے ان کا کیا حرج ہے کہ وہ بیچ میں سے ہٹ جائیں اور مجھے اور پورے عرب کو نمٹ لینے دیں۔ اگر وہ مجھے ختم کر دیں تو ان کی مراد پوری ہوئی۔ اگر مجھے غلبہ حاصل ہو جائے تو وہ چاہیں تو اپنی تعداد کثیر کے ساتھ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ ورنہ وہ قوت رکھتے ہیں، اس وقت لڑ لیں اور ایسا نہ ہو تو پھر خدا کی قسم میں اس حق کو لے کر جس کے ساتھ مجھے خدا نے اٹھایا ہے، آخر دم تک لڑوں گا۔ یہاں تک کہ یا تو اس حق کو خدا غالب کر دے یا میری یہ گردن کٹ جائے"۔

گویا آپ ﷺ نے مصالحت کی راہ کی طرف اشارہ بھی کر دیا۔ الٹی میٹم بھی دے دیا اور قریش کی پتلی حالت پر بھی توجہ دلا دی۔

لیکن دوسری طرف زائرین کے قافلے کو روکنے میں بھی قریش کی پوزیشن سخت خراب ہوتی تھی۔ رائے عامہ یہ رخ اختیار کرتی کہ ان لوگوں نے ایک مذہبی مشن میں رکاوٹ ڈالی۔ لڑنے میں پہل کرتے ہیں تو یہ الزام سر آتا ہے کہ حرمت والے مہینوں کی حرمت کو پامال کیا۔ نبی کریم ﷺ کی طرف سے پہلے ہی سے حرم شریف کی حرمت کا احترام کرنے اور صرف عمرہ کے لئے غیر جنگی سفر کرنے کا خوب اچھی طرح چرچا ہو چکا تھا۔ پھر جنگی سازوسامان ساتھ نہ تھا اور قربانی کے نشان زد جانوروں کا گلہ مقدس سفر کی شہادت دے رہا تھا۔

گویا سخت پیچیدگی میں گھر گئے تھے اور اس نازک وقت میں ان کا قائدِ اعلیٰ ابو سفیان سفر میں تھا۔ یہ حضور ﷺ ہی کی نگاہ جانتی تھی کہ ساری اکڑفوں کے باوجود اس وقت قریش کے لئے مصالحت کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے اور یہی اندازوں کی صحت ہی حالات کا رخ بدلتی ہے اور اسی سے کسی کارپرداز کی بصیرت کا معیار سامنے آتا ہے۔

رسولِ کریم ﷺ کا راستہ تبدیل کرنا

نبیِ کریم ﷺ نے قریش کے باخبر ہونے کی اطلاع پاتے ہی عام راستہ چھوڑ کر ثنیۃ المرار کی راہ اختیار کی اور حدیبیہ نامی کنویں کے قرب و جوار میں فروکش ہوگئے (۵۶)۔

اعجازِ نبوی ﷺ

گرمی کا موسم تھا، پیاس کی شدت اور پانی کی قلت تھی، کنویں میں جو تھوڑا بہت پانی تھا، وہ کھینچ لیا گیا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ پانی نہیں رہا۔ حضور ﷺ وہاں تشریف لے گئے اور ڈول اور پانی منگوایا۔ آپ ﷺ نے لعاب ڈال دیا۔ اسی وقت پانی اس قدر جوش مارنے لگا کہ تمام لشکر سیراب ہوگیا (۵۷)۔

قریش نے پرانی ہٹ دھرمی کی بناء پر جلد از جلد حلیف قبائل کی فوجیں بلدح کے مقام پر جمع کرلیں (۵۸)۔

حدیبیہ میں سفارتی سرگرمیاں

۱۔ دربارِ رسول اللہ ﷺ میں قریش کا پہلا سفیر

حدیبیہ میں پہنچتے ہی سفارتی سرگرمیاں شروع ہوگئیں۔ سب سے پہلے قبیلہ خزاعہ کے سردار بدیل بن ورقاء اپنے چند اہم ساتھیوں سمیت حضور ﷺ سے آکر ملے اور آپ ﷺ کی آمد کا مقصد دریافت کیا۔ ساتھ ہی قریش کے لشکر اور ان کے آپ ﷺ کو مکہ میں داخل نہ ہونے کے عزم کے متعلق بتایا۔ حضور ﷺ نے اسے بتایا کہ:

"ہم صرف زیارتِ حرم کے لئے آئے ہیں اور اس کی تعظیم ہمارے پیشِ نظر ہے، جنگ مقصود نہیں۔ قریش جنگ کے بڑے شائق ہیں۔ حالانکہ اس میں سراسر ان کا گھاٹا ہے کیوں نہ ایسا ہو کہ قریش چند سال کے لئے مصالحت کرلیں (۵۹)"۔

اس طرح پیغمبرِ اعظم ﷺ نے اصل مدعا کا بیج شروع ہی میں ڈال دیا۔ بدیل نے قریش سے جا کر بات چیت کی کہ "دیکھو جلد بازی نہ کرو۔ محمد ﷺ جنگ کے لئے نہیں، زیارت کے لئے آئے ہیں"۔ اس پر قریش بہت بگڑے اور کہا کہ "اگرچہ آپ ﷺ جنگ و جدل کے ارادے سے نہیں آئے لیکن ہم ان کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے (۶۰)"۔

۲۔ قریش کی دوسری سفارت

اس کے بعد قریش نے عامر بن لوئی قبیلے کے مکرز بن حفص کو پیغمبر اعظم ﷺ کے پاس بھیجا۔ یہ اپنے قبیلے کے شاہسواروں اور جنگ جو لوگوں میں سے تھا (۶۱) اسے دیکھ کر حضور ﷺ نے فرمایا کہ: "یہ شخص عہد شکنی کرنے والا ہے (۶۲)"۔

وہ جب حضور ﷺ کے پاس آیا اور بات چیت کی۔ تو حضور ﷺ نے اس سے بھی وہی مدعا بیان کیا جو بدیل سے فرمایا تھا۔ اس نے بھی جا کر قریش کو حضور ﷺ کے مدعا سے مطلع کردیا"۔

۳۔ قریش کا تیسرا سفیر دربارِ رسول ﷺ میں

مکرز کے بعد قریش نے حلیس بن علقمہ کو بھیجا جو کہ ان دنوں احابیش کا سردار تھا اور بنی حارث کا ایک فرد تھا۔ قریش کا مقصد یہ تھا کہ اگر محمد ﷺ نے حلیس کو ٹھکرادیا تو یہ قبیلہ ہمارا طرف دار ہوجائے گا۔ حضور ﷺ نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ "یہ شخص عبادت گزار قوم سے تعلق رکھتا ہے، اسے قربانی کے جانور دکھادیئے جائیں"۔

حلیس نے جب قربانی کے جانوروں کا گلہ قلادہ سمیت وادی میں متحرک دیکھا تو وہ بہت

متاثر ہوا وہ رسول اللہ ﷺ تک پہنچے بغیر ہی واپس چلا گیا۔ اس نے قریش کو مسلمانوں کے مکہ میں داخلہ کے سوال پر آمادہ کرنے کی کوشش کی اور اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ ان زائرینِ حرم کو روکنا صحیح نہیں۔ قریش نے کہا کہ: "تم تو نرے دیہاتی ہو تمہیں کسی بات کا علم نہیں[۶۳]"۔

اس پر حلیس غضب ناک ہو گیا اور اس نے اپنے قبیلے سمیت قریش کی حلیفی سے الگ ہونے کی دھمکی دی اور کہا کہ: "کیا جو شخص بیت اللہ کی تعظیم کا ارادہ کر کے آئے تو ایسے شخص کو روکا جا سکتا ہے؟" قریش نے منت سماجت کر کے اسے راضی کیا کہ: "ذرا ہمیں اپنی مرضی کے مطابق شرطیں تو منوا لینے دو[۶۴]"۔

۴۔ قریش کا چوتھا سفیر دربارِ رسالت ﷺ میں

عروہ بن مسعود ثقفی بھی مجلس میں موجود تھا۔ اس نے جب رسول اللہ ﷺ کی شرائطِ صلح سنی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور یوں گویا ہوا "کیوں قریش! کیا میں تمہارا باپ اور تم میرے بچے نہیں ہو"۔ لوگوں نے کہا۔ "ہاں"۔ عروہ نے کہا۔ "میری نسبت تم کو کوئی بد گمانی تو نہیں"۔ سب نے کہا نہیں۔ اس پر عروہ نے کہا کہ محمد ﷺ نے جو پیغام بھیجا ہے وہ پسندیدہ، مستحسن اور قابلِ قبول ہے۔ اگر تم مجھ کو اجازت دو تو میں ان سے گفتگو کروں اور دیکھوں کہ مصالحت کا کیا تقاضا ہے[۶۵]"۔ عروہ[۶۶] جب حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے کہا: "اے محمد ﷺ! اگر آپ نے اپنی ہی قوم کو تباہ کر دیا تو کون سا اچھا کارنامہ ہوگا۔ یہ جو اوباش سے لوگ آپ نے اکٹھے کر لئے ہیں، یہ چند روز میں الگ ہو جائیں گے، تو آپ تنہا رہ جائیں گے۔ یاد رکھیں کہ قریش چیتے کی کھالوں میں ملبوس ہیں اور وہ آپ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے"۔

یہ بات سن کر حضرت صدیقِ اکبرؓ غضب ناک ہو گئے اور ذرا سخت لفظوں میں عروہ کو

ڈانٹا اور کہا کہ : "کیا ہم محمد ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے[٦٧]"۔ عروہ نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ یہ کون ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ "ابو بکرؓ ابن ابی قحافہ"۔ عروہ نے کہا "میں ان کی سخت کلامی کا جواب دیتا، لیکن ان کا ایک احسان میری گردن پر ہے، جس کا بدلہ ابھی تک میں ادا نہیں کرسکا"۔

عروہ عربوں کے بے تکلفانہ طریق پر بات کرتے ہوئے، اپنا ہاتھ حضور ﷺ کی ریش مبارک تک بڑھا دیتا تھا۔ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ جو ہتھیار لگائے آنحضرت ﷺ کی پشت پر کھڑے تھے۔ اس جرأت کو گوارا نہ کرسکے۔ انہوں نے عروہ سے فرمایا "اپنا ہاتھ ہٹا لے، ورنہ یہ ہاتھ بڑھ کر واپس نہ جاسکے گا"۔

عروہ نے برہم ہو کر کہا: "اوہ غدار! تیری دغا بازی کے سلسلے میں کیا میں تیرے کام نہیں آیا ہوں۔ پھر میرے ساتھ تو یہ سلوک کرتا ہے؟[٦٨]"۔

یہ عربی فطرت دورِ جاہلیت میں بھی تھی کہ نہ دوسرے کے احسان کو فراموش کرتے تھے، نہ اپنے احسان کو بھلاتے تھے۔

حضور ﷺ نے عروہ کے سامنے بھی اپنا موقف بیان کردیا۔ دورانِ ملاقات عروہ نے ایسے بھی روح پرور مناظر دیکھے کہ مسلمان آپ ﷺ کے لعابِ دہن کو نیچے نہیں گرنے دیتے۔ آپ ﷺ وضو کرتے ہیں، تو وضو کا پانی نیچے گرنے نہیں دیتے، بلکہ عقیدت کیش ہاتھوں ہاتھ لے لیتے ہیں اور چہرہ اور ہاتھوں پر مل لیتے ہیں[٦٩]۔ ان باتوں سے وہ بے حد متاثر ہوا اور اس نے واپس جا کر بیان کیا کہ "محبت و اطاعت کا جو منظر وہاں میری نگاہوں سے گزرا ہے وہ تو قیصر و کسریٰ اور نجاشی جیسے بڑے بڑے بادشاہوں کے درباروں میں بھی نہیں پایا جاتا۔ محمد ﷺ کے ساتھی تو اس پر جان چھڑکتے ہیں اور ایک ایک اشارے پر کٹ مرنے کے لئے تیار ہیں۔ اس کے سامنے کوئی شخص اونچی آواز میں بولنے تک کی جرأت نہیں کرتا۔ بہتر ہے کہ تم اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرو[٧٠]۔ میری رائے ہے کہ ان سے صلح کرلو جس

طرح بھی ہے[۷۱]"۔

ایک روایت میں ہے کہ عروہ نے کہا کہ اے قوم میں نے بہت سے بادشاہوں کو دیکھا، مگر محمد ﷺ جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔ وہ بادشاہ نہیں معلوم ہوتے[۷۲]۔ عروہ نے صاف طور سے تو نہیں کہا کہ آپ نبی ہیں مگر اشارتاً یہ بتلادیا کہ یہ شان بادشاہوں کی نہیں ہوتی بلکہ خدا تعالیٰ کے پیغمبروں کی ہوتی ہے۔

قیادت سے گہری محبت کا اظہار

عروہ کے اس تاثر سے یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ اسلامی مشن کی قوت کا ایک راز یہ ہے کہ قوم اپنی قیادت سے کس درجہ گہری محبت رکھتی ہے اور کس والہانہ طریق سے اطاعت کرتی ہے۔ محبت و اطاعت کے جمع ہوجانے سے ناقابل فتح قوت پیدا ہوتی ہے اور قوم میں ایسی فضا موجود ہو، تو مخالفین کو مرعوب اور کمزور کردیتی ہے۔ سفارتی و دعوتی مشن کی فضا خیر خواہی، وفاداری، اخلاص، محبت اور والہانہ طاعت سے بنتی ہے۔ اس میں ہر رکن کی شخصیت کی اہمیت ہوتی ہے اور قائد کی شخصیت تو سب کے لئے مرکزِ محبت ہوتی ہے۔ اس کے بغیر نہ "رحماء بینھم" کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور نہ علم برادرانِ حق "بنیان مرصوص" بن سکتے ہیں۔ مسلم جماعت کی یہی فضا اپنی شانِ کمال کے ساتھ حدیبیہ کے میدان میں جلوہ گر تھی۔ جس نے عروہ کے دل کو مرعوب کردیا اور اس نے جاکر اسی تاثر کا پرتو مکہ کے خواص پر ڈالا۔

رسول اللہ ﷺ کا سفیر قریشِ مکہ کی طرف

قریش کے پے در پے سفیروں کی آمد اور ان کی واپسی کے بعد رسول مقبول ﷺ نے یہ اندازہ لگایا کہ چونکہ معاملہ ناتمام رہ گیا ہے اور ہوسکتا ہے کہ واپس جاکر قریش کے سفیران پر پوری کیفیت ظاہر نہ کرتے ہوں۔ لہٰذا اپنا سفیر بھیج کر حالات کا پوری طرح جائزہ لینا چاہیے

اور گفت و شنید کے اس سلسلے کو آگے بڑھانا چاہیئے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے خراش بن امیہ خزاعی کو بلا کر اسے اپنے ثعلب نامی اونٹ پر اپنی طرف سے پیغام صلح لے کر قریش کی طرف بھیجا۔ مکہ میں لامرکزیت اور انتشار تو تھا ہی کچھ لوگوں نے حضور ﷺ کے اس اونٹ کو مار ڈالا جس پر سوار ہو کر خراش شہر میں گئے تھے۔ خود خراش کو بھی شہید کر دینے کا ارادہ کیا مگر احابیش کی مداخلت پر وہ ایسا نہ کر سکے اور وہ ناکام واپس آگئے۔

رسول اللہ ﷺ کی سفارت کے جواب میں قریشِ مکہ کی شرارت

رسول اللہ ﷺ کے سفیر کے واپس چلے جانے کے بعد قریش نے اپنے چالیس (۴۰) یا پچاس (۵۰) نوجوانوں کا ایک دستہ بھیجا کہ مسلمانوں پر شب خون ماریں۔ انہوں نے پہلے تو مسلمانوں پر پتھراؤ کیا اور تیر برسائے۔ اس پر مستزاد یہ کہ اشتعال انگیز کلمات بکتے پھرے۔ بالآخر سب گرفتار کر لئے گئے اور حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کئے گئے۔ گو یہ سخت شرارت تھی لیکن رحمتِ عالم ﷺ کا دامنِ عفو و کرم اس سے زیادہ کشادہ تھا۔ آپ ﷺ نے سب کو چھوڑ دیا اور معافی دے دی اور دینی اور اخلاقی قدروں کی محافظت کا انتہائی بلند مظاہرہ فرمایا[۷۳]۔

زنیم نامی صحابی انہی مشرکین کا تیر لگنے سے شہید ہوئے۔ حضور ﷺ نے قریش کی جنگی چال کو ناکام بنا کر مصالحت کی فضا کو ہموار کر دیا[۷۴]۔

عثمانؓ، سفیرِ رسول ﷺ اور بیعتِ رضوان

آخر کار نبی کریم ﷺ نے حضرت عمرؓ کو مسلمانوں کا نکتۂ نظر واضح کرنے کے لئے مکہ بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ فاروق اعظمؓ نے عرض کی کہ میرے متعلق قریش کی برہمگی حضور ﷺ سے پوشیدہ نہیں۔ مکہ میں میرے خاندان عدی کا کوئی آدمی بھی موجود نہیں۔ البتہ میں آپ کی خدمت میں ایک ایسے شخص کا نام پیش کرتا ہوں، جو اس کام کے لئے نہایت موزوں اور

اہم ہے اور مکہ میں بھی نہایت عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ وہ حضرت عثمانؓ بن عفان ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے حضرت عمرؓ کے مشورے کو قبول فرمایا اور حضرت عثمانؓ بن عفان کو سفیر بنا کر شرفائے مکہ سے مذاکرات کی خاطر روانہ فرمایا اور یہ تاکید فرمائی کہ قریش کو سمجھائیں کہ ہم صرف عمرہ کے لئے آئے ہیں۔ لڑنا ہمارا مقصود نہیں ہے، مکہ میں داخلے سے قبل حضرت عثمانؓ کی ملاقات ان کے ایک عزیز ابان بن سعید بن العاص سے ہو گئی۔ جنہوں نے ان کو مکہ میں اپنے ہاں پناہ دی تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ کا پیغام عمائدینِ قریش کو پہنچا سکیں۔

وہ مکہ ہی میں تھے کہ یہ غلط خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمانؓ قتل کر دیے گئے ہیں۔ یہ خبر معمولی نہ تھی جو برداشت کر لی جاتی۔ رسول اللہ ﷺ پر اس کا بہت اثر ہوا۔ حضور ﷺ نے فوراً جماعت کو اکٹھا کیا اور فرمایا کہ "اب ہم فیصلہ کن جنگ کئے بغیر یہاں سے نہیں ہٹیں گے[۷۵]"۔ "عثمان کے خون کا قصاص لینا فرض ہے"۔ یہ کہہ کہ حضور ﷺ نے ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہ سے جانثاری کی بیعت لی۔ حضرت عمرؓ آپ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے[۷۶]۔ سب سے پہلے ابوسنانؓ اسدی نے بیعت کی[۷۷]۔ مسلمانوں میں زبردست ہیجان تھا۔ سلمہ بن اکوع نے تین دفعہ بیعت کی۔ شروع میں وسط میں اور پھر آخر میں[۷۸]۔

حضرت عثمانؓ کی جان اس لمحے بے حد قیمتی ہو گئی تھی۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے مطابق امرِ واقعہ یہ تھا کہ "عثمان اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تفویض کردہ خدمت پر گئے ہیں"۔ رسول اللہ ﷺ نے عثمان کی طرف سے خود بیعت لی تھی۔ وہ یوں کہ اپنے بائیں ہاتھ کو عثمان کا داہنا ہاتھ قرار دیا[۷۹]۔ اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ[۸۰]"۔ (اللہ مومنوں سے

خوش ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے)۔

اس وقت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "آج کے دن تم لوگ تمام زمین والوں سے افضل ہو"۔

بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر بے بنیاد تھی۔ در اصل قریش نے ان سے کہا تھا کہ: "اگر تم چاہو تو بیت اللہ شریف کا طواف کرلو"۔ حضرت عثمانؓ نے حضور ﷺ کی معیت کے بغیر اس پیش کش کو ٹھکرا دیا اور کہا کہ جب تک رسول اللہ ﷺ طواف نہیں کریں گے۔ میں طواف نہیں کروں گا[81]۔ اس پر قریش نے حضرت عثمانؓ کو نظر بند کر دیا، لیکن بیعتِ رضوان کا فوری اثر یہ ہوا کہ قریش گھبرا گئے اور جو صلح سے انکار دیدہ و دانستہ اکڑ اکڑ کر اس بنیاد پر کر رہے تھے کہ مسلمان عمرہ کے احرام میں ہیں، یہ جنگ نہیں کریں گے۔ اب صلح پر آمادہ ہو گئے۔ انہوں نے فوراً حضرت عثمانؓ کو واپس کر دیا۔ کیونکہ فی الحقیقت لڑنے سے وہ بھی کترانا چاہتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی حکمتِ عملی

قریش کی پیدل اور سوار فوج اس وقت مکہ معظمہ سے کافی دور تھی، رسول اللہ ﷺ کے لئے یہ بہت اچھا موقع تھا کہ آپ ﷺ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر کو جنگ کے لئے وجہ جواز بنا کر بزور مکہ معظمہ میں داخل ہو کر اسے فتح کر لیتے۔ اس وقت مکہ معظمہ کی فتح میں ذرا بھی شک و شبہ کی گنجائش نہ تھی۔ لیکن اس میں زبردست خون ریزی ہوتی۔ مگر چونکہ آپ کا مقصد محض فتوحات حاصل کرنا نہ تھا۔ بلکہ امن و آشتی کا قیام اور فساد و طغیان کی بیخ کنی کرنا تھا، اس لئے آپ نے بہر طور مصالحت ہی کو پسند فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ نے تمام غزوات میں اس بات کو مد نظر رکھا ہے کہ مفتوحہ علاقوں کے لوگ حقیقی اور مستقل امن سے قریب تر ہوں اور اسلام کے عملی اصولوں کو اختیار کر کے

اپنے کو مفتوح و مغلوب نہ سمجھیں۔ بلکہ اسلامی مساوات کے رشتے میں منسلک ہو کر "کل مومن اخوۃ" کا نمونہ بن جائیں اور دنیا کی معلمی و قیادت کے منصب جلیلہ پر فائز ہو کر دارین کی کامیابی حاصل کریں۔ اس لئے اس موقع پر بھی حضور ﷺ نے صلح کو جنگ پر ترجیح دی۔

قریش کے سفیر سہیل بن عمرو

شروع میں اگرچہ قریش کو یہی اصرار تھا کہ مسلمان مکہ مکرمہ میں قدم نہیں رکھ سکتے، مگر جب انہیں رسول اللہ ﷺ کی تیاری کا حال معلوم ہوا تو مرعوب اور خوف زدہ ہوگئے اور صلح کے لئے نامہ و پیام کا سلسلہ شروع کیا(۸۲)۔ اور مسلمانوں کے ساتھ تجدیدِ مذاکرات کے لئے سہیل بن عمرو کو حضور ﷺ کی خدمت میں صلح کا سفیر بنا کر بھیجا۔ وہ نہایت فصیح و بلیغ مقرر تھے۔ لوگوں نے ان کو "خطیبِ قریش"(۸۳) کا خطاب دیا تھا۔ قریش نے اُن کو اس بات کا پابند کردیا کہ وہ اس سال کسی صورت عمرہ کی شرط قبول نہ کریں۔

نظامِ حق کے داعی اور سفیرِ اعظم ﷺ کی نگاہِ حقیقت شناس نے دیکھتے ہی اندازہ کرلیا کہ "قریش نے اس آدمی کو بھیجا ہے، تو پھر وہ صلح پر تیار ہوگئے ہیں"(۸۴)۔

سفیروں کی کانفرنس اور معاہدہ

قریش کا سفیر سہیل بن عمرو، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دیر تک صلح کی شرائط پر گفتگو ہوتی رہی۔ بڑے ردو قدح کے بعد بالآخر چند شرطوں پر اتفاق ہوا۔ سرورِ عالم ﷺ نے حضرت علیؓ کو بلا کر معاہدہ لکھنے کا حکم دیا۔

مسلم شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا "لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" سہیل نے کہا کہ "ہم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں جانتے"۔ آپ "باسمک اللھم" لکھیے جس کو ہم جانتے ہیں"۔ حضور ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا۔ "اچھا یہی لکھ دو"۔ اس کے بعد آپ نے لکھوایا کہ: "یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد رسول اللہ اور

سہیل بن عمرو کے درمیان طے پایا"۔ سہیل نے کہا "اگر ہم آپ کو پیغمبر تسلیم کرتے تو پھر جھگڑا کیا تھا۔ آپ صرف اپنا اور اپنے والد کا نام لکھوائیے"(۸۵)۔

رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا۔ "گو تم جھٹلاتے ہو، لیکن خدا کی قسم میں خدا کا پیغمبر ہوں"۔ یہ فرما کر آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اچھا اسی طرح لکھو"(۸۶)۔

مسلم شریف ہی میں حضرت براءؓ بن عازب کی روایت ہے کہ "حضور ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے الفاظ مٹادو۔ حضرت علیؓ نے عرض کی کہ میری مجال نہیں ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ "وہ جگہ مجھ کو بتادو" جب آپ ﷺ کو وہ جگہ بتادی گئی، تو آپ ﷺ نے خود مٹادیا"(۸۷)۔

شرائطِ صلح حدیبیہ

حسبِ ذیل شرائط پر معاہدہ لکھا گیا:

۱۔ یہ وہ صلح نامہ ہے جس میں محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو نے صلح کی ہے۔

۲۔ دونوں نے دس سال تک ہتھیار رکھ دینے کا عہد کیا۔

۳۔ اس مدت میں فریقین کا ہر شخص مامون و محفوظ ہوگا اور کوئی کسی سے تعرض نہیں کرے گا۔ جانبین کی آمدورفت میں کسی کو روک ٹوک نہ ہوگی۔

۴۔ اس طور پر کہ نہ خفیہ چوری ہو، نہ خیانت ہو۔

۵۔ یہ معاہدہ جانبین کے درمیان ایک صندوق کی مانند ہے۔ (انسدادِ فتنہ کے لحاظ سے ایک بند صندوق کا حکم رکھتا ہے جس میں باہر سے کوئی غداری داخل نہ ہوسکے گی)۔

۶۔ قبائلِ عرب کو اختیار ہوگا کہ وہ چاہے تو محمد ﷺ کے ساتھ معاہدہ میں شامل ہوجائیں۔ چاہے قریش کے ساتھ معاہدہ میں شریک ہوجائیں۔ (قبیلہ خزاعہ نے

اعلان کردیا کہ ہم محمد ﷺ کے ساتھ معاہدہ میں شامل ہیں تو بنو بکر نے قریش کے ساتھ رہنے کا اعلان کردیا)۔

۷۔ قریش کا اگر کوئی شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر مدینہ منورہ میں محمد ﷺ کے پاس چلا جائے گا تو وہ اسے واپس کردیں گے۔ لیکن اگر کوئی شخص اسلام چھوڑ کر قریش کے پاس مکہ میں چلا جائے تو وہ اس کو واپس نہیں کریں گے۔

۸۔ اس سال محمد ﷺ اپنے اصحاب سمیت واپس چلے جائیں اور مکہ میں داخل نہ ہوں۔

۹۔ اگلے سال مکہ آئیں اور صرف تین دن قیام کرکے واپس چلے جائیں۔

۱۰۔ ہتھیار ساتھ نہ لائیں، صرف تلوار ساتھ لائیں، جو مسافروں کا ہتھیار ہے۔ وہ بھی اس طرح کہ وہ نیام میں ہو اور نیام تھیلے میں ہو۔

معاہدہ صلح کے گواہ

معاہدہ حدیبیہ پر حسب ذیل اصحاب نے بطور شاہد دستخط کیے:

مسلمانوں میں سے ابوبکرؓ بن ابی قحافہ، عمرؓ بن خطاب، عثمانؓ بن عفان، علیؓ بن ابی طالب، (کاتب عہد نامہ)، عبدالرحمنؓ بن عوف، سعدؓ بن ابی وقاص، ابوعبیدہؓ بن الجراح، محمدؓ بن مسلمہ کے دستخط ہوئے۔

مشرکین کی طرف سے متعدد آدمیوں کے دستخط ہوئے، جن میں حویطب بن عبدالعزیٰ، عبداللہ بن سہیل بن عمرو اور مکرز بن حفص شامل ہیں[۸۸]۔

صلح نامہ کے نسخے

جب صلح نامہ تیار ہوگیا، تو سہیل نے کہا کہ یہ نسخہ میرے پاس رہے گا۔ تو نبی کریم ﷺ کے حکم سے صلح نامہ حدیبیہ کے دو نسخے تیار کیے گئے۔ اصل نسخہ پیغمبرِ اعظم ﷺ کے پاس رہا اور دوسرا نسخہ سہیل بن عمرو کے پاس رہا[۸۹]۔

شرائطِ صلح حدیبیہ کے بارے میں مُسلم ارکانِ وفد کا اضطراب

صلح حدیبیہ کی شرائط بہت سخت اور مسلمانوں کے سراسر خلاف تھیں۔ مسلم ارکان وفد کے لئے یہ بہت سخت آزمائش کا وقت تھا۔ وہ محسوس کرتے تھے کہ قریش کے مقابلے میں دب کر صلح کی گئی ہے۔ خصوصاً سہیل بن عمرو نے معاہدہ میں جب یہ شرط پیش کی کہ "تمہارے آدمی ہمارے ہاں آئیں گے تو ہم نہیں لوٹائیں گے اور ہمارے آدمی تمہارے پاس جائیں گے تو تم کو لوٹانا پڑیں گے"۔ تو بعض صحابہ بےاختیاری میں بول اٹھے "کیا یہ شرط بھی معاہدہ میں لکھی جائے گی ؟" تو حضور ﷺ نے فرمایا "ہاں" اور اس کے ساتھ وجہ یہ بیان فرمائی "جو شخص ہماری جماعت کا ان کی طرف مرتد ہو کر چلا جائے گا، تو اللہ کی طرف سے وہ اسلام سے محروم ہو گیا اور جو شخص ان لوگوں کا ہمارے پاس آئے گا، بہت جلد اللہ اس کی گلوخلاصی کی راہ پیدا کردے گا[۹۰]"۔

اس شرط نے جذبات میں سخت بل چل پیدا کردی۔ پورا ذہنی ماحول سامنے لائیے تو اندازہ ہو سکتا ہے کہ جماعت میں ایسے جذبات کا پیدا ہونا فطری تھا۔

اول تو سرے سے یہی صورت واقعہ کچھ کم نادر نہ تھی کہ وہ قریش جنہوں نے مسلمانوں کو گھروں سے نکالا، جنہوں نے اسلام کے علم برداروں پر جنگ مسلط کردی، جو آج بھی ان کو حرم سے روک رہے تھے اور قربانیوں کو لوٹا رہے تھے۔ ایسے ظالم اور برسرِ جنگ مشرکین کے ساتھ یکایک مصالحت کی راہ نکالنا جماعت کے لئے بڑا کاوش طلب واقعہ تھا۔ ان کے سامنے تو ایک ہی کلیہ تھا "وَبدا بيننا و بينكم العداوةُ والبغضاءُ ابدا حتى تومنوا بالله وحدهُ[۹۱]"۔ (اور ہم میں اور تم میں دشمنی اور بیر ہمیشہ کے لئے کھل پڑی یہاں تک کہ تم ایک اللہ پر یقین لاؤ)۔ وہ تو ایک ہی موٹے اصول کو جانتے تھے کہ "وقاتلوهم حتى لاتكون فتنة ويكون الدين كله لله[۹۲]"۔ (اور ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فساد نہ

رہے اور سب حکم اللہ کا ہو جائے)۔ ان کے سامنے سیدھا سادھا فارمولا یہی تھا کہ "کلمة اللّٰہ" کو برتر رہنا چاہیے اور کافروں کے کلمہ کا سر نیچا ہونا چاہیے۔ کفرو باطل کے درمیان سمجھوتے کی گنجائش ان کے ذہنوں میں نہ تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ اصولوں کو اگر محض نظریاتی اور فلسفیانہ طور پر لیاجائے، تو بات دوسری ہوتی ہے لیکن جب ان کو واقعات کے عملی میدان میں لے کر معرکہ آرا ہوا جائے تو پھر وقت اور مصلح اور حریف اور حامی قوتوں کے حالات کو سامنے رکھ کر مختلف اقدامات کرنے پڑتے ہیں۔ یہ ممکن نہیں ہوتا کہ آپ آنکھیں بند کر کے سیدھے ہی سیدھے ایک ہی رفتار سے بڑھتے جائیں۔ کہیں رکنا پڑتا ہے، کہیں دو قدم کا گھماؤ اختیار کرنا پڑتا ہے اور کہیں نیا راستہ نکالنے کے لئے دو قدم پیچھے ہٹنا پڑتا ہے، مختلف دشمنوں کو شکست دینے ہی کے مقصد سے بسا اوقات ان میں سے کسی ایک سے عارضی مصالحت ناگزیر ہوتی ہے۔

تاریخ کے یہ وسیع عملی حقائق حضور ﷺ کی نگاہوں کے سامنے تو تھے ہی، لیکن ارکان مشن کی نگاہ حضور ﷺ کی نگاہ جتنی رسائی نہ رکھتی تھی۔ حضور ﷺ اس معاہدے کے ذریعے جن بڑے بڑے مسائل کو حل کرنے کی راہ نکال رہے تھے، ان پر جہاں قریش کی نظر نہ تھی، وہاں سفارتی مشن بھی پوری طرح ان کو سمجھ نہیں پارہا تھا۔

کبھی کبھار بڑی بڑی تحریکوں کے دوران کار میں ایسے نازک لمحے بھی آجاتے ہیں، جب کہ قائد اور اراکین وفد کے درمیان مستقبل کے معاملات کی سوجھ بوجھ کے لحاظ سے ذہنی فاصلہ بڑھ جاتا ہے۔ قیادت کی نگاہ زیادہ فاصلے پر دیکھتی ہے اور ارکان مشن نسبتاً نزدیکی حقیقتوں تک سوچتے ہیں۔ یہی مواقع بحران کے مواقع بن جاتے ہیں اور انہی شاذ مواقع پر ضابطے کی حد سے بڑھتی ہوئی جمہوریت خطرناک ہوجاتی ہے۔ ایسے مواقع پر صرف وہی قیادت اپنا فرض ادا کرسکتی ہے، جو رائے عامہ کا اعتماد و تعاون اس حد تک رکھتی ہو کہ اس کا کوئی بدل نہ پیدا کیا جاسکے۔ ایسی مخلص اور مستحکم قیادت، اراکین وفد کو اہم مصلح کی راہ پر مجرد اپنی اخلاقی قوت

سے کھینچ کر لے جاتی ہے اور عقلی اطمینان اراکین وفد کو بعد کے حالات اور واقعات کو دیکھ لینے کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے۔

عین اسی حالت میں جب کہ معاہدہ لکھا جارہا تھا، سفیر قریش سہیل بن عمرو کے صاحبزادے ابوجندل بیڑیاں پہنے ہوئے موقع پر آپہنچے۔ ان کو مارا پیٹا گیا تھا اور وہ مظلومیت کا ایک مجسمہ تھے۔ انہوں نے اپنے آپ کو سرور عالم ﷺ اور مسلمانوں کے سامنے پیش کردیا۔ سہیل بن عمرو نے کہا کہ معاہدہ کی مجوزہ شرط کے مطابق یہی پہلا شخص ہے جسے آپ کو واپس کرنا ہوگا۔ حضور ﷺ نے معاملہ سلجھانے کے لئے فرمایا کہ "ابھی معاہدہ لکھا نہیں جا چکا۔ اس لئے معاہدہ لکھے جانے اور دستخط ہوجانے کے بعد سے اس پر عمل ہونا چاہیے۔ سو ابوجندل کو مستثنیٰ رہنے دو۔ سہیل نے کہا تو پھر کوئی مصالحت نہیں ہوسکتی۔ پھر آپ ﷺ نے نرمی سے یہ بھی فرمایا کہ اچھا اسے میری خاطر میرے ساتھ آنے دو۔ مگر سہیل نہیں مانا۔ مجبوراً حضور ﷺ نے اس ظالمانہ مطالبہ کو بڑے مصالح کی خاطر قبول کرلیا۔ ابو جندل نے اراکین وفد کو مخاطب کرکے کہا کہ: "مسلمانو! مجھے مشرکوں کے حوالے کر رہے ہو، جو مجھے ایمان سے ہٹانے کے لئے مجھ پر تشدد کریں گے"(۹۳)۔

یہ اپیل اپنے ماحول میں بڑی اشتعال انگیز تھی۔ چودہ سو فدائیوں کی پرجوش جماعت نہایت صبر آزما اور سخت امتحان میں مبتلا ہوگئی۔ ایک طرف ان کی غیرت ایمانی کہتی تھی کہ ہم اپنے جسم کے خون کا آخری قطرہ بھی دینے کو تیار ہیں۔ مگر اسلام کی اس توہین کا زخم کھانے کے لئے تیار نہیں ہیں، کہ دب کر مصالحت کی جائے اور ایک کلمہ گو کو کافروں کے ہاتھ میں دے دیا جائے۔ دوسری طرف ایمان کی روشنی عطا کرنے والے کی اطاعت شعاری اور ایفائے عہد کی ذمہ داری ہے۔ اس صورت حال میں صحابہ کرامؓ کی غیرت ایمانی اور اطاعت اسلامی کی کشمکش اور معاہدہ کے پس منظر میں اسلامی مشن کی کامیابی کی بشارت ایک ساتھ پیغمبر اعظم ﷺ کی آنکھوں کے سامنے تھی۔ وقتی اور عارضی دکھ پر دائمی اور اصلی

مسرت کو حضور ﷺ نے ترجیح دی اور بڑے ٹھنڈے مزاج کے بے مثل نمونے نے نہایت نرمی سے ابوجندل کو سمجھایا اور ساتھ ہی مخلصی کے لئے اسے یہ ضمانت عطا فرمائی کہ "ہم نے معاہدہ میں ایک بات تسلیم کرلی ہے، تو اب عہد شکنی نہیں کرسکتے۔ تمہارے لئے اور تمہارے مظلوم بے بس ساتھیوں کے لئے بلاشبہ اللہ تعالیٰ کوئی راہِ نجات نکالے گا، ذرا صبر سے کام لو"۔

اراکینِ مشنِ اسلامی کا اضطراب اس وقت آخری حد کو چھو رہا تھا اور قریش کے خلاف ساری جماعت کے جذبات مجتمع ہوکر جس شخص کے اندر کھول رہے تھے، وہ حضرت عمرؓ تھے۔ ان کا کوئی ذاتی اور نفسانی معاملہ نہیں تھا ان کے اندر حمیتِ حق ہی کام کر رہی تھی۔ پیچ وتاب کے عالم میں انہوں نے پہلے ابوبکرؓ سے، پھر رسولِ اکرم ﷺ سے یوں بات چیت کی: "یارسول اللہ ﷺ! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ اور کیا کفار باطل پر نہیں ہیں؟" آپ ﷺ نے فرمایا! "ہاں ایسا ہی ہے"۔ تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ "پھر ہم دین کے بارے میں یہ ذلت کیوں گوارا کریں اور جب تک کہ ہمارے اور ان کے درمیان میں اللہ فیصلہ نہ فرمادے ہم کیوں اس سال واپس جائیں"۔

اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: "میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں ہرگز اس کے حکم کے خلاف نہیں کروں گا اور اللہ ہرگز مجھ کو برباد نہیں کرے گا"۔

حضرت عمرؓ چپ تو ہوگئے لیکن جذبات میں دیر تک ٹھہراؤ نہیں آسکا۔ معاہدہ لکھا گیا اور اس پر حضرت عمرؓ نے بطور گواہ دستخط ثبت کرکے اطاعت کی یہ زرّیں مثال بھی پیش کردی کہ شرائط پر دل مطمئن نہیں، مگر حضور ﷺ نے فیصلہ کردیا، تو پھر سرکشی بھی نہیں۔

حضرت عمرؓ کہتے ہیں، "بعد میں اپنی گستاخی پر بہت نادم ہوا اور اس کے کفارہ میں بہت سی نمازیں پڑھیں اور روزے رکھے اور صدقہ و خیرات کی اور بہت سے غلام آزاد کیے[۹۳]"۔

معاہدہ حدیبیہ برکات کا معاہدہ

حدیبیہ کا یہ سفر بہت خیر و برکت کا موجب ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے معاندین کے ساتھ معاہدہ کرنے میں فیاضی، احتیاط، دور بینی اور حملہ آوروں کی معافی میں عفو اور رحمۃ للعالمینی کے انوار کا ظہور دکھایا۔

تقریباً دو ہفتہ قیام کرنے کے بعد، حدیبیہ ہی سے حضور ﷺ مدینہ منورہ کو واپس تشریف لے گئے۔ اسی معاہدہ کے بعد سورۃ الفتح کا نزول حدیبیہ میں ہوا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ! کیا یہ معاہدہ ہمارے لیے فتح ہے۔ فرمایا "ہاں"[۹۵]۔

ابو داؤد میں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا "قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے بے شک یہ عظیم الشان فتح ہے[۹۶]"۔

ابو جندلؓ نے زندانِ مکہ میں پہنچ کر دینِ حق کی تبلیغ شروع کر دی۔ جو کوئی اس کی نگرانی پر مامور ہوتا، وہ اسے توحید کی خوبیاں سناتا۔ اللہ کی عظمت و جلال بیان کر کے ایمان کی ہدایت کرتا۔ خدا کی قدرت کہ ابو جندلؓ اپنے سچے ارادے اور سعی میں کامیاب ہوجاتا اور وہ شخص مسلمان ہوجاتا۔ قریش اس دوسرے ایمان لانے والے کو بھی قید کر دیتے۔ اب یہ دونوں مل کر تبلیغ کا کام اسی قید خانے میں کرتے۔ اس طرح ابو جندلؓ کے قید ہو کر مکہ پہنچ جانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک سال کے اندر تقریباً تین سو اشخاص ایمان لے آئے[۹۷]۔

اب قریش پچھتائے کہ ہم نے کیوں عہد نامے میں ان ایمان والوں کو واپس لینے کی شرط درج کرائی۔ پھر انہوں نے مکہ کے چند منتخب شخصوں کو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بھیجا کہ عہد نامہ کی اس شرط سے دست بردار ہوتے ہیں۔ ان نو مسلموں کو اپنے پاس بلا لیجئے[۹۸]۔ نبی کریم ﷺ نے معاہدہ سے خلاف کرنا پسند نہ فرمایا۔ اس وقت عام مسلمان بھی سمجھ گئے کہ معاہدہ کی وہ شرط جو ظاہراً ہم کو گوارا نہ تھی، اس کا منظور کرلینا کس قدر مفید ثابت ہوا۔

اسلام تو مکارمِ اخلاق اور محاسنِ اعمال کا سرچشمہ اور تمام خوبیوں اور بھلائیوں کا مجموعہ ہے اور صحابہ کرام بھی فضائل و محاسن اور شمائل کی زندہ تصویر تھے۔ لیکن اب تک بغض و عداوت اور عناد رکھنے والی آنکھیں انہیں پا نہیں سکی تھیں۔ اب صلح ہوئی تو عناد اور منافرت کا پردہ آنکھوں کے سامنے سے ہٹا، تو اسلام کی دل فریب تصویروں نے اپنی طرف کھینچنا شروع کیا۔

صلح سے قبل کفارِ مکہ سے ہر بات چھپی ہوئی تھی۔ اس لیے اسلام اور مسلمان کا نور، ان سے پوشیدہ تھا۔ صلح کی وجہ سے جب عداوت اور منافرت دلوں سے دور ہوئی تو اب کچھ ہوش آیا اور اللہ والوں کی پیشانی کا نور ان کو نظر آیا[۹۹]۔

رسول اللہ ﷺ جب مدینہ پہنچے تو ابو بصیرؓ مشرکین کی قید و بند سے بھاگ کر مدینہ پہنچے۔ قریش نے فوراً دو آدمی ان کو لانے کے لئے پیچھے روانہ کیے۔ حضور ﷺ نے از روئے معاہدہ ابو بصیرؓ کو ان دونوں آدمیوں کے سپرد کر دیا اور ابو بصیرؓ سے فرمایا کہ "میں وعدہ خلافی نہیں کر سکتا۔ تم چلے جاؤ اور صبر کرو۔ اللہ تعالیٰ سے امید رکھو۔ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہاری نجات کی صورت پیدا فرما دے گا"۔

یہ دونوں آدمی ابو بصیرؓ کو لے کر روانہ ہوئے۔ جب ذوالحلیفہ میں پہنچے تو دم لینے کے لئے ٹھہر گئے اور کھجوریں کھانے لگے۔ ابو بصیرؓ نے ان میں سے ایک سے کہا کہ تمہاری تلوار بہت عمدہ معلوم ہوتی ہے۔ اس نے تلوار کو نیام سے نکال کر کہا کہ ہاں خدا کی قسم! یہ بہت عمدہ تلوار ہے، بارہا اس کو میں آزما چکا ہوں۔ ابو بصیرؓ نے کہا مجھ کو بھی دکھلا دو۔ اس نے تلوار ابو بصیرؓ کو دے دی۔ ابو بصیرؓ نے تلوار لے کر فوراً ہی اس پر ایک وار کیا اور اس کو ٹھنڈا کر دیا۔ دوسرا شخص یہ واقعہ دیکھتے ہی بھاگ گیا۔ اور مدینہ منورہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچ گیا۔ اتنے میں ابو بصیرؓ بھی وہاں پہنچ گئے اور عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا فرمایا اور مجھے مشرکین کے حوالے کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے میری مدد

فرمائی اور ان سے نجات دی[100]"۔

ابو بصیرؓ ساحلِ سمندر پر جا کر ٹھہر گئے جس راستے میں قریش کے کاروانِ تجارت شام کو آتے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہاں مکہ کے بے کس اور بے بس مسلمانوں کا جتھہ جمع ہو گیا۔ قریش کا جو قافلہ وہاں سے گزرتا اس کو لوٹ لیتے اور گزر اوقات کرنے لگے۔ قریش نے مجبور ہو کر حضور ﷺ کی خدمت میں آدمی بھیجے کہ ہم معاہدہ کی اس شق کو واپس لیتے ہیں۔ اس پر حضور ﷺ نے ابو بصیرؓ کو خط لکھوا کر روانہ کیا۔ جس وقت یہ والا نامہ ابو بصیرؓ کو ملا، وہ زندگی کی آخری سانس لے رہے تھے۔ وہ مکتوبِ گرامی پڑھتے جاتے تھے اور خوش ہوتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ فوت ہو گئے اور خط ان کے سینے پر تھا[101]۔ ازاں بعد ابو جندلؓ بن سہیل اپنے تمام رفقاء سمیت مدینہ حاضر ہو گئے۔

سہیل بن عمرو نے چاہا کہ ابو بصیرؓ کے ہاتھوں مارے جانے والے شخص کی دیت کا رسول اللہ ﷺ سے مطالبہ کرے، لیکن ابو سفیان نے کہا کہ "محمد ﷺ نے اپنا عہد پورا کیا اور ابو بصیرؓ کو تمہارے قاصد کے حوالے کر دیا۔ ابو بصیرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اس کو قتل نہیں کیا بلکہ از خود قتل کیا ہے۔ لہٰذا محمد رسول اللہ ﷺ سے دیت کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا اور ابو بصیرؓ کے خاندان اور قبیلہ سے بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ابو بصیرؓ ان کے دین پر نہیں[102]"۔

سفارتی زندگی کے لیے صلح حدیبیہ کی افادیت

سفارتی زندگی کو مؤثر اور جامع بنانے کے لیے صلح حدیبیہ سے حسبِ ذیل رہنما اصول اخذ کیے جا سکتے ہیں:

۱۔ مسلم سربراہ اور دیگر مقتدر مسلم شخصیتیں اگر غیر مسلموں سے صلح اور معاہدہ کرنے میں اسلام، ملک و ملت اور عوام کا فائدہ اور مصلحت سمجھیں، تو صلح کر لینا جائز ہے۔ ایسی صلح

اور معاہدہ در اصل جہاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کیونکہ جہاد سے مقصود کفر اور غیر مسلموں کے شر کو دور کرنا ہے، جو اس قسم کے معاہدہ سے حاصل ہوجاتا ہے[۱۰۳]۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:۔

"وان جنحوا للسلم فاجنح لها وتوکّل علی الله[۱۰۴]" (اگر کافر صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی صلح کی طرف مائل ہوجاؤ۔ مگر اعتماد اور بھروسہ اللہ تعالیٰ پر رکھو۔)

۲۔ اگر صلح اور معاہدہ کرنے میں اسلام، ملک و ملت اور عوام کا فائدہ نہ ہو تو صلح اور معاہدہ کرنا جائز نہیں، کیونکہ ایسی صلح اور معاہدہ مسلمانوں کی تذلیل کا سبب ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

"فلا تهنوا وتدعوا الی السلم وانتم الاعلون[۱۰۵]" (تم سستی نہ کرو اور صلح کی طرف بلاؤ اور تم ہی غالب رہو گے۔) یعنی دفاعی تدابیر رکھنے اور سازو سامان کی فراہمی کے باوجود قدرت رکھتے ہوئے غیر مسلموں سے صلح جائز نہیں ہے۔ ایسے حال میں صلح کرنا، مصلحت نہیں، بلکہ بزدلی ہے۔

۳۔ ضرورت کے وقت دینی بھلائی کی خاطر غیر مسلموں سے صلح اور معاہدہ جائز ہے بلکہ مستحب ہے۔ خواہ بلامعاوضہ ہو، یا کچھ دے دلا کر، یا لے کر ہو، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرتِ مدینہ کے بعد یہودِ مدینہ سے کچھ لیے دیے بغیر معاہدہ فرمایا[۱۰۶]۔ اور پھر صلح حدیبیہ میں یہی طریق اختیار کیا گیا۔ نجران کے نصاریٰ سے حضور ﷺ نے مال ٹھہرا کر صلح فرمائی[۱۰۷]۔ اور غزوہ خندق میں عیینہ بن حصن سے مدینہ کی ثلث کھجوریں دے کر صلح کا ارادہ فرمایا[۱۰۸]۔

معلوم ہوا کہ تینوں طرح صلح اور معاہدہ جائز ہے۔

۴۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے مابین اگر کوئی معاہدہ یا صلح کسی مدتِ معینہ تک طے پاجائے، تو ضبطِ تحریر میں لے آنا مناسب ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے

وقت کیا۔

۵۔ عہد نامہ کی دو نقلیں تیار کی جانی چاہییں، تاکہ ہر فریق کے پاس ایک نقل محفوظ رہے۔

۶۔ عہد نامہ کی ہر ایک نقل پر فریقین کے سر برآوردہ لوگوں کے دستخط ہونے چاہئیں، جیساکہ حدیبیہ میں جو عہد نامہ تیار کیا گیا۔ اس پر فریقین کے ذمہ دار افراد کے دستخط ہوئے اور ایک نقل حضور ﷺ کے پاس اور دوسری نقل سہیل بن عمرو کے پاس محفوظ رہی۔

۷۔ شرائطِ صلح میں سے کسی شرط کے خلاف کرنا، بد عہدی اور عہد شکنی ہے۔ اسی بناء پر رسول اللہ ﷺ نے ابو جندلؓ اور ابو بصیرؓ کو یہ کہہ کر واپس کیا کہ ہم عہد کر چکے ہیں۔ اس کے خلاف نہیں کریں گے۔

۸۔ اگر کسی ایک علاقے کا مسلمان فرماں روا کسی سے کوئی معاہدہ کرے تو دوسرے علاقے کے فرماں روا اور دوسرے علاقے کے مسلمان اس معاہدے کے پابند ہوں گے۔ جو مسلمان مکہ سے بھاگ کر مدینہ آیا، رسول اللہ ﷺ نے ازروئے معاہدہ اس کو مشرکینِ مکہ کے حوالے کردیا۔ آپ ﷺ پر صرف یہ پابندی تھی کہ مدینہ منورہ میں ایسے شخص کو ٹھہرنے نہ دیں۔

ابو بصیرؓ اور ابوجندلؓ نے جس جگہ جا کر پڑاؤ ڈالا وہ حدودِ مدینہ سے بالکل خارج تھا۔ ابو بصیرؓ کی جماعت نے جو کچھ کیا، وہ حضور ﷺ کے حکم سے نہیں کیا۔ وہ حدودِ مدینہ سے باہر کیا[109]۔

۹۔ مسلم سربراہِ مملکت کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ اپنے فوجیوں اور اپنی رعایا سے مشورہ کرلے[110]۔ اس سے ایک تو ان کی اصابتِ رائے معلوم ہوجائے گی۔ دوسرے ان کی عزت افزائی ہوگی اور ان کے وقار میں اضافہ ہوگا اور اگر ان کے دل میں کسی قسم کی کدورت

یا رنجش ہوگی تو وہ بھی صاف ہوجائے گی اور ان کی طرف سے اطمینان ہوجائے گا، نیز مصالحت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ایک دوسرے کے جذبات کا اندازہ کیا جائے اور پھر خدائی احکام پر عمل بھی ہوجائے گا کہ: "وشاورھم فی الامر[۱۱۱]" (اور ان سے معاملے میں مشورہ کرو)۔ نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی تعریف بھی کی ہے۔ "وامرھم شوریٰ بینھم[۱۱۲]". (اور ان کے معاملے آپس کے مشورہ سے ہوتے ہیں)۔

۱۰۔ امیرِ لشکر کے لیے اس بات کی اجازت ہے کہ وہ دشمن کے حالات سے باخبر ہونے کے لیے اپنے جاسوسوں کو روانہ کردے۔

۱۱۔ شریف النفس غیر مسلم سے ضرورت کے وقت مدد لینا جائز ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے خزاعہ کے جاسوس کی مدد لی۔ چونکہ وہ کافروں کے قریب آجاسکتے ہیں۔ اس لیے آسانی سے ان کی خبریں معلوم کرسکتے ہیں[۱۱۳]۔

۱۲۔ اگر سربراہِ حکومت مصلحت کے تقاضوں کے پیشِ نظر دشمن سے صلح کرنے میں پہل کرے تو جائز ہے۔

۱۳۔ نیک فال لینا جائز ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے سہیل بن عمرو سفیرِ قریش کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ اس کا آنا نیک فال ہے۔

۱۴۔ معاملات طے کرتے وقت اپنی قوم کو ساتھ شریک کرنا ضروری ہے۔

۱۵۔ اگر اس بات پر صلح کرلی جائے کہ غیر مسلموں کے علاقے سے آنے والے مسلمانوں کو واپس کردیا جائے تو جائز ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اگر مسلمانوں میں سے کوئی غیر مسلموں کے پاس چلا جائے تو واپس نہیں کیا جائے گا۔

۱۶۔ اگر معاہدہ کرنے والی حکومتیں ایک دوسرے کے مجرموں کو پکڑ کر ان کے سپرد کردیں، تو ان کے جرم کرنے پر تاوان نہیں دینا پڑے گا[۱۱۴]۔

۱۷۔ اگر دو معاہد حکومتوں کے مجرم ایک دوسرے کے پاس چلے جائیں، تو انہیں بغیر

مطالبہ کیے واپس نہیں کیا جائے گا۔ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے ابو بصیرؓ کو نہ تو واپس کیا اور نہ ہی واپس جانے پر مجبور کیا اور جب وہ اسے لینے کے لیے آئے تو حضور ﷺ نے ان کے قابو میں تو دے دیا لیکن اسے جانے پر مجبور نہیں کیا(۱۱۵)۔

۱۸۔ جو عورت اسلام قبول کر لے اور پھر غیر مسلم ملک سے ہجرت کر کے مسلم ممالک میں چلی جائے تو اس کا نکاح اس کے غیر مسلم خاوند سے فسخ ہو جائے گا۔ ایسے ہی اگر کوئی مرد اسلام قبول کر کے غیر مسلم حکومت سے ہجرت کر کے مسلم ممالک میں چلا جائے تو اس کا نکاح اس کی غیر مسلم بیوی سے فسخ ہو جاتا ہے۔

۱۹۔ حدیبیہ کے مقام میں رسول اللہ ﷺ کا قیام تو حدود حرم سے باہر تھا لیکن نمازیں حدودِ حرم میں جا کر ادا فرماتے تھے۔ لہٰذا اگر کسی کے ساتھ ایسا ہی واقعہ پیش آئے تو نمازیں حرم کی حدود میں جا کر ادا کرے۔

۲۰۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک لاکھ نمازوں کا ثواب مسجدِ حرام میں طواف کی جگہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ حدودِ حرم میں جہاں کہیں بھی نماز ادا کرے گا ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملے گا(۱۱۶)۔

۲۱۔ صلح حدیبیہ کے ضبطِ تحریر میں لانے کے بعد حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو قربانی اور بال کٹوانے کا حکم دیا اور صحابہ کرامؓ نے ذرا توقف کیا تو حضور ﷺ نے اُمُّ المومنین حضرت اُمِّ سلمہؓ کے مشورہ پر عمل کر کے پہلے خود عمل فرمایا اور پھر صحابہ نے آپ ﷺ کی پیروی میں خود بھی عمل کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں سے مشورہ کرنا جائز اور فائدہ مند ہے(۱۱۷)۔

معاہدۂ حدیبیہ کا تنقیدی جائزہ

بہ ظاہر معاہدۂ حدیبیہ کی شرائط مسلمانوں کے لیے ہتک آمیز معلوم ہوتی ہیں لیکن

حقیقت حال یہ ہے کہ سفارتی تعلقات کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں۔ یہ معاہدہ پیغمبرِ اعظم ﷺ کی بے نظیر ذہانت کا مظہر ہے۔ حضور ﷺ کے ساتھ جانثاروں کی ایک فوج تھی۔ عارضی طور پر قوت میں توازن بھی پیدا ہوچکا تھا۔ لیکن قریش کا ابھی تک پلہ بھاری تھا۔ علاوہ ازیں یہودیوں سے مسلمانوں کا معاہدہ منسوخ ہوچکا تھا۔ مملکتِ مدینہ بتدریج قریش کے شامی تجارتی راستوں کو منقطع کرکے ان کی معاشی حیثیت کو کمزور کرنا چاہتی تھی۔ اس لیے فریقین کی خواہش تھی کہ کم از کم تھوڑی دیر کے لیے صلح ہوجائے۔ اگر اس وقت حضور ﷺ بھی جذبات کی رو میں بہہ کر فاتحانہ مکہ میں داخل ہونے کے لیے عملی اقدام کرتے تو زبردست خون ریزی ہوتی۔ قریش کو عرب قبائل پر یہ ثابت کرنے کا بہانہ مل جاتا کہ مسلمان حرمت والے دنوں میں بھی لڑائی سے باز نہیں آتے۔ مفتوح قبائل میں انتقام کا جذبہ شدت سے پیدا ہوتا۔ اس طرح جنگوں کا ایک ایسا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوجاتا جو حضور ﷺ کے رحمۃ للعلمین ہونے کے منافی ہوتا۔ اس لیے معاہدہ کی جان ہی التوائے جنگ تھا۔

اس سفر میں حضور ﷺ نے غیر مسلموں کو بھی اپنے ہمراہ لے لیا تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ اگر قریش نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی تو اہلِ عرب میں سے نہ تو کوئی ان کی حمایت کرے گا اور نہ ہی کوئی مسلمانوں کی مخالفت کرے گا۔ حضور ﷺ کا مکہ کی جانب یہ سفر ذی القعدہ کے مہینے میں تھا، جس میں بین القبائلی قانون کے مطابق عرب اپنے سخت ترین دشمن بلکہ قابلِ قصاص ملزم کو بھی حرم کی زیارت سے نہیں روکتے تھے اور اس پر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ لیکن قریش نے نہ صرف بین القبائلی قانون کی خلاف ورزی کی بلکہ مسلمانوں پر ان کے سرکشوں نے دھاوا بھی بولا اور جارحانہ اقدام بھی کیا، جن کو حضور ﷺ نے گرفتار ہونے پر معاف فرمادیا۔ اس طرح نبی کریم ﷺ کی بصیرت نے قریش کو اہلِ عرب کی نظروں سے گرادیا، جو مسلمانوں کے اس لیے ہمنوا ہوگئے کہ ان کی تلواریں تو نیام میں ہیں، قربانی کے جانور ان کے ساتھ ہیں اور احرام پہنے ہوئے ہیں، لیکن مکہ کے دروازے ان پر بند

ہیں۔ (تفصیل گزر چکی ہے)۔

یہ سفر مذہبی ہونے کے ساتھ ساتھ سیاسی نوعیت کا بھی حامل تھا۔ اسی لیے قریش کے لیے یہ ایک بھاری چیلنج بن گیا۔

معاہدہ حدیبیہ کے وقت حربی حالات

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ معاہدۂ حدیبیہ کے وقت کے حربی حالات کا جائزہ بھی لیا جائے۔ مدینہ کو قریش کے علاوہ یہودیوں کا بھی سامنا تھا جنہوں نے مدینہ منورہ کے شمال میں زبردست قلعہ بندیاں کی ہوئی تھیں۔ ریاستِ مدینہ اس وقت اس پوزیشن میں قطعاً نہیں تھی کہ بہ یک وقت دونوں سے نبرد آزما ہونے کی کوشش کرتی۔ چونکہ ریاستِ مدینہ یہودیوں اور قریش دونوں کی مشترکہ دشمن تھی اس لیے ان دونوں میں ایک دفاعی معاہدہ کا بہت احتمال تھا۔

سرخسیؒ کا خیال ہے کہ اگر مدینے والے خیبر پر حملہ کرتے تو ڈر تھا کہ شہر کو فوج سے خالی پا کر مکے والے نہ چڑھ دوڑیں اور اگر جنوب میں مکے کی طرف جائیں، تو یہی خوف شمال یعنی خیبر سے تھا۔

ان حالات میں سیاست دانی کا تقاضا یہی ہوسکتا تھا کہ دونوں میں سے کسی ایک دشمن سے صلح کر کے دوسرے کے مقابلے میں اس کو دوست یا کم از کم غیر جانب دار بنالیا جائے[118]۔ خیبر اور مکہ دونوں میں سے مسلمان، مکہ کو ترجیح دیتے تھے کیونکہ مکہ ان کا آبائی وطن تھا۔ ان کے اکثر لواحقین مکہ میں مقیم تھے اور یہودیوں کے مقابلے میں اہلِ مکہ بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ قریش پر مسلمانوں کی طرف سے تجارتی راستے بند کردینے کے بعد معاشی دباؤ بڑھ گیا تھا اور مکہ میں قحط کے آثار ظاہر ہونے لگے تو حضور ﷺ نے مدینہ کی اہمیت محسوس کرانے کے بعد پابندی اٹھالی تھی[119]۔ اور مکہ کے حاجت مندوں کے

لیے پانچ سو اشرفیاں بھیج کر ان کا دل موہ لیا تھا[۱۲۰]۔

اسی زمانے میں نینوا کے مقام پر اہلِ روما نے اہلِ ایران کو عبرت ناک شکست دی[۱۲۱]۔ ریاستِ مدینہ کے لیے یمن، عمان اور بحرین کے ایرانی صوبوں سے اپنی سیاست تسلیم کروانا سہل ہو گیا۔ اہلِ یمامہ کے اسلام قبول کرنے کے باعث مسلمان عمان اور بحرین کے دروازوں پر دستک دے رہے تھے اور قریش کو اپنی راہ سے ہٹانے کے بعد یمن تک پہنچ جانا کوئی مشکل کام نہ تھا[۱۲۲]۔

معاہدہ حدیبیہ فنِ حرب کا کمال

۱۔ تاریخ شاہد ہے کہ کفارِ مکہ کے حوصلے بغیر کسی لڑائی کے پست ہو گئے اور ان کی رہی سہی قوت بھی سلب ہو گئی اور یہی حضور ﷺ کے فن حرب کا کمال ہے۔

۲۔ معاہدہ حدیبیہ کی رو سے مسلمانوں کا حقِ زیارتِ کعبہ تسلیم کر لیا گیا۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ اسلام کو بھی ایک مذہب کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا۔

۳۔ قریش سے دس برس تک جنگ نہ کرنے کے عہد پر دستخط کرانا حضور ﷺ کی سیاست کاری کی بہت بڑی دلیل ہے۔

۴۔ قریش کی جانب سے لڑائی کا خطرہ ٹل جانے کے باعث مسلمان دل جمعی سے تبلیغِ اسلام کر سکتے تھے۔

۵۔ قریش تجارتی اور خاندانی تعلقات کی بناء پر مدینہ میں آ کر قیام کرتے اور مسلمانوں کے اخلاق و تعلیمات سے متاثر ہوتے۔ اسلام کے متعلق اعلانیہ مناظرے ہونے لگے اور مخفی طور پر جو مسلمان تھا وہ بھی ظاہر ہو گیا[۱۲۳]۔

۶۔ معاہدہ حدیبیہ کے بعد نبی کریم ﷺ نے عامۃ الناس کو اسلام کی دعوت دینے کے ساتھ ساتھ قرب و جوار کے جاگیر داروں اور بادشاہوں کو بھی اسلام کی دعوت بھیجی۔

۷۔ اسی معاہدہ کے بعد قریش کے دو نامور جرنیل خالد بن ولید اور عمرو بن العاص نے

لیے پانچ سو اشرفیاں بھیج کر ان کا دل موہ لیا تھا[120]۔

اسی زمانے میں نینوا کے مقام پر اہلِ روما نے اہلِ ایران کو عبرت ناک شکست دی[121]۔ ریاستِ مدینہ کے لیے یمن، عمان اور بحرین کے ایرانی صوبوں سے اپنی سیاست تسلیم کروانا سہل ہو گیا۔ اہلِ یمامہ کے اسلام قبول کرنے کے باعث مسلمان عمان اور بحرین کے دروازوں پر دستک دے رہے تھے اور قریش کو اپنی راہ سے ہٹانے کے بعد یمن تک پہنچ جانا کوئی مشکل کام نہ تھا[122]۔

معاہدہ حدیبیہ فنِ حرب کا کمال

۱۔ تاریخ شاہد ہے کہ کفارِ مکہ کے حوصلے بغیر کسی لڑائی کے پست ہو گئے اور ان کی رہی سہی قوت بھی سلب ہو گئی اور یہی حضور ﷺ کے فن حرب کا کمال ہے۔

۲۔ معاہدہ حدیبیہ کی رو سے مسلمانوں کا حقِ زیارتِ کعبہ تسلیم کر لیا گیا۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ اسلام کو بھی ایک مذہب کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا۔

۳۔ قریش سے دس برس تک جنگ نہ کرنے کے عہد پر دستخط کرانا حضور ﷺ کی سیاست کاری کی بہت بڑی دلیل ہے۔

۴۔ قریش کی جانب سے لڑائی کا خطرہ ٹل جانے کے باعث مسلمان دل جمعی سے تبلیغِ اسلام کر سکتے تھے۔

۵۔ قریش تجارتی اور خاندانی تعلقات کی بناء پر مدینہ میں آکر قیام کرتے اور مسلمانوں کے اخلاق و تعلیمات سے متاثر ہوتے۔ اسلام کے متعلق اعلانیہ مناظرے ہونے لگے اور مخفی طور پر جو مسلمان تھا وہ بھی ظاہر ہو گیا[123]۔

۶۔ معاہدہ حدیبیہ کے بعد نبی کریم ﷺ نے عامۃ الناس کو اسلام کی دعوت دینے کے ساتھ ساتھ قرب و جوار کے جاگیر داروں اور بادشاہوں کو بھی اسلام کی دعوت بھیجی۔

۷۔ اسی معاہدہ کے بعد قریش کے دو نامور جرنیل خالد بن ولید اور عمرو بن العاص نے

اسلام قبول کیا[۱۲۴]۔

۸۔ تین برسوں ہی میں پورا جزیرہ نمائے عرب سرنگوں ہو گیا اور پندرہ برس میں اسلامی ریاست تین برِاعظموں پر پھیل گئی۔

فتحِ مبین

صُلح حدیبیہ کو قرآن کریم نے "فتحِ مبین" اور "نصرِ عزیز" کے ناموں سے یاد کیا ہے "انا فتحنالک فتحامبینا[۱۲۵]"۔ (ہم نے آپ ﷺ کو کھلی فتح دی)۔ "وینصرک اللہ نصرا عزیزاً"۔ (اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی زبردست مدد کرے گا)۔

یہ معاہدہ فتحِ عظیم کا مقدمہ بنا۔ قرآنِ مجید نے اسے "فتحاً قریباً" سے تشبیہہ دی۔ ابنِ ہشام نے اس سے مراد فتحِ مکہ لی ہے[۱۲۶]۔ حافظ ابنِ قیمؒ نے لکھا ہے کہ "بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس سے مراد فارس اور روم کی فتوحات ہیں۔ اور بعض فتحِ خیبر کے بعد آفاقِ عالم پر فتوحات کا سلسلہ مراد لیتے ہیں[۱۲۷]"۔

الغرض معاہدہ حدیبیہ کی رو سے رؤسائے قریش نے مدینہ پر حضور ﷺ کی سیاست کو تسلیم کر لیا۔ اس سے پہلے قریش آپ ﷺ کو ایک باغی و سرکش سے زیادہ اہمیت نہ دیتے تھے۔

بیعتِ رضوان کے بعد نبی کریم ﷺ کے پاس انقلابیوں کی ایک بہت بڑی جماعت قائم ہو گئی، جو قابل قدر جان نثاروں پر مشتمل تھی۔ صلح حدیبیہ کے وقت مسلمانوں کی تعداد چودہ (۱۴) سو تھی اور یہ تعداد تیرہ سالہ مکی اور چھ سالہ مدنی دور کی مسلسل کاوش کا ثمرہ تھی۔ صلح کے بعد مسلمانوں کی تعداد میں جوق در جوق اضافہ ہوا اور دو سال بعد فتح مکہ کے وقت مسلمانوں کی تعداد دس (۱۰) ہزار تک جا پہنچی[۱۲۸]۔

قریش کے بڑے بڑے سردار اور با اثر افراد مدینہ منورہ آ کر مشرف بہ اسلام ہوئے

جن میں خالدؓ بن ولید اور عمروؓ بن العاص اور عثمانؓ بن طلحہ قابل ذکر ہیں۔ ان کے اسلام لانے کے بعد حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "هٰذه مكة قد القت اليكم افلاذ كبدها"(۱۲۹)۔
(قریش نے اپنے جگر کے ٹکڑے تمہارے حوالے کردیے ہیں)۔

پیغمبرِ اعظم ﷺ ملکی امور میں ان کی رائے کو صائب خیال فرماتے تھے۔ صلح حدیبیہ کے بعد مدینہ منورہ میں شورائی جمہوریت قائم ہو گئی۔ جس میں کتاب و سنت کی روشنی میں اقدامات کیے جاتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی سیاستِ خارجہ کا شاہکار

اس معاہدے کے طے کرنے میں نبی کریم ﷺ کی سیاسی حکمت اور قائدانہ بصیرت نے آنے والوں کے لیے رہنمائی کی راہ متعین کردی۔ مدینہ منورہ کے شمال میں بڑھتے ہوئے صیہونی خطرے کے پیشِ نظر مسلمانوں کو ہر قیمت پر قریش سے صلح کرنی تھی تاکہ ایک طرف سے سکون و آرام میسر آنے کے بعد دوسرے دشمن پر کاری ضرب لگائی جاسکے۔ ورنہ اس بات کا خطرہ تھا کہ کہیں صیہونی طاقتوں کا قریش سے اتحاد مسلمانوں کے لیے پریشانی کا باعث نہ بن جائے۔ اس لیے آپ نے ابو جندل کو سہیل کے حوالے کرکے معاہدہ پر دستخط ثبت کردیئے اور وہیں سے واپسی اختیار کی۔ اس طرح آپ کی حکمتِ عملی نے قریش اور صیہونی مرکز کو پاش پاش کردیا۔

یہ سیاست کاری کا شاہکار تھا۔ قریش کا چڑھتا ہوا جوش اور بخار اس صلح کے (SAFETY VALUE) سے خارج ہوگیا۔ عین اس لمحے خیبر کے یہودیوں اور مکے کے قریشیوں میں اتحاد ہو کر ایک نئے طاقت ور محاصرہ مدینہ کی جو تجویز تیار ہوچکی تھی وہ روک دی گئی۔ کیونکہ قریش نے اپنی منہ مانگی شرطوں کے ملنے اور تجارت کا شمالی راستہ کھلنے پر وعدہ کیا تھا کہ وہ دس سال تک آنحضرت ﷺ سے نہ تو خود جنگ کریں گے اور نہ کسی کو کوئی خفیہ یا

علانیہ مدد دیں گے، بلکہ مسلمانوں کی جنگوں میں بالکل غیر جانب دار رہیں گے۔ اسی صلح سے حضور ﷺ کو یہ فائدہ ہوا کہ سفارتی مشنوں کی ترسیل کے لیے ہاتھ کھل گئے۔ خطرے کے مرکز خیبر کو مہینے بھر میں ہمیشہ کے لیے مٹا دیا گیا۔

معاہدوں کا احترام

اسلامی حکومت عالمگیر حکومت ہے اور وہ اس حیثیت سے بین الاقوامی تعلقات کو بروئے کار لاتی ہے، لیکن معاہدوں کی وجہ سے اصل مقصد سے دستبردار نہیں ہوتی۔ دنیا میں بہت سے معاہدے ہو چکے ہیں اور ابھی لاتعداد معاہدے ہوں گے۔ اسلامی قانون کی رو سے اسلامی معاہدوں کا مقصد اور غایت وہی ہے جو اسلامی حکومت کی غایت ہے۔

اسلام جنگ کا خواہاں نہیں، کیونکہ اس سے تبلیغی و سفارتی مشن کے اہم فریضے کی راہ میں رکاوٹ پڑتی ہے اور رشد و اصلاح جو اسلام کا اصل مقصد ہے وہ پورا نہیں ہوتا۔ اللہ نے اپنے پیغمبرِ اعظم ﷺ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا تھا اور ظاہر ہے کہ جنگ میں رحم اور مروت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ انہی مقاصد کے پیشِ نظر اسلام نے دنیا کے تمام لوگوں کو امن اور سلامتی کی دعوت دی[۱۳۰]۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "یاایھاالذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ ولاتتبعوا خطوات الشیطان، انہ لکم عدوّ مبین[۱۳۱]"۔ (اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تم سب کے سب امن اور سلامتی کی راہ اختیار کرو اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو، وہ یقیناً تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے)۔

رسول اللہ ﷺ نے عرب میں امن و امان اور صلح و آشتی کی فضاء پیدا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ آپ نے ہر قوم کو صلح کی دعوت دی اور ان سے معاہدے کیے۔

مدینہ میں تشریف لاتے ہی آپ ﷺ نے وہاں کے یہود سے صلح کا معاہدہ کیا۔ عرب کے بہت سے قبائل کو صلح پر آمادہ کیا۔ حدیبیہ والے سال قریش کو مصالحت پر آمادہ

کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ پہلے تو قریش آمادہ ہی نہ ہوتے تھے۔ لیکن حضور ﷺ کی کوششوں کے نتیجے میں آمادہ ہوئے بھی تو ایسی کڑی شرائط پیش کیں، جنہیں کوئی مسلمان بھی قبول کرنے پر تیار نہ تھا۔ تاہم حضور علیہ السلام نے محض جذبۂ مصالحت کی خاطر انہیں قبول کرلیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے معاصر بادشاہوں اور امراء کو خطوط لکھ کر انہیں بھی مصالحت کی دعوت دی۔ آپ کے تبلیغی خطوط کو پڑھا جائے۔ صاف معلوم ہوجائے گا کہ یہ تمام خطوط محض اخلاص اور خیر خواہی کے جذبے کے تحت لکھے گئے ہیں اور مقصود صرف ان کی ہدایت اور اصلاح ہے۔ ایک لفظ سے بھی ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ دشمنی کے جذبے کے زیرِ اثر لکھے گئے تھے یا ان کا مقصد بادشاہوں اور امراء کو جنگ کی دھمکی دینا تھا۔

نبی کریم ﷺ نے یہ معاہدے اور صلح کی کوششیں اس لیے نہیں کیں کہ خدا نخواستہ آپ ﷺ کمزور تھے اور آپ ﷺ کو خدشہ تھا کہ اگر ان لوگوں سے بنا کر نہ رکھی گئی تو وہ مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچائیں گے۔ آپ ﷺ کو اپنے رب کی کامل مدد پر پورا بھروسہ تھا اور جانثاروں کا ایک ایسا گروہ آپ کے گرد جمع تھا، جو آپ ﷺ کے ادنیٰ اشارے پر اپنی جانیں قربان کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتا تھا۔ آپ ﷺ کے پیشِ نظر محض بنی نوع انسان کی بھلائی اور خیر خواہی تھی۔ خون ریزی کو آپ طبعاً ناپسند فرماتے تھے۔ اسی بھلائی اور خیر خواہی کے جذبے کے تحت آپ ﷺ نے یہ معاہدے کیے۔ ان معاہدوں کے ذریعے دشمن کو دھوکہ دے کر بے خبری کی حالت میں اس پر تسلط حاصل کرنے کی آپ ﷺ نے کبھی کوشش نہ کی۔ معاہدوں کی دفعات بالکل واضح اور صاف ہوتی تھیں اور کوئی ایسی خفیہ دفعہ نہیں ہوتی تھی، جس کا سہارا لے کر بعد میں معاہدہ کو توڑنے کی گنجائش پیدا ہو سکے(۱۳۲)۔

معاہدات کے بارے میں قرآنی احکام

اگر دشمن آپ ﷺ سے صلح کرنے پر آمادہ ہوجاتا تھا تو قطع نظر اس کے کہ وہ سچے

دل سے ایسا کرتا تھا یا محض دکھاوے کے طور پر، آپ ﷺ اس سے مصالحت کر لیتے تھے کیونکہ حکمِ الٰہی یہی تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وان جنحوا للسلم فاجنح لها وتوكّل على الله انه هوالسميع العليم. وان يريدوا ان يخدعوك فانّ حسبك الله، هو الذی ايدک بنصره و بالمؤمنين"(۱۳۳). (اور اگر وہ لوگ صلح کی طرف مائل ہوں تو اے رسول ﷺ! تو بھی صلح کی طرف مائل ہو اور اللہ پر توکل کر (اور اس خیال سے نہ ڈر کہ وہ کہیں بعد میں دھوکہ نہ دیں) اللہ تعالیٰ یقیناً بہت دعائیں سننے والا اور بہت جاننے والا ہے اور اگر وہ اس بات کا ارادہ رکھتے ہوں کہ بعد میں مجھے دھوکہ دیں تو (یاد رکھ کہ) اللہ تیرے لیے یقیناً کافی ہے۔ وہی ہے جس نے تجھ کو مومنوں کے ذریعے اور اپنی مدد کے ذریعے مضبوط کیا)۔

معاہدات کا احترام کرنا اسلامی تعلیمات کی رو سے بے حد ضروری ہے۔ دوسری قوموں کی طرح وہ انہیں محض کاغذ کے پرزوں کی حیثیت دینا نہیں چاہتا، جنہیں حسبِ مرضی پھاڑ کر پھینکا جاسکتا ہے۔ بلکہ ان پر قرار واقعی عمل کرانا چاہتا ہے(۱۳۴)۔ اسی لیے قرآنِ کریم میں معاہدوں کی پابندی پر بے حد زور دیا گیا ہے اور مسلمانوں کو نقضِ عہد کے برے نتائج سے پر زور الفاظ میں آگاہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "واوفوا بعهدالله اذا عاهدتم ولاتنقضوا الايمان بعد توكيدها وقدجعلتم الله عليكم كفيلا. ان الله يعلم ماتفعلون"(۱۳۵). (اور چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے اپنے عہد کو جب تم نے اس سے کوئی عہد کیا ہوا سے پورا کرو اور قسموں کو انہیں پختہ کرنے کے بعد جب کہ تم نے اللہ تعالیٰ کو اس کی قسم کھا کر ضامن بنالیا ہے، مت توڑو، جو کچھ کرتے ہو اللہ تعالیٰ یقیناً اسے جانتا ہے)۔

اس طرح ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے: "واوفوا بالعهد انّ العهد كان مسئولا"(۱۳۶). (اپنے کیے ہوئے عہد کو پورا کرو کیونکہ کیے ہوئے عہد کی بابت قیامت کے دن پوچھا جائے گا)۔

قریش سے حدیبیہ کے مقام پر جو معاہدہ ہوا تھا اس کی پابندی کرنے کے متعلق مسلمانوں کو ان الفاظ میں تاکید کی گئی: "ولایجرمنکم شنان قوم ان صدوکم عن المسجد الحرام ان تعتدوا وتعانوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب[۱۳۷]". (اور ایک قوم کی دشمنی کہ انہوں نے تو تمہیں مسجد حرام سے روکا تھا۔ تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم زیادتی کرو اور تم نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی کی باتوں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کیا کرو اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اللہ کی سزا یقیناً بہت سخت ہوتی ہے)۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ اجازت دے دی تھی کہ اگر فریقِ مخالف کی طرف سے بد عہدی کے آثار نظر آئیں تو آپ ﷺ اس کے ساتھ کیے ہوئے معاہدے کو ختم کرسکتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی یہ تاکید بھی کردی کہ یہ کاروائی کھلم کھلا اور باقاعدہ اعلان کے ذریعے ہو، دشمن کو دھوکا دینے کی کوشش نہ کی جائے۔ بلکہ اسے پہلے سے آگاہ کردیا جائے کہ معاہدے کو ختم کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"واما تخافن من قوم خیانۃ فانبذالیھم علیٰ سواء ان اللہ لا یحب الخائنین[۱۳۸]". (اور اگر تجھے کسی قوم سے عہد شکنی کا ڈر ہو تو اس طرح اس کے ساتھ کیا ہوا معاہدہ ختم کردے۔ جس سے وہ سمجھ لیں کہ اب تم دونوں فریق اپنی پابندیوں سے آزاد ہو۔ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا)۔

اسی آیت کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ اگر فریقِ مخالف نے کسی خفیہ معاہدے کی خلاف ورزی کی ہو، تب اس کے خلاف کوئی اقدام کرنے سے پہلے اسے آگاہ کردینا ضروری ہے کہ ہم آئندہ کے لیے معاہدہ کو ختم کرتے ہیں۔ لیکن اگر معاہدے کی خلاف ورزی کھلم کھلا ہو تب انہیں پہلے سے آگاہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے[۱۳۹]۔

فرد کامعاہدہ قوم کامعاہدہ

اسلام معاہدات کی پابندی کو جس قدر اہمیت دیتا ہے، اس کا اندازہ اس امر سے ہوسکتا ہے کہ اگر مسلمانوں کا کوئی فرد اپنے سپہ سالار کو اطلاع دیئے بغیر کسی قوم سے کوئی معاہدہ کرلیتا ہے، تو اسلامی احکام کی رو سے تمام مسلمانوں پر اس معاہدے کی پابندی لازمی ہوجاتی ہے۔ دوسری اقوام میں یہ بات نہیں ہے، وہ افراد کے کیے ہوئے معاہدوں کو کبھی تسلیم نہیں کرتیں۔ یہ خصوصیت صرف اسلام کو حاصل ہے کہ وہ افراد کے کیے ہوئے معاہدوں کو بھی تسلیم کرلیتا ہے، خواہ کسی فرد نے ایسا کرتے ہوئے امام سے اجازت لی ہو یا نہیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

''فریقِ مخالف سے معاہدات کرنے میں تمام مسلمانوں کی ذمہ داری مشترکہ ہے ان کا ادنیٰ سے ادنیٰ شخص معاہدہ کرسکتا ہے اور دشمنوں کو پناہ دے سکتا ہے''[۱۴۰]۔

عورت کامعاہدہ

فتح مکہ کے وقت حضرت امّ ھانی بنتِ ابی طالب نے اپنے دو رشتے داروں کو پناہ دی تھی۔ لیکن ان کے بھائی حضرت علیؓ بن ابی طالب نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضور ﷺ نے تمام واقعہ سن کرارشاد فرمایا: "قداجرنا من اجرتِ یاامَّ ھانی"[۱۴۱]. (ام ھانی ! جسے تم نے پناہ دی اسے ہم نے بھی پناہ دی)۔

ابوداوٗد میں ہے: "قد اجرنامن اجرتِ واٰمنا من اٰمنتِ"[۱۴۲]. (جس کو تونے پناہ دی اس کو ہم نے بھی پناہ دی اور جس کو تونے امان دی اس کو ہم نے بھی امان دی)۔

حوالہ جات

۱۔ ابن سید الناس، عیون الاثر، ج ۱، ص ۱۹۷

۲- حمید اللہ ڈاکٹر، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۲۸۳

۳- ابن قیم، زادالمعاد، ج ۲، ص ۱۵۰

۴- البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، ج ۲، ص ۱۰۸

۵- الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ۳، ص ٦

٦- ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج ۴، ص ۵،۴

۷- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۳٦

۸- ابن ہشام، ج ۳، ص ۵۴

۹- الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ۲، ص ۲٦۰

۱۰- ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج ۳، ص ۲۴۸

۱۱- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۳۳۳

۱۲- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲

۱۳- ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج ۳، ص ۲۴۸

۱۴- الطبری، ج ۳، ص ۱۲۲

۱۵- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۷۱، ۲۷۲

۱٦- ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج ۳، ص ۲۴٦

۱۷- الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۲، ص ۲۵۹: ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج ۳، ص ۲۴۳

۱۸- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۷۰، ۲۷۴، ۲۷۵

۱۹- ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج ۳، ص ۲۴۳

۲۰- یہ جہینہ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ کا نام ہے جو کہ ینبوع کے قریب واقع ہے اور مدینہ منورہ سے تقریباً ۱۰۰ میل دور ہے اور مکہ کے تجارتی قافلوں کی اہم گزر گاہ ہے (ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۴۸)

۲۱- ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۲۴۸

۲۲- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۷۰

۲۳- الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ۲، ص ۲٦۰ (۱۲٦۹)

۲۴- البدایۃ والنہایۃ، ج ۳، ص ۲۴۶

۲۵- الفاسی، محمد بن محمد بن سلیمان، جمع الفوائد من جامع الاصول و مجمع الزوائد، ج ۲، ص ۳۸۳

۲۶- الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ۳، ص ۱۲۲

۲۷- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۷۴، ۳۰۶، ۳۵۴

۲۸- ایضاً، ۲۷۴

۲۹- الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ۳، ص ۱۲۲

۳۰- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۱۷

۳۱- ابن ہشام، ج ۳، ص ۳۳۸

۳۲- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۱۷، ۲۷۲، ۲۷۴

۳۳- حمید اللہ ڈاکٹر، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۲۵۳

۳۴- طبقات، ج ۱، ص ۲۴

۳۵- ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۳، ص ۳۳۲

۳۶- حمید اللہ ڈاکٹر، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۲۵۵

۳۷- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۳۵۴ (وفد جذام)

۳۸- ابن الاثیر، تاریخ الکامل

۳۹- حمید اللہ ڈاکٹر، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۲۵۵

۴۰- ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج ۴، ص ۱۷۹

۴۱- الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ۳، ص ۱۴۷

۴۲- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۳۳۷ (وفد ازد)

۴۳- الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ۳، ص ۱۳۹

۴۴- ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۶۴

۴۵- البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، ج ۳، ص ۲۱

۴۶- ابن قیم، زاد المعاد، ج ۲، ص ۳۰۴، ۳۱۹

۴۷- ابن ہشام، ج ۳، ص ۳۳۴

۴۸- القرآن الکریم، الفتح، (۴۸) ۱:

۴۹- ابن قیم الجوزیہ، زاد المعاد، ج ۲، ص ۳۱۸

۵۰- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۳، ص ۳۳۶، ۳۳۷

۵۱- الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ۳، ص ۷۲ (۱۵۳۰)

۵۲- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۳، ص ۳۲۲

۵۳- الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ۳، ص ۷۲ (۱۵۳۰)

۵۴- الواقدی، محمد بن عمر بن واقد، کتاب المغازی، ج ۲، ص ۵۷۲

۵۵- ابن سید الناس، عیون الاثر، ج ۲، ص ۱۱۹: البدایۃ والنہایۃ، ج ۴، ص ۱۷۵

۵۶- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۳، ص ۳۲۳

۵۷- البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، ج ۳، ص ۲۷

۵۸- الواقدی، محمد بن عمر بن واقد، کتاب المغازی، ج ۲، ص ۵۷۹

۵۹- ابن اثیر الجزری، علی بن ابی الکرم، ج ۲، ص ۸۳

۶۰- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۳، ص ۳۲۵

۶۱- ابن درید، الاشتقاق، ج ۱، ص ۱۱۵

۶۲- ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج ۴، ص ۱۶۶

۶۳- ابن ہشام، ج ۳، ص ۳۲۶

۶۴- ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج ۴، ص ۱۶۶

۶۵- ابن قیم الجوزیہ، زاد المعاد، ج ۲، ص ۳۰۵

۶۶- یہ عروہ جو آج قریش کا سفیر بن کر آیا تھا چند سال کے بعد خود بخود مسلمان ہو گیا تھا اور اپنی قوم میں تبلیغ اسلام کے لیے سفیر اسلام بن کر گیا تھا۔

۶۷- ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج ۴، ص ۱۶۶، ۱۶۷

۶۸- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۳، ص ۳۲۷، ۳۲۸

۶۹- البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، ج ۲، ص ۸۷

۷۰- الواقدی، محمد بن عمر بن واقد، کتاب المغازی، ج ۲، ص ۵۹۸

۷۱- البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، ج ۲، ص ۸۷

۷۲- الزرقانی، شرح علی المواہب اللدنیتہ، ج ۲، ص ۱۹۲

۷۳- ابن ہشام، السیرۃ النبویتہ، ج ۳، ص ۳۲۸، ۳۲۹

۷۴- الطبری محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ۱، ص ۳۳۴- ۳۳۳

۷۵- ابن ہشام، السیرۃ النبویتہ، ج ۳، ص ۳۲۹

۷۶- الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۳، ص ۷۸

۷۷- ابن کثیر، البدایتہ والنہایتہ، ج ۴، ص ۱۶۸

۷۸- الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۳، ص ۷۸

۷۹- ابن ہشام، السیرۃ النبویتہ، ج ۳، ص ۳۳۰

۸۰- القرآن الحکیم، الفتح (۴۸): ۱۸

۸۱- ابن ہشام، السیرۃ النبویتہ، ج ۳، ص ۳۲۹

۸۲- الواقدی محمد بن عمر بن واقد، کتاب المغازی، ج ۲، ص ۶۰۵

۸۳- الزرقانی، شرح علی المواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۲۲۳

۸۴- ابن ہشام، السیرۃ النبویتہ، ج ۳، ص ۳۳۱

۸۵- یہی سہیل جو آج اسم مبارک محمد ﷺ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ لکھنے پر اعتراض کرتا ہے۔ چند سال کے بعد دلی شوق اور امنگ سے مسلمان ہو گیا تھا۔ وصال پاک نبوی کے بعد مکہ میں اسلام کی حقانیت پر ایسی زبردست تقریر کی تھی جو ہزاروں مسلمانوں کے لیے استحکام و تازگی کا باعث ٹھہری تھی۔ بے شک یہ اسلام کا عجیب اثر ہے کہ وہ جانی اور دلی دشمنوں کو دم بھر میں اپنا فدائی بنالیتا ہے۔

۸۶- ابن کثیر، البدایتہ والنہایتہ، ج ۴، ص ۱۷۵

۸۷- ابن اثیر الجزری، علی بن ابی الکرم، تاریخ الکامل، ج ۲، ص ۸۴

۸۸- ابن ہشام، السیرۃ النبویتہ، ج ۳، ص ۳۳۲: ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۰۲، ۹۷

۸۹- الواقدی، محمد بن عمر بن واقد، کتاب المغازی، ج ۲، ص ۶۱۲

۹۰- القشیری، مسلم بن الحجاج، الصحیح لمسلم، ج ۲، ص ۱۰۵ (باب صلح الحدیبیہ)

۹۱- القرآن الکریم، الممتحنۃ (۶۰): ۴

۹۲- ایضاً، الانفال (۸): ۳۹

۹۳- ابن قیم، زاد المعاد، ج ۳، ص ۳۱۵، ۳۱۹، ۳۲۳، ۳۰۷

۹۴- ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۳، ص ۳۳۳: البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، ج ۲، ص ۸۸

۹۵- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۹۸

۹۶- ابوداؤد سلیمان بن الاشعث، سنن ابی داؤد، ج ۲، ص ۱۹

۹۷- الزرقانی، شرح علی المواہب اللدنیۃ، ج ۲، ص ۲۰۳

۹۸- السہیلی، الروض الانف، ج ۲، ص ۲۳۳

۹۹- ابن قیم، زاد المعاد، ج ۲، ص ۳۱۸، ۳۱۹

۱۰۰- ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۳، ص ۳۳۸

۱۰۱- السہیلی، عبدالرحمن بن احمد، الروض الانف، ج ۲، ص ۲۳۳

۱۰۲- العسقلانی، ابن حجر، فتح الباری، ج ۵، ص ۲۲۵

۱۰۳- ابن قیم، زاد المعاد، ج ۲، ص ۳۱۴، ۳۱۵

۱۰۴- القرآن الکریم، الانفال (۸): ۶۱

۱۰۵- ایضاً محمد (۴۷): ۳۵

۱۰۶- ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۱۲۷

۱۰۷- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۳۵۸

۱۰۸- الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ۳، ص ۴۸

۱۰۹- ابن قیم الجوزیۃ، زاد المعاد، ج ۲، ص ۳۱۷

۱۱۰- ابن حجر، فتح الباری، ج ۵، ص ۲۲۶

۱۱۱- القرآن الکریم، آل عمران (۳): ۱۵۹

۱۱۲- ایضاً، الشوریٰ (۴۲):۳۸

۱۱۳- ابن حجر العسقلانی، فتح الباری، ج۵، ص۲۲۶

۱۱۴- ابن قیم، زادالمعاد، ج۲، ص۳۱۵

۱۱۵- ابن حجر العسقلانی، فتح الباری، ج۵، ص۲۲۵

۱۱۶- ابن قیم، زادالمعاد، ج۲، ص۳۱۳

۱۱۷- ابن حجر، فتح الباری، ج۵، ص۲۴۵تا۲۵۶: زادالمعاد، ج۲، ص۳۱۶

۱۱۸- السرخسی، المبسوط، ج۱۰، ص۹۱، ۹۲: شرح السیر الکبیر، ج۱، ص۶۹

۱۱۹- معاہدہ کے بعد قریش نے اس امید پر اپنی تجارت کا دائرہ وسیع کیا کہ گذشتہ برسوں میں مسلمانوں کی معاشی ناکہ بندی سے جو خسارہ ہوا تھا اس کی تلافی کی جاسکے۔

۱۲۰- السرخسی، السیر الکبیر۔ ج۱، ص۶۹، السرخسی، المبسوط، ج۱۰، ص۹۱، ۹۲

۱۲۱- GIBBON, the History of the Decline and Fall, VOL . V ,P. 190-194

۱۲۲- حمیداللہ ڈاکٹر، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص۸۷

۱۲۳- ابن قیم، زادالمعاد، ج۲، ص۳۱۵

۱۲۴- ابن حجر العسقلانی، فتح الباری، ج۷، ص۳۳۵

۱۲۵- القرآن الحکیم، الفتح، (۴۸):۱، ۲

۱۲۶- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج۳، ص۳۳۷

۱۲۷- ابن قیم، الجوزیہ، زادالمعاد، ج۲، ص۳۲۲

۱۲۸- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج۳، ص۳۳۷

۱۲۹- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج۳، ص۲۶۵

۱۳۰- الصعیدی عبدالمتعال، السیاسیۃ الاسلامیہ، ص۲۲۰

۱۳۱- القرآن الحکیم، البقرۃ (۲):۲۰۸

۱۳۲- الصعیدی عبدالمتعال، السیاسیۃ الاسلامیہ فی عہد النبوۃ، ص۲۲۰

۱۳۳- القرآن الحکیم، الانفال (۸):۶۱، ۶۲

۱۳۴۔ الصعیدی، عبد المتعال، السیاسیۃ الاسلامیۃ، ص ۲۲۱

۱۳۵۔ القرآن الکریم، النحل (۱۶):۹۱

۱۳۶۔ ایضاً، بنی اسرائیل (۱۷):۳۴

۱۳۷۔ ایضاً، المائدۃ (۵):۲

۱۳۸۔ القرآن الکریم، الانفال (۸):۵۸

۱۳۹۔ ابن قیم الجوزیۃ، زاد المعاد، ج ۳، ص ۳۴۷

۱۴۰۔ الصعیدی، عبد المتعال، السیاسیۃ الاسلامیۃ فی عہد النبوۃ، ص ۲۲۲

۱۴۱۔ ابن قیم، زاد المعاد، ج ۲، ص ۳۹۶

۱۴۲۔ الخطابی ابوسفیان حمد بن محمد، معالم السنن، ج ۲، ص ۳۲۰

ساتواں باب

* خطوط و فرامین

* رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفارتی و تبلیغی خطوط حکمرانوں کے نام

* تبلیغی خطوط اور ان کی سفارتی اہمیت

* رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفارتی مشن کی نوعیت

* سفارتی خطوط کی تعداد، ان کا انداز اور طرز تخاطب

* رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطوط اصلی شکل میں موجود ہیں

ساتواں باب

خطوط و فرامین (تبلیغی خطوط اور ان کی سفارتی اہمیت)

سفارتی و تبلیغی مشن کو عالمگیر بنانے کی کوششوں کا آغاز

حدیبیہ کی صلح سے اشاعتِ اسلام کی تاریخ کا ایک نیا باب شروع ہوتا ہے۔ یعنی جب رسولِ کریم ﷺ نے ۶ ھجری میں صلح حدیبیہ کے نتیجے میں اندرونِ ملک کے تصادموں اور ان جنگوں اور لڑائیوں سے ذرا سی فرصت پائی، جو حضور ﷺ کے خلاف آئے دن قریشِ مکہ برپا کرتے رہتے تھے، تو حضرت رسول کریم ﷺ نے اس قلیل فرصت سے کثیر فائدہ اٹھاتے ہوئے فوراً ایک نئی تبلیغی اور سفارتی مہم کا آغاز کیا۔

وہ مہم تھی اسود و احمر کے نام اسلام کے پیغام کی، تبلیغی خطوط کے ذریعہ، یہی حضور علیہ السلام کی بعثت کی غرض تھی۔ کہ جہاں تک ممکن ہوسکے تمام دنیا میں اسلامی مشن کو کامیاب کیا جائے اور یہی آپ کے لقب "رحمۃ للعلمین" کا منشا تھا کہ اس نعمت کو جو خدا نے آپ ﷺ کو مرحمت فرمائی تھی، تمام عالم میں تقسیم کردیں۔ بلاشبہ اسلامی مشن کی سفارت میں حضور ﷺ کا یہ جدید اقدام آپ ﷺ کا "نہایت شاندار اشاعتی اور سفارتی کارنامہ تھا" جسے آپ ﷺ نے نہایت حسن و خوبی اور کمال مستعدی وخوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا[1]۔

آپ ﷺ نے اسی پہلی فرصت میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی اور دوسرے سلاطین کو اسلام کی دعوت دی اور ان کو خطوط لکھے۔ مسلم شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

"انّ نبی اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کتب الیٰ کسریٰ و الیٰ قیصر والیٰ النجاشی والیٰ کل جبار یدعوھم الی اللّٰہ[2]". (بے شک اللہ کے نبی ﷺ نے کسریٰ و قیصر اور نجاشی

اور تمام حکمرانوں کو خط لکھ کر ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی)۔

سفارتی خطوط کی ترسیل سے قبل حضور ﷺ کی مشاورت

اس عظیم الشان سفارت کی ابتداء کرنے سے پہلے رسولِ خدا ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ طلب فرمایا۔ جسے ابنِ ہشام نے یوں ذکر کیا ہے:

''حدیبیہ کے سفر سے واپس آ کر حضور علیہ السلام نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا، کہ اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ پس تم مجھ سے ایسا اختلاف نہ کرنا، جیسا حواریوں نے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام سے کیا۔ صحابہؓ نے عرض کی۔ ''حضور ﷺ! حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کیا اختلاف کیا تھا''۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو اسی بات کی طرف بلایا تھا۔ جس کی طرف میں تم کو بلانا چاہتا ہوں۔ یعنی بادشاہوں اور والیوں اور سرداروں کے پاس تبلیغ اسلام کے واسطے ایلچی بنا کر بھیجنے کے لیے، جن لوگوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے قریب کے ملکوں میں بھیجا تھا، وہ ست ہو گئے اور وہاں جانا ان کو ناگوار گزرا۔ پس تُم اس کام میں ان کی پیروی نہ کرنا[۳]''۔

صحابہ کرامؓ نے نہایت آمادگی کے ساتھ اس نئی تبلیغی مہم میں اپنے آقا کے ارشادات کی تعمیل کرنے کا وعدہ کیا اور یہ بھی عرض کیا کہ بیرونی ممالک میں بادشاہوں کا قاعدہ ہے کہ: "لا یقرؤن کتابا الا مختوما". (وہ کسی خط کو اس وقت تک نہیں پڑھتے جب تک اس پر مُہر نہ ہو)۔

تبلیغی خطوط کے لیے مُہر کی تیاری

اس پر آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرامؓ کے مشورہ سے ایک چاندی کی مہر بنوالی جس پر یہ الفاظ کندہ تھے ''محمد رسول اللہ'' گویا اب بھی میں آپ ﷺ کے دستِ مبارک میں اس کی سفیدی کو دیکھ رہا ہوں۔

مُہر کی شکل اور نمونہ

آپ ﷺ کے خطوط میں آپ کے اسمِ مبارک کی جو مہر ثبت ہے، وہ ہر مسودہ میں ایک ہی طرح ہے۔ خدا کے اس عاشق نے ادب و احترام کے لحاظ سے اپنے محبوب کا نام "اللہ" سب سے اوپر رکھا تھا، درمیان میں "رسول" کا لفظ ہے اور خود اپنا اسمِ گرامی سب سے نیچے کی سطر میں کندہ کروایا تھا۔ یعنی مُہر کی شکل یہ تھی(۴):

اللہ

رسول

محمد

حضور ﷺ نے آج کل کی عام مُہروں کی طرز پر تینوں لفظ انگوٹھی پر الٹے کندہ کرائے تھے۔ تا کہ کاغذ پر مُہر لگاتے وقت سیدھے پڑھے جائیں۔

عرب میں خطوط پر مہر لگانے کا رواج

عرب میں خطوط پر مہر لگانے کا رواج سب سے پہلے حضور نبی کریم ﷺ سے ہی شروع ہوا(۵)۔

سفارتی خطوط کی تعداد اور تاریخِ ترسیل

عمرۃ القضاء ادا کرنے کے فوراً بعد یعنی یکم محرم سنہ ۷ ھ کو حضور ﷺ نے ملحقہ سلطنتوں کے حکمرانوں کو اسلامی نظام کا پیغام خصوصی قاصدوں کے ذریعے بھجوایا۔ آپ ﷺ نے جو خطوط لکھے، ان کی تعداد اب سوا دو سو (۲۲۵) تک ہو گئی ہے(۶)۔

مؤرخین نے اس بات میں شدید اختلاف کیا ہے کہ آیا سفراء نے ہجرت کے چھٹے سال سفر کیا یا ساتویں، یا یہ صلح حدیبیہ اور رسول اللہ ﷺ کے وصال کے درمیان بھیجے گئے۔

ابنِ سعد نے لکھا ہے کہ:

"ایک ہی دن میں چھ سفیر روانہ ہوئے اور یہ یکم محرم سنہ ۷ ھ تھا۔ ان میں سے ہر شخص اس قوم کی زبان سے بخوبی واقف تھا جس کی طرف اس کو روانہ کیا گیا[۷]"۔

چونکہ اواخرِ محرم میں رسول اللہ ﷺ خیبر روانہ ہوگئے تھے۔ اس لیے اغلب یہی ہے کہ دعوت نامے اوائلِ محرم میں روانہ کیے گئے ہوں۔

حضور ﷺ نے ایک ہی دن میں چھ حکمرانوں کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط لکھوا کر سفیروں کے ذریعے بھجوائے۔ ان کے نام یہ ہیں[۸]:۔

۱۔	حضرت دحیہؓ بن خلیفہ الکلبی	قیصرِ روم
۲۔	حضرت عمروؓ بن امیہ الضمری	نجاشی بادشاہِ حبشہ
۳۔	حضرت عبداللہؓ بن حذافہ سہمی	خسرو پرویز، شہنشاہِ ایران
۴۔	حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ	عزیزِ مصر مقوقس
۵۔	حضرت سلیطؓ بن عمرو عامری	روسائے یمامہ
۶۔	حضرت شجاعؓ بن وھب الاسدی	حارث غسانی رئیسِ حدودِ شام

یہ چھ سفیر آٹھ مکتوب کے حامل تھے۔ حضرت دحیہ کلبیؓ جو قیصرِ روم کے پاس خط لے کر گئے تھے۔ پاپائے روم ضغاطر کے خط کے بھی وہی سفیر تھے۔ حضرت عبداللہؓ بن حذافہ سہمی جو ایرانی حکومت کے بادشاہ خسرو پرویز کے پاس بھیجے گئے تھے، وہی ہرمزان کے نام خط بھی لے کر گئے تھے۔ علاوہ ازیں حضور ﷺ نے دعوتِ اسلامی کے سلسلے میں دیگر ذمہ دار لوگوں کو بھی خطوط ارسال فرمائے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کے سفارتی مشن کی نوعیت

جو تبلیغی اور سفارتی خطوط آنحضرت ﷺ نے اپنے سفیروں کے ذریعے حکمرانوں، بادشاہوں اور گورنروں اور قبائل کے سرداروں کو روانہ فرمائے۔ وہ جزیرہ نمائے عرب کے چاروں طرف کے حکمرانوں کے نام تھے۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ شمال میں روما کی نہایت مشہور سلطنت کے شاہنشاہ قیصرِ روم کے نام۔

۲۔ شمال مشرق میں ملکِ فارس کے عظیم الشان شاہنشاہِ کسریٰ کے نام۔

۳۔ شمال مغرب میں حاکمِ مصر شاہِ مقوقس کے نام، جو رومی سلطنت کا باجگزار اور محکوم تھا۔

۴۔ شمال میں عرب کی حدود کے ساتھ ریاستِ غسان کے حاکم حارث بن ابی شمر غسانی کے نام ایک خط بھیجا۔

۵۔ مشرق میں رئیسِ یمامہ ھوذہ بن علی الحنفی کے نام ارسال کیا۔

۶۔ عرب کے جنوب مشرق میں ایک خط بحرین کے والی منذر بن ساویٰ کو بھجوایا۔

۷۔ مغرب میں نجاشی شاہِ حبشہ کے نام خط لکھا۔

۸۔ عرب کے جنوب میں یمن کے رئیس جلندی کے دونوں بیٹوں جیفر اور عبداللہ جو کہ عمان کے حاکم تھے، ان کی طرف بھی ایک خط بھجوایا(۹)۔

اس سفارتی مشن کی ترتیب میں جس طرح احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔ اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے عرب کے چاروں طرف اسلام کا تحریری پیغام بھجوا کر دعوت وارشاد کا فریضہ ادا کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔

خطوط میں بادشاہوں کو خطاب کرنے کی وجوہات

یہ بات آج کے دور میں قابلِ غور معلوم ہوتی ہے کہ حضور ﷺ نے دوسرے ملکوں کے عوام تک اپنے سفارتی مشن کی تکمیل کے لیے آخر شاہی درباروں کو کیوں مخاطب فرمایا۔

اس کی وجہ بالکل ظاہر ہے کہ:۔

۱۔ عوام کو باشاہوں کے مقابلے میں کوئی شہری حقوق حاصل نہ تھے اور انہیں وہ اساسی آزادی ہی مہیا نہ تھی جس سے کام لے کر وہ اپنے بارے میں خود کوئی فیصلہ کر سکیں(۱۰)۔

۲- یہ بادشاہتیں اس امر کا موقع دینے پر بھی قطعاً تیار نہ تھیں کہ دوسرے ملک کے اجنبی لوگ آکر ان کی رعیت سے میل جول رکھیں اور ان کو موجودہ مذہب سے برگشتہ کریں۔ جیسا کہ طائف کے سرداروں نے حضور ﷺ کو شہر خالی کر دینے کے لیے کہا تھا[11]۔

۳- ان کے سیاسی اقتدار وہاں کے مروجہ مذاہب کے بل پر ہی چل رہے تھے اور وہ مذہبی پیشواؤں کے طبقوں کا تعاون حاصل کر کے حکمرانی کر رہے تھے۔

۴- جہاں صرف تبدیلی مذہب کا معاملہ نہ ہو بلکہ انسان کو سرتاپا بدلا جانا ہو، اس کے پیمانے اور اقدار کے ذوق اور معیارات ہی یکسر تبدیل کیے جانے ہوں اور جہاں دعوتِ حق قبول کرنے والوں میں مروجہ نظام کے خلاف باغیانہ رجحان پیدا کر کے نئے نظام کی اقامت کا انقلابی داعیہ ابھارا جانا ہو، وہاں کیسے ممکن تھا کہ بادشاہتیں اپنے عوام میں اسلامی دعوت کو چپ چاپ پھیلنے کا موقع دیتیں۔

۵- اس دور کی بادشاہی قیادت تو گویا خداوند بنی بیٹھی تھی اور نیچے ایک پتہ بھی اس کی اجازت کے بغیر نہیں ہل سکتا تھا۔

یہی وہ حقیقت ہے جس کی بناء پر نہ صرف یہ کہ نبی اکرم ﷺ نے اسلامی دعوت کا مخاطب خود فرماں رواؤں کو بنایا بلکہ اپنے نامہ مبارک میں صراحت سے ان کو پوری قوم کا نمائندہ قرار دے کر عوام کے برے اور بھلے کی ذمہ داری ان پر ڈالی۔ حضور ﷺ نے مختلف تاجداروں کو "عظیم الروم" "عظیم فارس" اور "عظیم القبط" یعنی فلاں اور فلاں قوم کے سربراہِ کار کہہ کر مخاطب فرمایا۔ پھر کسریٰ اور مقوقس کو وضاحت سے لکھا:

"فان تولیت فعلیک أثم المجوس". "فان تولیت فانما علیک اثم القبط" "فان تولیت فانما علیک اثم الاریسیین[12]". (اے شاہانِ روم و ایران و مصر اگر تم نے خدا کی دعوتِ حق کا انکار کر دیا تو تمہاری رعایا کی گمراہی کا وبال بھی تمہاری گردن پر رہے گا)۔

یہ آپ ﷺ نے کیوں ارشاد فرمایا۔ صرف اس لیے کہ قدیم شخصی حکومتوں کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ "الناس علیٰ دین ملوکھم" (ان کی قومی حکومتوں میں جو مذہب بادشاہ کا ہوتا تھا وہی پوری قوم کا مذہب بن جاتا تھا)۔ اور بعض اقوام میں تو بادشاہ "خدا کا مظہر" سمجھا جاتا تھا۔ لہٰذا کسی بات کو اس کا قبول کرلینا، گویا رعایا کے لیے خدا کے حکم کے برابر تھا۔

ابن حجر العسقلانیؒ نے بھی تحریر کیا ہے کہ: "لان الاصاغر أتباع الاکابر"[۱۳]۔

(چھوٹے بڑوں کے تابع ہوتے ہیں)۔

حضور ﷺ نے یہ خیال فرمایا کہ جو بڑے کہتے ہیں، چھوٹے اس پر عمل کرتے ہیں، لہٰذا بڑوں کو ہی خطاب کرنا چاہیے۔

۶۔ ایک بڑا مقصد یہ بھی تھا کہ آس پاس کے حکمرانوں کو یہ حقیقت اچھی طرح معلوم ہوجائے کہ اب عرب پہلے کی طرح کی کوئی کھلی چراہ گاہ نہیں ہے اور نہ ہی ایک لاوارث قطعۂ زمین ہے بلکہ وہ ایک باضابطہ حکومت کے زیرِ نگین ہے۔ ایک کارفرما طاقت ور موجود ہے جو ہر لحاظ سے چوکس اور مضبوط ہے۔ وہ کسی پرائی حکومت سے دبنے والی بھی نہیں بلکہ وہ چیلنج کررہی ہے اور چیلنج کرنے کا دم خم اس میں موجود ہے۔

سفارتی خطوط کا انداز اور طرزِ تخاطب

تاجداروں کو خطوط لکھتے ہوئے حضور ﷺ نے ایک طرف مروّجہ آداب کا اہتمام کیا یعنی بطور خاص مہر ثبت کرنے کے لیے انگوٹھی بنوائی اور اس میں "محمد رسول اللہ" کے الفاظ کندہ کرائے۔ دوسری طرف آپ ﷺ نے اپنا ایک خاص اسلوب و نہج پیدا کیا:۔

۱۔ آپ ﷺ نے ہر خط کا آغاز خدائے رحمٰن و رحیم کے نام سے فرمایا۔

۲۔ اپنا اسم مبارک پہلے لکھا اور مکتوب الیہ کا نام بعد میں۔

اس وقت خاص طور پر سے امراء و سلاطین کی بارگاہوں میں جو خطوط اور عرض داشتیں

پیش کی جاتی تھیں، ان میں کاتب اپنا نام بعد میں لکھتا تھا اور مکتوب الیہ کا نام اس کے اعزاز و مرتبہ کے مطابق پہلے لکھتا تھا۔ اس وقت کے اس طریقِ تخاطب کے برعکس یہ پہلی مثال تھی کہ حضور ﷺ کے خطوط میں امراء و سلاطین کے نام بعد میں لکھے گئے اور وہ بھی مقررہ القابات و خطابات کے بغیر نہایت سادگی سے، جیسے ہرقل کے خط میں ہے "محمد رسول اللہ کی طرف سے والیٔ روم کے نام"۔ کیونکہ حضور ﷺ جس دین کے داعی تھے، اس میں ان گمراہ امراء و سلاطین کی کوئی وقعت ہو ہی نہیں سکتی تھی۔

اس طرزِ تخاطب نے اس عہد کے درباریوں کو بری طرح چونکا دیا اور جب اس کا لوگوں میں چرچا عام ہوا تو وہ بھی حیران رہ گئے۔ کیونکہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ کوئی شخص روم و ایران کے ذی شان شاہنشاہوں کو اس جرأت و بے باکی سے مخاطب کر سکتا ہے۔

اس کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ ان درباریوں میں بھی اور خاص طور سے ان قبائلِ عرب میں جو ایرانی اور رومی شہنشاہوں کے ماتحت تھے، لوگ سوچنے لگے کہ جس شخص نے اس جرأت سے شاہنشاہِ وقت کو خطاب کیا ہے، ضرور اس کے پاس کوئی طاقت ہوگی۔ جس کے بل پر اس نے یہ جسارت کی ہے۔ نفسیاتی طور پر یہ پہلی کامیابی تھی جو اس طرزِ تخاطب کے نتیجہ میں اسلام کو حاصل ہوئی۔

خسرو پرویز کو اصل اعتراض بھی اسی بات کا تھا جو اس نے حضور ﷺ کے نامۂ مبارک کو دیکھنے کے بعد کیا تھا۔ اس کو سب سے زیادہ غصہ اسی طرزِ تخاطب پر آیا تھا۔

"محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کسریٰ شاہِ فارس کے نام" اس کو سن کر کسریٰ بھڑک اٹھا اور اس نے نامۂ مبارک کو چاک کر دیا[۱۴]۔

۳۔ حضور ﷺ نے اپنے خطوط میں یہ بھی خیال رکھا کہ کم سے کم اور انتہائی جچے تلے الفاظ میں مدعا بیان فرمایا۔ اس دور کے لحاظ سے جو سفارتی زبان آپ ﷺ نے خطوط کے لیے

اختیار کی ہے، وہ حضور ﷺ کی سیاسی بصیرت اور ذہنی برتری کی ایک اعلیٰ ترین دلیل ہے۔ جس کی وضاحت آج بھی حیران کر دینے والی ہے۔ مثلاً انہی خطوط میں کمال ایجاز دکھاتے ہوئے یہ جملہ بطور خاص آپ ﷺ نے لکھوایا "اسلم تسلم" (اسلام لاؤ، سلامتی پاؤ گے) آپ ﷺ کی سیاسی بصیرت کا یہ عالم ہے کہ اس جملہ میں یہ معنیٰ بھی ہیں کہ اطاعت کرو تو سلامتی پاؤ گے اور بلاغت کا یہ بھی کمال ہے کہ ڈپلومیسی سے کام لیتے ہوئے اس میں اچھی خاصی دھمکی بھی مضمر ہے۔ یعنی اگر نہ مانو گے، تو پھر خیر نہیں۔ صرف دو لفظ ہیں اور ان کے معانی کی وسعتوں کو دیکھئے۔ اسی طرح "فعلیک اثم المجوس" یا "علیک اثم القبط[۱۵]" کے جملے میں لفظ "اثم" کا دوہرا مفہوم ہے۔ مذہبی بھی، سیاسی بھی:۔

(الف) ایک یہ کہ تم پر قوم کا وبال اللہ کے ہاں ہوگا یا آخرت میں ہوگا۔

(ب) دوسرا یہ کہ سیاسی حیثیت سے تمہیں کیفرِ کردار سے دوچار ہونا پڑے گا۔

یہ جدید ڈپلومیسی کی ایک اعلیٰ ترین مثال ہے۔ ان ذو معنیٰ الفاظ کے استعمال سے حضور ﷺ کا منشا ہرگز یہ نہیں تھا کہ بات غیر واضح رہے اور نعوذ باللہ کسی ہیر پھیر سے کام لیا جائے۔ بلکہ دونوں کلمات سے بیک وقت ہر دو مفہوم سامنے رکھنے مقصود تھے۔ یہ فصاحت و بلاغت کا انتہائی کمال ہے کہ اتنے کم الفاظ سے اتنے وسیع معانی حاصل ہوں۔

۴۔ پھر آپ ﷺ نے ہر حکمران کو مخاطب کرتے وقت اس کے مذہب اور اس کے مخصوص حالات کو پیش نظر رکھ کر مختلف عبارتیں لکھوائیں۔

۵۔ اسی طرح آپ ﷺ کے تمام خطوط میں سیدھا طرزِ تخاطب ہے اور بعد کی عبارت بھی سیدھی ستھری اور صاف دعوتِ اسلام کے بارے میں ہے۔ جس میں اللہ کا حکم ماننے اور اس پر ایمان لانے اور یومِ آخرت پر ایمان کی دعوت دی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ دعوتِ اسلام کا یہ طریقہ اس زمانے کے عام خوشامدی اندازِ تخاطب سے بدلا ہوا ہے۔ دو ٹوک بات بغیر ہیر پھیر کے درج کی گئی ہے۔ اسلام کی دعوت ہے اور دعوت قبول نہ کرنے کے نقصانات

واضح کیے گئے ہیں۔

۶۔ آپ ﷺ نے یہ احتیاط بھی کی کہ ہر حکمران کی طرف اس کی قومی زبان جاننے والا سفیر نامزد کر کے روانہ کیا[۱۶]۔

۷۔ یہ خط تقریباً ایک ہی مضمون کے تھے[۱۷]۔ ان کا مضمون اگرچہ بالکل سادہ اور نہایت مختصر تھا۔ مگر اس کے اندر ایسی روحانی قوت مضمر تھی، جس کی وجہ سے وہ قلوب جن کو حق ناحق کی تمیز اور سچ جھوٹ کے ادراک کا مادہ تھا، مرعوب و متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جن سلاطین پر اس مضمر قوت کا اثر پہنچا، انہوں نے گردن جھکادی[۱۸] اور جنہوں نے ظاہری قوت و شوکت کو صدق و کذب کا معیار ٹھہرایا وہ سرکشی اور بغاوت اور مقابلے سے پیش آئے اور خطوط اور سفیروں کی توہین پر آمادہ ہوگئے۔

روم و فارس کو اپنی شہنشاہیت کا بڑا غرور تھا۔ لیکن اسلام نے اس غرور کی چٹان کو توڑ کر رکھ دیا۔ ان کے حکمرانوں کے شاہانہ خطاب کو پامال کردیا گیا۔ ان کو عظیم الروم اور عظیم فارس کا لقب دینا کافی سمجھا گیا۔ ان کو امن و سلامتی کے نظام کی طرف بلایا گیا اور جب انہوں نے انکار کردیا تو آپ نے اعلان فرمایا:

"قیصر و کسریٰ کے خاتمہ کے بعد نہ کوئی قیصر ہوگا نہ کسریٰ[۱۹]۔

تبلیغی اور سفارتی مشن کے لیے رسول اللہ ﷺ کی حکیمانہ پالیسی

رسول اللہ ﷺ نے تبلیغی خطوط اور ہدایت کا یہ مہتم بالشان کام بغیر سوچے سمجھے یونہی شروع نہیں کردیا تھا بلکہ منشائے ایزدی کے مطابق اس میں نہایت احتیاط اور دور اندیشی سے کام لیا گیا تھا اور معاملے کے ہر پہلو پر کافی غور کرنے کے بعد نہایت منظم اور باقاعدہ طور پر بڑی آہستگی کے ساتھ تمام خطرات اور خدشات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس ضروری فریضہ کی ابتداء کی گئی تھی۔ آپ ﷺ کی حکیمانہ پالیسی کا تذکرہ مصر کے نامور فاضل

بسم الله الرحمن الرحيم من محمد عبد الله ورسوله
إلى هرقل عظيم الروم سلام على من اتبع الهدى أما بعد
فإني أدعوك بدعاية الإسلام أسلم تسلم يؤتك الله
أجرك مرتين فإن توليت فعليك إثم الأريسيين ويا أهل الكتاب
تعالوا إلى كلمة سواء بيننا وبينكم ألا نعبد إلا الله
ولا نشرك به شيئا ولا يتخذ بعضنا بعضا أربابا من
دون الله فإن تولوا فقولوا اشهدوا بأنا مسلمون

قیصر روم کے نام

علامہ عبدالمتعال الصعیدی پروفیسر جامع ازہر قاہرہ نے اپنی کتاب میں یوں کیا ہے کہ:

"لوگوں کو وحدانیت کی تعلیم دینے اور ان تک پیغامِ حق پہنچانے میں رسول اللہ ﷺ نے جس بے نظیر حکمتِ عملی اور احتیاطی تدابیر سے کام لیا۔ اس کے باعث آپ ﷺ بہت ہی قلیل عرصے میں کامیابی اور کامرانی سے ہم کنار ہوگئے۔ آپ ﷺ نے اپنے مقدس مقصد کے حصول کی خاطر قوت، جبر اور تشدد سے قطعاً کام نہیں لیا۔ جس کے نتیجے میں نہ صرف آپ ﷺ کے متبعین کی جانیں بہت حد تک بچی رہیں بلکہ آپ ﷺ کا اعلیٰ اخلاق اور بے نظیر صبر و استقلال دیکھ کر آپ ﷺ کے بدترین دشمن بھی آپ ﷺ کے بہترین جانثار بن گئے۔ قوت اور طاقت کا استعمال تو الگ بات رہی۔ آپ ﷺ نے راہِ تبلیغ میں کبھی درشتی اور تند خوئی سے بھی کام نہ لیا بلکہ آغاز کار ہی سے بڑی نرمی اور شفقت کے ساتھ تبلیغِ حق کا فریضہ انجام دیتے اور تدریجی طور پر اس سلسلے کو آگے بڑھاتے رہے۔ ایسا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی ایک زبردست مشیت کام کر رہی تھی"[20]۔

رسول اللہ ﷺ کے سفارتی و تبلیغی خطوط حکمرانوں کے نام

۱۔ ہرقل، قیصرِ روم کے نام خط

سب سے پہلے آنحضرت ﷺ نے اس بادشاہ کو خط لکھا جو اس وقت دنیا کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ طاقتور شاہنشاہ تھا۔ اس کی عظیم سلطنت ایشیاء، یورپ اور افریقہ، تین بر اعظموں میں پھیلی ہوئی تھی۔ جن پر وہ بڑی شان و شوکت اور دبدبے کے ساتھ حکومت کر رہا تھا۔ اس کا لقب "قیصرِ روم" تھا اور نام "ہریکلی اس" جسے عرب "ہرقل" کہتے تھے۔ اس نے قسطنطنیہ کے تخت پر ۶۱۰ء سے ۶۴۱ء تک ۳۱ برس حکمرانی کی ہے۔ یہ خود اور اس کی ساری رعایا عیسائی تھی[21]۔

حضور اکرم ﷺ نے قیصرِ روم کو دعوتی و سفارتی خط اپنے ایک نہایت ہوشیار اور

عقلمند صحابی حضرت دحیہؓ بن خلیفہ الکلبی کے ہاتھ روانہ فرمایا۔ خط لکھنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

"میرا یہ خط لے کر ہرقل کے پاس کون جاتا ہے کہ اس کے لیے جنت کی خوشخبری ہے، الکلبیؓ نے اس کو لے لیا"[۲۲]۔

سفارت کا شاہی طریق

اس وقت قیصر و کسریٰ کے دربار اپنی شان وشوکت میں انتہائی عروج پر پہنچے ہوئے تھے اور اسی لحاظ سے ان بادشاہوں کے دماغ بھی آسمانوں سے اونچے تھے۔ وہ اس وقت تک کسی عرضی یا درخواست کو نہیں پڑھتے تھے جب تک وہ اس علاقے کے گورنر یا حاکم کی معرفت ان کے حضور پیش نہ کی جائے اور خود بادشاہ تک براہِ راست کوئی شخص بھی رسائی حاصل نہیں کرسکتا تھا۔ وہ اپنے آپ کو انسانوں سے بالاہستی سمجھتے تھے اور اس بات میں اپنی بے عزتی خیال کرتے تھے کہ کوئی شخص ان سے براہِ راست مخاطب ہو۔

آنحضرت ﷺ نے محض اس خیال سے کہ کسی نہ کسی طرح قیصر تک پیغامِ حق پہنچ جائے۔ اس بات کو گوارا کیا اور حضرت دحیہؓ کلبی سے ارشاد فرمایا کہ:

"اس تبلیغی خط کو لے جاکر عظیم بصریٰ (غسان کے بادشاہ حارث بن ابی شمر) کے حوالے کردیں۔ تاکہ وہ اسے قیصر کو بھیج دے"[۲۳]۔

اس ہدایت سے نبی کریم ﷺ کی ایک غرض یہ بھی تھی کہ اس طرح بجائے ایک کے دو فرماں رواؤں کو اسلام کی تبلیغ ہوجائے گی۔

دحیہؓ کلبی نے یہ خط لے جاکر حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق حارث کو بصریٰ میں دے دیا۔ ان دنوں ہرقل قیصرِ روم نے ایران کے شاہنشاہ پر زبردست فتح پانے کے شکریہ میں پیدل سفر کرکے بیت المقدس کی زیارت کرنے کی نذر مانی تھی اور کچھ اس اہتمام اور شان

کے ساتھ آیا تھا کہ جدہر جاتا تھا ادہر زمین پر فرش اور فرش پر پھول بچھتے چلے جاتے تھے[۲۵]۔

امیرِ بصریٰ حارث بن ابی شمر غسانی نے حضرت دحیہؓ کلبی کو عدی بن حاتم، جو ان دنوں نصرانی تھا، کے ساتھ ہرقل کے پاس بیت المقدس بھیج دیا۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی درخواست کی کہ مکہ کا یہ شخص حد درجہ گستاخ اور بے ادب ہے، جو شاہنشاہ معظم کو اتنی بے باکی کے ساتھ خط لکھ رہا ہے۔ مجھے فوج کشی کر کے اس کی جرأت و بے باکی کی سزا دینے کی اجازت دی جائے[۲۶]۔

حضرت دحیہؓ محرم سنہ ۷ ھ میں بیت المقدس پہنچے اور قیصرِ روم کے دربار پہنچ کر آپ ﷺ کا والا نامہ پیش کر دیا[۲۷]۔

قیصر نے امیرِ بصریٰ کی درخواست کا تو کوئی جواب نہ دیا۔ البتہ اسے لکھ بھیجا کہ تم بھی ایلیا (بیت المقدس) آکر جشن میں شرکت کرو۔

دربار میں داخلے کے وقت سفیر کی جرأت اور بے باکی

نبی کریم ﷺ کے بہادر اور ہوشیار قاصد و سفیر حضرت دحیہؓ کلبی نے قیصرِ روم کے دربار میں داخل ہوتے وقت ایمان و اخلاص اور جرات و بے باکی کا نہایت شاندار مظاہرہ کیا۔ دربار میں داخلے کے آداب یہ تھے کہ شہنشاہ کو سجدہ کیا جاتا تھا اور جب تک شاہنشاہ اجازت نہ دیتا تھا کسی کو سر اٹھانے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ درباریوں نے حضرت دحیہؓ کلبی کو درباری دستور سے آگاہ کیا تو آپ نے نہایت پر زور اور پر اعتماد الفاظ میں جواب دیا:

"مسلمانوں کی گردن سوائے خدا کے کسی کے آگے نہیں جھک سکتی۔ ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں یہی تعلیم دی ہے اور ہم اس مقدس تعلیم پر پورے طور سے کار بند ہیں۔ میں بادشاہ کو بالکل سجدہ نہیں کروں گا۔ خواہ تم مجھے شاہنشاہ کے سامنے پیش کرو یا نہ

کرو[۲۸]''۔

اس ایمانی جرأت کا یہ نتیجہ ہوا کہ قیصر نے انہیں خود ہی اپنے سامنے طلب کرلیا اور کسی قسم کی ناراضگی کا اظہار کرنے کی بجائے ان کے آرام و آسائش اور قیام کا معقول انتظام کردیا۔

مکتوبِ گرامی کے بارے میں قیصرِ روم کا خصوصی اجلاس

سفیرِ مدینہ کے اعزاز میں ہرقل نے بڑا بھاری دربار منعقد کیا اور نبی کریم ﷺ کے بارے میں بہت سی باتیں دریافت کیں:۔

''اس نے حضور ﷺ کا والا نامہ حضرت دحیہؓ کلبی کے ہاتھ سے لے کر سر آنکھوں پر رکھا اور بوسہ دیا اور کھول کر اس کو پڑھا اور کہا، سوچ کر اس کا جواب دوں گا''۔

قیصرِ روم نے ارادہ کیا کہ حضور ﷺ کا نامۂ مبارک ایک بڑے مجمع کے سامنے کھول کر پڑھا جائے۔ اس غرض کے لیے اس نے بڑے شان و شوکت کے ساتھ ایک عظیم الشان دربار منعقد کیا۔ ہیرے اور جواہرات سے بنا ہوا مرصع تاج سر پر رکھا اور نہایت شاہانہ کرّوفر کے ساتھ تختِ شاہی پر جلوہ افروز ہوا۔ چاروں طرف پادری، پوپ اور علماء وفضلاء کھڑے ہوئے۔ غلاموں کی ایک بڑی بھاری تعداد بھی سفید لباس پہنے خدمت میں ایستادہ تھی۔ فوج کے آدمی ننگی تلواریں کھینچے پہرہ دے رہے تھے۔ غرض تمام دربار پر نہایت رعب اور ہیبت طاری تھی اور ہر شخص دنیائے معلوم کے اس سب سے بڑے شاہنشاہ کے سامنے نہایت ادب و احترام کے ساتھ گردن کو جھکائے خاموش کھڑا تھا[۲۹]۔

قیصر نے دریافت کرایا کہ اگر مکّہ کا کوئی اور آدمی اس علاقے میں موجود ہو تو اسے پیش کیا جائے۔ اتفاق کی بات کہ حضور ﷺ کے مخالف محاذ کا قائد ابو سفیان قریش کی ایک جماعت کے ساتھ انہی دنوں تجارت کے سلسلے میں شام آیا ہوا تھا اور مقامِ غزہ میں مقیم تھا۔

قیصر کے سپاہی غزہ جا کر انہیں لے آئے۔

قیصر نے ان کو عزت کے ساتھ اپنے سامنے اور ان کے ساتھیوں کو پیچھے بٹھادیا اور کہا کہ:

''میں ابوسفیان سے کچھ سوالات کروں گا۔ اگر کوئی بات غلط ہو تو تم لوگ بتادینا''۔

عرب میں جھوٹ بولنا بہت برا خیال کیا جاتا تھا۔ ابوسفیان کا اپنا قول تھا کہ:

"فواللہ لولا الحیاء من ان یأثروا علی کذبالکذبت عنہ[۳۰]". (اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ ساتھی میرے جھوٹ کو ظاہر کردیں گے، تو شاید میں اس موقع پر کچھ باتیں گھڑتا)۔

مگر اتنا تو ضرور ہوا کہ قیصر نے رسول اللہ ﷺ کا حال پوچھا تو میں نے گھٹا کر بیان کیا۔ تاہم خدا نے صورتِ حالات ایسی پیدا کردی کہ رسول اللہ ﷺ اور اسلام کے دشمن کی زبان سے بھی سچ نکلا، پھر قیصر نے حضور ﷺ کے خاندان کے نَسب، اخلاق، حضور ﷺ کے رفقائے تحریک کے حالات اور ان کی رفتارِ ترقی، جنگوں میں مسلم جماعت کی پوزیشن اور اسلام کی تعلیمات اور دوسری کچھ چیزیں دریافت کیں۔ ساری باتیں سن کر کہا کہ ''نبی موعود کی یہی علامتیں ہم کو بتائی گئی ہیں۔ میں سمجھتا تھا کہ نبی کا ظہور ہونے والا ہے لیکن یہ نہ سمجھتا تھا کہ وہ عرب میں سے ہوگا۔ ابوسفیان اگر تم نے سچ سچ جواب دیئے ہیں، تو وہ شخص ایک روز اس جگہ کا مالک ہوگا، جہاں میں بیٹھا ہوا ہوں، کاش میں حاضر خدمت ہوسکتا اور اس نبی کے پاؤں دھویا کرتا''۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی صداقت تھی جس کا دشمن بھی انکار نہ کرسکے۔

اس کے بعد مجمعِ عام کے سامنے دوبارہ نامۂ مبارک پڑھا گیا، جس پر رومی سلطنت کے امراء، رؤساء اور درباری بہت سٹپٹائے۔ کیونکہ ہرقل کی ذہنی اور جسمانی کیفیت نے انہیں بوکھلاہٹ میں ڈال دیا تھا۔ انہوں نے مکہ والوں، ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کو جلدی جلدی باہر نکال دیا۔ ابوسفیان کہتے ہیں:-

"لقد امر امر ابن کبشۃ اصبح ملوک بنی الاصفر یھابونہ فی سلطانھم بالشام[۳۱]". (اب تو ابن ابی کبشہ (رسول اللہ ﷺ) کا کاروبار اتنا بڑھ گیا ہے کہ روم کا

بادشاہ بھی اس سے ڈرنے اور خوف کھانے لگا ہے)۔

ان لوگوں کی طاقت دربار میں اتنی زبردست تھی کہ ہرقل ان کے سامنے بے بس رہا۔ اگرچہ خود اس کا اپنا دل اسلام کی طرف مائل تھا۔ اس مکالمہ نے خود ابوسفیان کے دل پر اسلام کی عظمت کا نقش ثبت کردیا۔ اس کی تصدیق بخاری شریف میں ہے:

"فمازلت موقناانه سیظهر حتی ادخل الله علی الاسلام[۳۲]". (کہ مجھے یقین کامل ہوگیا تھا کہ وہ ضرور غلبہ پالیں گے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اسلام داخل کردیا)۔

ابونعیم نے عبداللہ بن شداد سے روایت کی ہے کہ ابوسفیان نے کہا کہ:

"وہ پہلا دن جس میں محمد ﷺ سے مجھ کو رعب ہوا۔ وہ بڑا دن تھا۔ اس دن قیصر نے اپنے ملک اور اپنی سلطنت اور اپنی بارگاہ میں جو کچھ کہا وہ کہا۔ میں قیصر کے پاس ایسے حال میں حاضر ہوا تھا کہ اس کی پیشانی سے پسینہ ٹپک رہا تھا۔ اس کی یہ حالت اس صحیفے کی وجہ سے تھی جو نبی کریم ﷺ نے اس کو لکھا تھا۔ قیصر کی یہ حالت دیکھ کر میں ہمیشہ محمد سے خوف زدہ رہتا تھا یہاں تک کہ میں مسلمان ہوگیا[۳۳]"۔

رسول اللہ ﷺ کے خط بنام قیصر کا مضمون

بسم الله الرحمن الرحیم.

من محمد عبدالله ورسوله الی هرقل عظیم الروم سلام علیٰ من اتبع الهدیٰ امابعد فانی ادعوک بدعایة الاسلام اسلم تسلم یؤتک الله اجرک مرتین فان تولیت فان علیک اثم الاریسیین. ویااهل الکتاب تعالوا الیٰ کلمة سواء بیننا و بینکم ان لا نعبد الاالله ولانشرک به شیئاً ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون[۳۴].

(میں اس اللہ کے نام سے اس خط کو شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان نہایت رحم والا

ہے۔ یہ خط اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد ﷺ کی جانب سے روم کے شہنشاہ ہرقل کے نام بھیجا جارہا ہے۔ اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے اور نیک راہ پر چلے۔ اس کے بعد میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام قبول کر لے۔ تمام آفتوں سے محفوظ رہے گا اور اللہ تعالیٰ تجھ کو دہرا اجر دے گا۔ (اپنے اسلام لانے اور رعیت کے مسلمان ہونے کا)۔ اور اگر روگردانی کی تو تیری پوری رعایا کا وبال تجھ پر ہوگا[۳۵]۔ ''اے اہل کتاب! اختلاف اور نزاع کی ساری باتیں چھوڑ کر اس بات پر آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں طور پر مشترک اور مسلّم ہے اور وہ یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ کسی ہستی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ ہم میں سے کوئی بھی کسی انسان سے ایسے برتاؤ کا روادار نہ ہو، گویا خدا کو چھوڑ کر اسے پروردگار بنالیا۔ پھر اگر اس سے روگردانی کرو تو گواہ رہنا کہ ہم خدا کے فرماں بردار بندے ہیں۔ (یعنی ہم مسلمان ہوچکے ہیں)۔

خط سن کر درباریوں کا ردِّ عمل

ابوسفیان کے ساتھ قیصر کی جو گفتگو ہوئی تھی۔ اُسی سے درباری امراء اور پادری سخت ناراض ہوچکے تھے۔ نامہ مبارک کو سن کر تو وہ اور زیادہ برہم ہوئے اور غصہ سے پیچ و تاب کھانے لگے۔ قیصر ان کے تیور دیکھ کر ان کے دلوں کی حالت بھانپ گیا اور دربار برخاست کردیا:

''اس میں شک نہیں کہ قیصر بہت جاہ و جلال اور شان و شوکت کا فرماں روا تھا۔ لیکن اس زمانے میں عیسائی راہبوں اور پادریوں کا تمام یورپ پر قبضہ و تسلط تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر ان کے خلاف ایک قدم بھی اٹھایا تو خیر نہیں۔ اس کے دل میں نور اسلام کی چمک پیدا ہوئی لیکن تاج و تخت کے ہاتھ سے نکل جانے کی تاریکی میں وہ گم ہو کر رہ گئی''۔

درباریوں کو راہِ راست پر لانے کے لیے قیصر کی ایک اور کوشش

قیصر پادریوں کی مخالفت سے اتنا خوفزدہ ہوا کہ اسلام قبول کرنے کا حوصلہ نہ کرسکا۔ عباد کہتے ہیں: "فضحک رسول اللہؐ حین دعاہ الی الاسلام فابیٰ ان یسلم و تلاھٰذہٖ الایۃ "انک لاتھدی من احببت ولٰکن اللہ یھدی من یشاء وھو اعلم بالمھتدین"[۳۶]۔ (رسول اللہ ﷺ مسکرائے جب آپ ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی تو اس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کردیا اور پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ بے شک آپ ﷺ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ جانتا ہے جس کو ہدایت دی گئی ہے)۔

اس سیاسی مجبوری اور بے بسی کے باوجود قیصر نے ایک مرتبہ اور اس بات کی کوشش کی کہ امراء اور رؤساء حکومت کو سمجھانے اور ان کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب دے کیونکہ ان کے راہِ راست پر آجانے سے رعایا خود بخود اسلام قبول کرلے گی۔ چنانچہ اس نے بیت المقدس سے حمص پہنچ کر دارالسلطنت کے شاہی محل میں تمام معزز رؤساء اور امراء کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ اگر تم کو اپنی آئندہ بھلائی مقصود ہے اور تم چاہتے ہو کہ تباہی سے بچ کر امن و عافیت اور راحت و سکون کی زندگی بسر کرو۔ تم خود بھی محفوظ رہو اور تمہارا ملک بھی محفوظ رہے۔ تو میں تمہیں نہایت مخلصانہ مشورہ دیتا ہوں کہ تم سب اس نبی اور پیغمبر پر ایمان لے آؤ جو عرب میں پیدا ہوا ہے۔ وہ تمام اچھی باتوں کا حکم دیتا ہے اور ہر قسم کے شرک کو نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اگر تم لوگ اس نبی پر ایمان لے آؤ گے تو خود بھی فائدہ میں رہو گے اور تمہارا ملک بھی تمہارے ہی پاس رہے گا۔ انکار کرو گے تو خود بھی تباہ ہوگے اور تمارا ملک بھی ہاتھ سے نکل جائے گا[۳۷]۔

اسلام کا یہ پیغام اپنے شاہنشاہ کی زبانی سن کر تمام معززینِ سلطنت غصے اور طیش میں آگئے اور غیض و غضب کے جوش میں چیختے چلاتے اٹھ کر باہر جانے لگے اور گورخر کی طرح

بھڑک گئے، اونٹ کی طرح بلبلائے اور صلیب اٹھالی[۳۸]۔ یہ نظارہ دیکھ کر دنیا کی حرص و طمع قیصر پر غالب آ گئی۔ اس نے فوراً ان لوگوں کو واپس بلا کر کہا:

"مجھے یہ دیکھ کر نہایت خوشی ہوئی کہ تم لوگ اپنے دین و ایمان پر نہایت پختہ ہو اور کوئی لالچ یا طمع تم کو تمہارے مذہب سے پھیر نہیں سکتی۔ میں نے اس وقت اپنی تقریر کے ذریعے تمہارے استقلال اور مذہبی لگاؤ کا امتحان لیا تھا کہ دین کے معاملے میں تم کہاں تک پکے ہو۔ میں نے تمہاری حالت دین کے بارے میں دیکھی، جس نے مجھے خوش کر دیا۔ میں تمہیں مبارک باد دیتا ہوں۔ اب تم شوق سے جا سکتے ہو۔ وہ لوگ خوش ہو کر چلے گئے، لیکن چند سالوں میں یہ پیش گوئی حرف بہ حرف پوری ہو گئی[۳۹]"۔

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں قیصرِ روم کا جواب

ہرقل نے پوری کوشش کی کہ امرائے سلطنت اسلام قبول کر لیں، لیکن نہ تو انہوں نے اسلام قبول کیا اور نہ ہی شہنشاہ کی اسلام پسند باتوں کو تسلیم کیا۔ چنانچہ ایک خط کے ذریعے وہ حضرت نبی کریم ﷺ کے ساتھ عقیدت و محبت کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے:۔

"الی احمد رسول اللّٰہ الذی بشر به عیسیٰ، من قیصر ملک الروم انه جاء نی کتابک مع رسولک، وانی اشهد انک رسول اللّٰه، نجدک عندنا فی الانجیل. بشرنا بک عیسیٰ بن مریم وانی دعوت الروم ان یومنوابک. فأبوا ولو اطاعنی لکان خیرا لهم ولو ددت انّی عندک فاخدمک واغسل قدمیک. فقال رسول اللّٰه، یبقی ملکهم مابقی کتابی عندهم[۴۰]". (اللہ کے رسول احمد ﷺ جن کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی ہے، کی خدمت میں روم کے بادشاہ قیصر کی جانب سے۔ آپ ﷺ کا گرامی نامہ آپ ﷺ کے قاصد سمیت پہنچا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ ہم آپ ﷺ کا ذکر انجیل میں پاتے ہیں۔ آپ ﷺ کے بارے میں

عیسیٰ علیہ السلام بن مریم نے ہمیں بشارت دی ہے۔ میں نے رومیوں کو دعوت دی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلیم کریں لیکن انہوں نے انکار کردیا۔ اگر وہ میری بات مان لیتے تو ان کے لیے بہتر تھا۔ کاش میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کرسکتا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم دھوتا)۔

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"جب تک یہ میرا خط ان کے پاس رہے گا ان کا ملک باقی رہے گا"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط ضغاطر اسقف پاپائے روم کے نام

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دوسرا خط حضرت دحیہؓ کلبی کے ذریعے پاپائے روم کو بھی بھیجا تھا۔ جس کا مضمون یہ تھا:۔

الیٰ اسقف الروم الی ضغاطرالاسقف.

"سلام علیٰ من آمن. أماعلیٰ اثر ذلک. فان عیسیٰ بن مریم روح اللّٰہ وکلمته القاهاالیٰ مریم الزکیة. وانی اومن باللّٰہ ومآانزل الیٰ ابراهیم واسماعیل واسحاق ویعقوب والاسباط. وماأوتی موسیٰ وعیسیٰ وما اوتی النبیون من ربهم لانفرق بین احد منهم و نحن له مسلمون" . والسلام علیٰ من اتبع الهدیٰ"(۳۱).

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ضغاطر اسقف کے نام تحریر فرمایا کہ: اس شخص پر سلام ہے جو ایمان لائے۔ اس کے بعد یہ ہے کہ عیسیٰ بن مریم روح اللہ و کلمتہ اللہ ہیں۔ جس کو اللہ نے پاکدامن مریم کو القا کیا۔ میں اللہ پر ایمان لاتاہوں اور اس پر ایمان لاتاہوں جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور اولادِ یعقوب پر نازل کیا گیا ہے اور جو موسیٰ وعیسیٰ کو دیا گیا ہے اور جو انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا ہے۔ ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے لیے اسلام لانے والے ہیں)۔ والسّلام علیٰ من اتبع الهدیٰ.

پاپائے روم نے خط پڑھتے ہی کہا:-

"صاحبک واللّٰہ نبی مرسل نعرفہ بصفتہ ونجدہ فی کتبنا باسمہ".

(خدا کی قسم تمہارا آقا نبی مرسل ہے۔ ہم انہیں ان کی صفات سے پہچانتے ہیں اور ان کا اسم گرامی اپنی کتابوں میں پاتے ہیں)۔

پھر وہ گھر میں داخل ہوا اور سفید کپڑے پہنے اور عصا ہاتھ میں لے کر رومیوں کے پاس گرجا میں چلا گیا اور پکار کے کہا اے رومیوں!

"انہ جاء نا کتاب من احمد یدعونا فیہ الی اللّٰہ عزّوجلّ وانی اشھدان لاالہ الااللّٰہ و ان احمد عبدہ ورسولہ"[42]. (ہمارے پاس احمد رسول اللہ ﷺ کا مکتوب آیا ہے جس میں ہمیں اللہ تعالیٰ کے دینِ حق کی دعوت دی ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور احمد ﷺ خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں)۔

یہ سنتے ہی لوگ اس پر ٹوٹ پڑے اور اس کو قتل کر ڈالا۔

اس سلسلے میں اور باتیں بھی کہی ہوں گی جو کسی کتاب میں محفوظ نہ ہو سکیں اور ہم تک نہ پہنچ سکیں۔ سامعین یکا یک جوش میں آگئے اور ضغاطر کو مار مار کے شہید کر ڈالا[43]۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کے قتل کی خبر سنی تو فرمایا:-

''اس ''مقتول'' کو اللہ تعالیٰ امتِ واحدہ مبعوث کرے گا[44]''۔

رسول اللہ ﷺ کا قیصرِ روم کو دوسرا خط

ایک دوسرا خط بھی نبی کریم ﷺ نے قیصرِ روم کے پاس روانہ فرمایا۔ جس میں اسے اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں جزیہ دینے کی ہدایت کی گئی تھی۔ خط کا مضمون یہ تھا:-

من محمد رسول اللّٰہ الی صاحب الروم:

انّی ادعوک الی الاسلام، فان اسلمت فلک للمسلمین وعلیک ما علیھم فان

لم تدخل فی الاسلام فاعط الجزیۃ. فان اللہ تبارک و تعالیٰ یقول. (قاتلوا الذین لایؤمنون باللہ ولا بالیوم الاٰخر. ولا یحرمون ماحرم اللہ ورسولہ. ولایدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتّٰی یعطوا الجزیۃ عن ید وّھم صاغرون) والا فلا تحل بین الفلاحین و بین الاسلام اٰن یدخلوا فیہ او یعطوا الجزیۃ [۴۵]۔

مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ جب حضرت دحیہؓ کلبی یہ خط لے کر قیصر کے دربار میں پہنچے تو اس نے اپنے تخت کے اوپر ہی اس خط کو رکھدیا اور اعیانِ سلطنت اور امرائے دربار کو بلا کر کہا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا سفیر تمہارے پاس بھیجا ہے اور ایک خط بھی دیا ہے جس میں اس نے تین باتوں میں ایک بات کو قبول کرنے کی ہدایت کی ہے۔

۱۔ تم اسلام قبول کر کے اس کے دین میں شامل ہو جاؤ۔

یا

۲۔ جزیہ دینا قبول کرو، جو خراج کی صورت میں اس کو ادا کرو اور تم اپنے علاقے میں امن سے رہو گے۔

یا

۳۔ پھر اس کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔

اس کے جواب میں درباریوں نے کہا کہ نہ تو اس کے دین میں شامل ہوں گے اور نہ خراج ادا کریں گے۔ ہاں ہم جنگ کریں گے [۴۶]۔

خطوط کے اثرات و نتائج

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیصر کو دو خط لکھے تھے، خط پڑھنے کے بعد اس نے کہا تھا کہ یہ ایسے خطوط ہیں، جن کی نظیر حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد میری نظر سے نہیں گزری، جس کی ابتدا "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" سے ہوئی ہو اور اس نے ابو سفیانؓ بن حرب اور مغیرہؓ بن شعبہ کو جو شام میں تجارت کے لیے آئے ہوئے تھے، ان سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں

سوالات کیے اور بعد ازاں اس نے کہا:-

"میرا باپ آپ ﷺ پر قربان اگر میں آپ ﷺ کے پاس ہوتا تو آپ ﷺ کے پاؤں دھوتا، یقیناً وہ میرے قدموں کے نیچے کی زمین کے ضرور مالک بن جائیں گے"۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے قیصرِ روم کے بارے میں فرمایا:- "بالیقین اسے ایک مدت ملے گی"(۴۷)۔

"اگرچہ ہرقل ایمان نہیں لایا۔ مگر اس باب میں شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ باوجود مسلمان نہ ہونے کے اس کے دل میں حضرت نبی کریم ﷺ کی بے انتہا عزت، عقیدت اور عظمت تھی۔ اس دعوے کا تاریخی ثبوت یہ ہے کہ اس نے حضور علیہ السلام کے اس نامۂ مبارک کو نہایت حفاظت اور احتیاط کے ساتھ بطور تبرک اپنے خزانے میں رکھا اور ایک قیمتی اور متبرک یادگار کے طور پر اپنے پیچھے آنے والے قیاصرہ کے لیے چھوڑ گیا۔

شرح زرقانی میں ہے:- "ثم اخذ كتاب رسول الله فوضعه على رأسه ثم قبله وطواه في الديباج والحرير وجعله في سفط"۔ (پھر اس نے رسول اللہ ﷺ کا مکتوبِ گرامی لے کر اپنے سر پر رکھا، اسے چوما اور مخمل اور ریشم میں لپیٹ کر ایک ڈبے میں رکھا)۔

چنانچہ یہ مقدس تحفہ کئی صدیوں تک قسطنطنیہ کے شاہی خزانے میں محفوظ رہا(۴۸)۔

جب شاہ قلاورن کا سفیر قیصرِ روم کے پاس قسطنطنیہ گیا تو اس نے سفیر کو دکھانے کے لیے شاہی خزانے سے ایک طلائی ڈبہ منگوایا۔ اس میں ریشمی رومال میں لپٹا ہوا یہی خط رکھا تھا۔ قیصر نے کہا کہ یہ تاریخی خط تمہارے رسول محمد ﷺ نے ہمارے ایک بزرگ ہرقل کو تبلیغی طور پر لکھا تھا، جو ہم نے آج تک بڑی حفاظت کے ساتھ اپنے خزانے میں رکھا ہوا ہے اور آباء واجداد کی وصیت ہے کہ جب تک یہ خط ہمارے پاس ہے ہمارا ملک ہمارے پاس رہے گا۔ اس لیے ہم اس کی بہت زیادہ حفاظت اور احترام کرتے ہیں اور اس کو عیسائیوں سے چھپا کر رکھتے ہیں تاکہ ہمارا ملک ہمارے پاس باقی رہے(۴۹)۔

یہ اسی طرح تھا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: "یبقی ملکھم ما بقی کتابی عندھم"(۵۰). (جب تک میرا مکتوب ان کے ہاں محفوظ رہے گا، ان کا ملک باقی رہے گا)۔

عصرِ حاضر میں رسول اللہ ﷺ کے مکتوب بنام ہرقل کی دریافت

اسلامی ڈائجسٹ "ھدیٰ" کے جون ۱۹۷۷ء کے شمارہ میں تحریر ہے کہ: "حضور ﷺ کا وہ مکتوب مبارک جو آپ نے روم کے شہنشاہ ہرقل کے نام ارسال فرمایا تھا، ۱۹۷۶ء میں دستیاب ہوا ہے۔ اسلامی تاریخ کے اس نادر تحفے کو متحدہ عرب امارات کے سربراہ شیخ زاید آل نہیان نے لاکھوں روپے دے کر لندن سے اپنے ملک میں منتقل کرلیا تھا۔ انہوں نے اس مکتوب مبارک کے حقیقی اور اصل ہونے کی تحقیق کے لیے دنیا بھر کے ماہرین کی خدمات حاصل کی تھیں جنہوں نے پوری طرح چھان بین کے بعد اس کی صحت اور اصلیت کا اعلان کیا تھا اور اس کے بعد ہی ہماری تاریخ کے اس عظیم ورثے کو شیخ زائد نے لاکھوں روپے کے عوض خرید لیا تھا"(۵۱)۔

روزنامہ نوائے وقت راولپنڈی نے جلی سرخی کے تحت لکھا کہ:۔ "بازنطینی شہنشاہ ہرکولیس کے نام نبی کریم ﷺ کا خط اردن کے شاہ حسین کے پاس محفوظ ہے"۔

عمان ۱۲ اپریل ۱۹۷۷ء اردن کے شاہ حسین نے گزشتہ رات ٹی وی اردن پر عوام سے خطاب کے دوران ایک دستاویز کا انکشاف کیا:۔

"آپ ﷺ نے شاہ کو اسلام لانے اور خدا پر ایمان لانے کو کہا تھا۔ شاہ حسین نے کہا کہ یہ نامہ مبارک جو ہرن کی کھال پر سیاہی سے تحریر کیا گیا ہے۔ ان کے دادا اور سلطنت اردن کے بانی شاہ عبداللہ مرحوم کو ملا تھا۔ شاہ حسین نے مزید کہا کہ برٹش میوزیم نے اس بات کی توثیق کی ہے کہ یہ دستاویز حضرت محمد ﷺ کے دور میں تحریر کی گئی ہے اور یہ اہلِ بیت کے پاس محفوظ تھی(۵۲)"۔

سرورِ کائنات ﷺ کا نادرِ روزگار خط محفوظ ہے

تاریخی حوالوں کے مطابق رسول اکرم ﷺ کا یہ خط اردن کے ہاشمی سلطنت کے بانی اور موجودہ تاجدار شاہ حسین کے دادا شاہ عبداللہ کی ملکیت ہے۔ شاہ عبداللہ نے اپنی آخری بیوی ملکہ نجدہ کو مہر کے طور پر دیا تھا۔ ملکہ نجدہ تین سال قبل عمان سے ترک وطن کرکے لندن چلی گئی تھیں اور یہ خط سوئٹزر لینڈ کے ایک بنک میں محفوظ کردیا گیا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے یہ آٹھ سطری خط روم (بازنطینی دور) کے شہنشاہ کے نام ۶۱۰ء سے ۶۱۴ء کے درمیان لکھا جس میں ہرقل اعظم کو مشرف بہ اسلام ہونے کی دعوت دی گئی تھی[۵۳]۔ اس زمانے میں ہرقل کی حکومت کا صدر مقام قسطنطنیہ (موجودہ استنبول) تھا۔ ملکہ نجدہ شاہ عبداللہ کے حرم میں باندی کی حیثیت سے داخل ہوئی تھیں۔ بعد میں شاہ عبداللہ نے اس سے شادی کرلی تھی۔ یہ خط تاریخ کے مختلف ادوار سے گزرتا ہوا ملکہ نجدہ کے ہاتھوں میں پہنچا۔

رسولِ اکرم ﷺ کے وصال کے بعد یہ خط کچھ عرصہ تک بنو ہاشم کے پاس رہا۔ ان کے بعد یہ خط بنو امیہ کے عبدالرحمٰن الداخل کے پاس پہنچا۔ جس نے اندلس (ہسپانیہ) میں اسلامی حکومت قائم کی تھی۔ یہ خط تقریباً نوسو سال تک اندلس میں رہا۔ اندلس میں عربوں کے زوال اور وہاں سے ان کے اخراج کے بعد یہ خط دوبارہ مکہ معظمہ پہنچا اور بنو ہاشم کی اولاد کی ملکیت میں رہا۔ اس خط کے متعلق سائنسی تجزیہ اور علمی تحقیق کرنے والوں میں برطانیہ کی لیڈز یونیورسٹی کے پروفیسر اور مصر کے ممتاز دانشور ڈاکٹر عزالدین ابراہیم شامل ہیں، جو ابوظہبی کے سلطان کے ثقافتی ورثہ کے امور کے مشیر بھی ہیں اور آپ ہی نے اس خط کی تحریر کا زمانہ متعین کیا ہے۔ اس خط کے اصل ہونے کی تصدیق برٹش میوزیم کے ماہرین نے کی ہے۔

یہ خط خود رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک سے لکھا ہوا نہیں، بلکہ یہ آپ ﷺ نے نقل کروایا تھا۔ تحریر کسی صحابی کی ہے۔ اس پر مہرِ نبوی ﷺ جو چاندی کی انگشتری تھی، ثبت

ہے۔ اس کے اصلی اور قدیم ہونے کی تصدیق اس کھال سے بھی ہوتی ہے، جس پر یہ تحریر کیا گیا ہے۔ ہرقل کے پاس یہ خط اس وقت لکھا گیا تھا، جب ایران کے خلاف ایک جنگی مہم سر کر کے قسطنطنیہ واپس جاتے ہوئے راستے میں کچھ عرصہ کے لیے شام میں قیام کیا تھا(۵۴)۔

رسول اللہ ﷺ کے دو اصلی خطوط

اس خط کے علاوہ رسولِ اکرم ﷺ کے دو اور خطوط آج تک اصلی حالت میں محفوظ ہیں۔ ان میں ایک خط استنبول کے توپ کاپی عجائب گھر میں ایک خوبصورت نقرئی صندوق میں محفوظ ہے۔ حضرت محمد ﷺ کا دوسرا خط لبنان کے ایک شہری کے پاس ہے۔ جس نے لاکھوں ڈالروں کی پیش کش مسترد کر کے ایسی نادر روزگار تحریر کو فروخت کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

سرورِ کائنات حضرت محمد ﷺ کا ایک نادر اور تاریخی خط عنقریب لندن کی ایک فرم سوتھ بینز کی وساطت سے فروخت ہونے والا ہے۔ اس کے لیے سب سے زیادہ بولی ابو ظہبی کے حکمران اور متحدہ عرب امارتوں کے صدر شیخ زید بن سلطان النہیان نے لگائی ہے اور اس یادگار خط کے لیے دس لاکھ ڈالر (ایک کروڑ روپے) کی پیش کش کی ہے۔ ابو ظہبی کے شاہی محل کے میوزیم میں اس خط کی نمائش کے لیے علیحدہ ہال بھی تعمیر کیا گیا ہے۔ اس کی حفاظت کے لیے خصوصی انتظامات بھی کیے گئے ہیں۔ شیخ زید بن سلطان النہیان کی ہدایت پر اس خط کی صحت کے متعلق تحقیقات اور مطالعہ کرنے کے لیے عرب اور برطانوی فضلاء کا ایک بورڈ بھی بنایا گیا تھا۔ اس بورڈ نے اس خط کے طرزِ تحریر، اس کے لیے استعمال ہونے والی خشک کھال اور روشنائی کے متعلق بھی طویل عرصے تک مطالعہ اور تحقیق کی۔ (حضور ﷺ کے زمانے میں اونٹ یا ہرن کی خشک کھال کاغذ کی بجائے لکھنے کے لیے استعمال کی جاتی تھی)۔

بسم الله الرحمن الرحيم

من محمد رسول الله الى النجا

شي عظيم الحبشة سلام على من

اتبع الهدى اما بعد فاني احمد اليك

الله الذي لا اله الا هو الملك

القدوس السلام المؤمن المهيمن

واشهد ان عيسى بن مريم روح

الله وكلمته القاها الى مريم البتو

ل الطيبة الحصينة فحملت بعيسى من ر

وحه ونفخه كما خلق ادم بيده و

اني ادعوك الى الله وحده

لا شريك له والموالاة على طاعته وان

تتبعني وتوقن بالذي جاءني فاني ر

سول الله واني ادعوك

وجنودك الى الله عز وجل

وقد بلغت ونصحت فاقبلوا نصيحتي

والسلام على من اتبع الهدى

اصحمہ نجاشی شاہ حبشہ کے نام

۲۔ نجاشی شاہِ حبش کے نام خط

افریقہ کے ملک حبش (ابی سینیا) کا بادشاہ عیسائی تھا اور عیسائیوں کے نسطوری فرقے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا نام اصحم بن ابجر تھا اور لقب نجاشی۔

یہ لقب بالکل اسی طرح تھا جیسے روم کے ہر بادشاہ کو قیصر اور ایران کے ہر فرماں روا کو کسریٰ کہتے تھے(۵۵)۔ یہ بادشاہ نہایت نیک دل، فیاض، بلند حوصلہ اور عقلمند تھا۔ مکی زندگی میں مسلمانوں نے دو مرتبہ اس کے ملک میں ہجرت کی تھی۔ اور اب تک مسلمان وہاں بڑے امن و سکون کے ساتھ زندگی گزار رہے تھے۔ نجاشی نے نہایت فراخ دلی کے ساتھ مسلمانوں کو اپنے ملک میں رہنے کی اجازت تو دے دی تھی اور ان کے ساتھ نہایت ہی احسان و مروت سے پیش آیا تھا۔ مگر خود مسلمان نہیں ہوا تھا۔ ۷ ھ میں رسول اللہ ﷺ نے جب دوسرے بادشاہوں کو خطوط لکھے تو اس کا نام سرفہرست تھا۔

رسول اللہ ﷺ کے دو خط بنام نجاشی

رسول اللہ ﷺ نے نجاشی کو دو فرمان تحریر فرمائے تھے۔ ایک میں اسے دعوتِ اسلام دی تھی اور قرآن کی آیات تحریر فرمائی تھیں۔ نجاشی نے رسول اللہ ﷺ کا فرمان لے لیا۔ آنکھوں سے لگایا اور ادب و احترام کی خاطر اپنے تخت سے نیچے اتر آیا۔ اسلام قبول کیا۔ کلمہ شہادت پڑھا اور کہا کہ اگر مجھے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضری کی گنجائش ہوتی تو ضرور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ اس نے حضور کو اپنی فرماں برداری، تصدیق اور اللہ رب العالمین کے لیے جعفرؓ بن ابی طالب کے ہاتھوں پر اسلام لانا لکھ دیا(۵۶)۔

پہلا خط بنام نجاشی شاہِ حبشہ کا مضمون

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من محمد رسول اللہ الی النجاشی الاصحم ملک الحبشۃ. سلم انت فانی

احمد الیک اللّٰہ (الذی لاالہ الاھو) الملک، القدّوس، السّلام، المؤمن، المھیمن، واشھد ان عیسیٰ بن مریم روح اللّٰہ وکلمتہ، القاھاالیٰ مریم البتول الطیبۃ الحصینۃ فحملت بعیسیٰ، فخلقہ اللّٰہ من روحہ و نفخہ، کماخلق آدم بیدہ ونفخہ.

وانی ادعوک الیٰ اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ، والموالاۃ علی طاعتہ و ان تتبعنی، وتؤمن بالذی جاءنی، فانی رسول اللّٰہ، فانی ادعوک و جنودک الیٰ اللّٰہ، قد بلغت ونصحت، فاقبلوا نصیحتی والسلام علیٰ من اتّبع الھدیٰ"(۵۷).

(خدا کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

یہ خط اللہ کے رسول محمد ﷺ کی طرف سے نجاشی اصحم بادشاہ حبش کے نام ہے۔ تجھے سلامتی ہو۔ میں پہلے اللہ کی تعریف کرتا ہوں۔ وہ اللہ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ حقیقی بادشاہی اسی کو سزاوار ہے، جو تمام خوبیوں کا جامع اور تمام نقائص سے پاک ہے، وہ امن دینے والا نگہبان ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم اللہ کی مخلوق اور اس کا حکم ہیں، جو مریم بتول طیبہ عفیفہ کی جانب بھیجا گیا اور انہیں عیسیٰ کا اس سے حمل ٹھہر گیا۔ خدا نے عیسیٰ کو روح اور نفخ سے اس طرح پیدا کیا جیسا کہ آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ اور نفخ سے پیدا کیا تھا۔ اب میری دعوت یہ ہے کہ تو خدا پر، جو اکیلا اور لاشریک ہے، ایمان لے آ اور ہمیشہ اس کی فرماں برداری میں رہا کر اور میرا اتباع کر اور میری تعلیم کا سچے دل سے اقرار کر۔ کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

میں تم کو اور تمہارے لشکر کو خدا کی طرف بلاتا ہوں۔ دیکھو میں نے اللہ کا حکم پہنچادیا ہے اور تمہیں بخوبی سمجھادیا ہے۔ اب مناسب ہے کہ میری نصیحت مان لو۔ سلام اس پر جو سیدھی راہ چلتا ہے)۔

طبری اور قلقشندی نے اس خط میں حسب ذیل عبارت کا اضافہ کیا ہے:

"وقد بعثت الیک ابن عمی جعفرا، ونفرا معہ من المسلمین فاذا جاءک

فاقرهم، ودع التجبّر"(۵۸). (میں تمہارے پاس اپنے چچیرے بھائی جعفرؓ کو مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ بھیج رہا ہوں۔ تم اسے بہ آرام ٹھہرالینا اور ان کے شایانِ شان سلوک کرنا اور جبر کو روکنا)۔

اس مکتوب میں حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

"میں نے تمہارے پاس اپنے چچیرے بھائی جعفر کو بھیجا ہے۔ جس کے ہمراہ اور مسلمان بھی ہیں۔ جب وہ تیرے پاس آئیں تو ان کی مہمان داری کر"۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہ عبارت محرم ۷ ھ کے مکتوب گرامی کی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ حضرت جعفرؓ اس سے کم و بیش پندرہ سال قبل جا چکے تھے۔ اتنی مدت کے بعد ان کی مہمان داری کے لیے کچھ فرمانے کا کون سا محل تھا۔ نیز حضرت جعفرؓ اور دوسرے مہاجرینِ حبش سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے پاس برابر اطلاعات پہنچتی رہتی ہوں گی۔

پھر حضور ﷺ کے دعوتی خط کا جو عکس شائع ہوا ہے اس میں یہ عبارت موجود نہیں۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ حضرت جعفرؓ ہجرت کر کے حبش گئے ہوں تو نجاشی کے نام مکتوب عنایت فرمایا ہو اور اس میں مندرجہ بالا الفاظ شامل ہوں۔ نجاشی کے جوابی معروضے سے بھی اس امر کی توثیق ہوتی ہے۔

جب حضرت رسول اکرم ﷺ کے قاصد حضرت عمروؓ بن امیہ الضمری حضور ﷺ کا والانامہ لے کر نجاشی کے پاس آئے اور اسے یہ خط دیا: " فاخذ کتاب رسول اللّٰہ فوضعه علٰی عینیه ونزل من سریره فجلس علی الارض تواضعاً ثم اسلم وشهد شهادة الحق". (تو اس نے رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک لے کر آنکھوں سے لگایا اور منہ سے چوما اور خط کے ادب و احترام میں تخت سے زمین پر اتر آیا اور با آواز بلند کہا کہ بے شک میں اس امر کی تصدیق کرتا ہوں کہ محمد ﷺ خدا کے رسول ہیں اور ان پر پورے طور سے ایمان لاتا ہوں)۔

اس اعلان اور تصدیق کے بعد نجاشی نے ہاتھی دانت کی ایک نفیس اور قیمتی ڈبیہ

منگوائی اور اس ڈبیہ میں اس نامہ مبارک کو نہایت احتیاط سے بطور تبرک رکھ کر اسے شاہی خزانے میں بھجوادیا۔ تاکہ وہاں محفوظ رہے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا کہ چونکہ یہ ایک نبی کا خط ہے اس لیے مجھے یقین ہے کہ: "لن تزال الحبشۃ بخیر ما کان ھٰذان الکتابین بین اظھرھا"(۵۹)۔ (جتنا عرصہ یہ خطوط ہمارے درمیان محفوظ رہیں گے، اتنا عرصہ حبشہ کی سرزمین ان کی برکت سے بلاؤں اور مصیبتوں سے امن میں رہے گی اور اہلِ حبشہ برابر اس خط سے خیر اور بھلائی پاتے رہیں گے)۔

یہ معلوم نہ ہوسکا یہ خط کب تک حبشہ کے سرکاری خزانے میں محفوظ رہے اور کب تک اہل حبشہ ان سے برکت پاتے رہے۔

نبی کریم ﷺ کے اس مکتوبِ گرامی کے پہنچنے سے قبل وہاں مسلمان مہاجرین مقیم تھے۔ نجاشی نے مسلمانوں اور اسلام سے اپنی گہری دلچسپی کا اظہار کیا تھا اور وہ اسلام کے عقائد سے آگاہ ہوگیا تھا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کا نامۂ مبارک اسے ملا تو اس نے اس کی بہت تعظیم کی۔ پھر اسلام اور آپ ﷺ سے اپنی عقیدت کا اس قدر اظہار کیا کہ اس سے نتیجہ اخذ کیا گیا کہ نجاشی نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ بہرحال حضور ﷺ کے اس غیر معمولی نوعیت کے نامۂ مبارک کا خوب چرچا ہوا اور اس سے اسلامی مشن کو حبشہ کے عوام سے روشناس کرانے میں بڑی مدد ملی۔ نجاشی نے حضور ﷺ کی خدمت میں خطوط بھی بھیجے تھے، جو محفوظ ہیں:

نبی کریم ﷺ کی خدمت میں نجاشی کا جواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الیٰ محمد رسول اللہ من النجاشی الاصحم بن ابجر سلام علیک یانبی اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، من اللہ الذی لاالہ الا ھوالذی ھدانی الیٰ الاسلام امابعد،

فقد بلغنی کتابک یارسول اللہ فیماذکرت من امر عیسیٰ. فورب السماء

والارض ان عیسیٰ مایزید علی ماذکرت ثغروقاانه کماقلت وقد عرفنا مابعثت به الینا وقد قرینا ابن عمک واصحابه. فاشهد بانک رسول الله صادقامصدقا. وقد بایعتک و بایعت ابن عمک و اصحابه واسلمت علی یدیه لله رب العالمین وقد بعثت الیک بابنی ارها بن الاصحم بن ابجر. فانی لااملک الانفسی. و ان شئت ان آتیک فعلت یارسول الله. فانی اشهد ان ماتقول حق. والسلام علیک یا رسول الله[٦٠].

(اللہ کے نام سے جو بڑی رحمت اور ہمیشہ رحم والا ہے۔

محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نجاشی اصحمہ بن ابجر کی طرف سے۔ اے اللہ کے نبی ﷺ آپ پر اللہ کی سلامتی، رحمت اور برکتیں ہوں، اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جس نے مجھے اسلام کی ہدایت فرمائی ہے۔ اب عرض یہ ہے کہ حضور ﷺ کا فرمان میرے پاس پہنچا۔ عیسٰے کے متعلق جو کچھ آپ ﷺ نے تحریر فرمایا ہے، زمین و آسمان کے پروردگار کی قسم وہ اس سے ذرہ برابر بھی زیادہ نہیں۔ ان کی حیثیت اتنی ہی ہے جتنی آپ ﷺ نے تحریر فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے ہماری جانب جو کچھ ارسال فرمایا۔ ہم نے اسے اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔ آپ کا چچا زاد بھائی اور اس کے ساتھی ہمارے پاس آرام سے ہیں۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور راست بازوں کی سچائی ظاہر کرنے والے ہیں۔ میں آپ ﷺ کی فرمانبرداری کا اقرار کرتا ہوں۔ میں نے آپ ﷺ کے چچیرے بھائی کے ہاتھ پر حضور ﷺ کی بیعت اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا اقرار کرلیا ہے۔ میں آپ کی خدمت میں اپنے فرزند اربا بن اصحم بن ابجر کو روانہ کر رہا ہوں۔ میں تو اپنے ہی نفس کا مالک ہوں اور دوسرے کی ذمہ داری لینے سے قاصر ہوں۔ اگر حضور ﷺ کا منشا یہ ہو گا کہ میں حاضر خدمت ہوجاؤں تو ضرور حاضر ہوجاؤں گا کیونکہ میں یقین کرتا ہوں کہ حضور ﷺ جو فرماتے ہیں وہی حق ہے۔ اے خدا کے رسول ﷺ آپ پر سلام)۔

نجاشی شاہِ حبش کے نام دوسرا مکتوبِ نبوی ﷺ

حضور نبی کریم ﷺ کے دوسرے خط کے متعلق طبقات ابنِ سعد میں حسبِ ذیل صراحت موجود ہے:-

"دوسرے مکتوب گرامی میں حضور ﷺ نے نجاشی کو حکم فرمایا تھا کہ میرا نکاح امِ حبیبہؓ بنتِ ابی سفیان بن حرب سے کردے۔ جنہوں نے اپنے شوہر عبیداللہ بن جحش الاسدی کے ہمراہ ملکِ حبشہ کو ہجرت کی تھی۔ وہاں پہنچ کر عبیداللہ بن جحش نصرانی ہوگیا اور مر گیا۔

حضرت امِ حبیبہؓ اسلام پر قائم رہیں، لیکن انتہائی پریشانی کے عالم میں تھیں۔ حضور ﷺ نے ان کی دلدہی کی خاطر انہیں پیغامِ نکاح بھجوادیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے نجاشی کو یہ حکم بھی دیا تھا کہ جو اصحاب وہاں ہیں، انہیں سوار کرکے میرے پاس بھیج دیں"۔

یہ دونوں خط بارگاہِ رسالت ﷺ کے سفیر حضرت عمروؓ بن امیہ الضمری شاہِ حبش کے پاس لے کر گئے[۶۱]۔ ہوسکتا ہے یہ دونوں خط یکے بعد دیگرے لے گئے ہوں یا دونوں خط ایک ساتھ ہی لے گئے ہوں۔ اور جس طرح رسول اللہ ﷺ کے دونوں خطوں کا مضمون الگ الگ تھا، دونوں کا جواب بھی نجاشی نے الگ الگ دیا۔ دعوتِ اسلام کے جواب میں جو خط نجاشی نے خدمتِ اقدس میں لکھا اس میں عقد اور مہاجرین کے بھیجنے کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

نجاشی نے خالد بن سعید بن العاص کو مقرر کیا۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی طرف سے ایجاب و قبول ادا کیا۔ نجاشی نے ہی حضور ﷺ کی طرف سے چار سو اشرفیاں مہر ادا کیا[۶۲]۔

نکاح کے بعد حضرت امِ حبیبہؓ اور دوسرے مسلمانوں کو نجاشی نے مع سازوسامان

عمرو بن امیہ الضمری کے ہمراہ دو کشتیوں میں سوار کرادیا[۶۳]۔ اور حسب ذیل مکتوب حضور ﷺ کی خدمت میں ارسال کیا:

• بسم اللہ الرحمن الرحیم

الیٰ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) من النجاشی اصحم، سلام علیک یا رسول اللہ من اللہ ورحمتہ و برکاتہ، اما بعد: فانی قد زوجتک امرأۃ من قومک و علیٰ دینک وھی السیدۃ امّ حبیبہ بنت ابی سفیان واھدیتک ھدیۃ جامعۃ قمیصاً و سراویل وعطافاً وخفین ساذجین. والسلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ[۶۴].

(اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے بخدمت جناب محمد نبی ﷺ منجانب نجاشی اصحم۔ اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ پر اللہ کی طرف سے سلامتی، اس کی رحمت اور اس کی برکات ہوں، بعد ازیں میں نے آپ ﷺ کے خاندان اور آپ ﷺ کے دین پر قائم مسلمان سیدہ بی بی امّ حبیبہؓ بنت ابی سفیان کا آپ ﷺ سے نکاح کردیا ہے اور آپ ﷺ کی خدمت میں ایک قمیص، ایک پاجامہ، ایک چادر اور چمڑے کے موزوں کی جوڑی کا نذرانہ پیش کر رہا ہوں۔ والسلام علیک ورحمتہ اللہ وبرکاتہ).

سیدہ امِ حبیبہؓ مدینہ کی بندرگاہ میں اتریں۔ حضور ﷺ اس وقت خیبر میں تشریف رکھتے تھے۔ آپ ﷺ اکثر نجاشی کے حالات حضرت سیدہ امِ حبیبہؓ سے پوچھا کرتے تھے۔

ابن اسحاقؒ نے روایت کی ہے کہ نجاشی نے اپنے بیٹے کو ۶۰ مصاحبوں کے ساتھ بارگاہ رسالت میں عرض نیاز کے لیے بھیجا، لیکن جہاز سمندر میں ڈوب گیا اور یہ سفارت ہلاک ہوگئی[۶۵]۔

حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں: "لما قدم جعفرؓ بن ابی طالب من ارض الحبشۃ تلقاہ رسول اللہ. فلمانظر جعفرؓ الیہ حجل (قال مکی یعنی مشی علی رجل واحدۃ اعظاماللرسول اللہ) فقبل رسول اللہ بین عینیہ"[۶۶]. (جب حضرت جعفرؓ بن ابی

طالب حبشہ کی سر زمین سے واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ ان سے ملنے کے لیے نکلے۔ حضرت جعفرؓ نے جب حضور ﷺ کو دیکھا تو رسول اللہ ﷺ کی عظمت و اکرام کی وجہ سے ایک پاؤں پر چلنے لگے۔ نبی کریم ﷺ نے ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان انہیں بوسہ دیا)۔

آج بھی حبشی لوگ اپنے اکابرین کے احترام میں پنجوں کے بل زمین پر بیٹھ جاتے ہیں۔ تاوقتیکہ وہ ان سے مصافحہ کے لیے ہاتھ نہ بڑھائے۔

نبی کریم ﷺ اس دن بہت زیادہ خوش تھے اور وفور جذبات سے فرماتے تھے کہ:
''معلوم نہیں آج مجھے خوشی جعفرؓ کے آنے کی ہے یا خیبر کی فتح کی''[٦٧]۔

خطوط کے اثرات و نتائج

اگر ناظرین نجاشی کو لکھے گئے خط میں اور ان خطوط میں، جو قیصر و کسریٰ کو لکھے گئے، غور فرمائیں گے تو آپ کو ان میں ایک ہی فرق نظر آئے گا۔ قیصر و کسریٰ کو خطوط نہایت خودداری اور آزادی کے ساتھ لکھے گئے ہیں، ان میں نہایت بے پرواہی کے ساتھ دنیا کے ان سب سے بڑے دو شہنشاہوں کو صرف عظیم الرّوم اور عظیم فارس کے نام سے مخاطب کیا گیا ہے اور ان کو ہدایت قبول نہ کرنے کی صورت میں خدائی گرفت اور عذاب الٰہی سے ڈرایا گیا ہے۔ مگر نجاشی کے نام دونوں خطوط میں بہت نرمی اور محبت کا اظہار ہے اور تہدید و دھمکی کی کوئی بات اس میں نہیں۔ پھر نجاشی کو ملک الحبشہ (شاہ حبش) لکھا ہے اگرچہ قیصر و کسریٰ کی شان و شوکت و طاقت کے سامنے حبش کے بادشاہ کی کوئی حقیقت ہی نہیں تھی، پھر قیصر و کسریٰ کو خطوط بھیجتے وقت آپ کو یہ امید نہ تھی کہ یہ طاقت و حکومت کے نشہ میں سرتاپا سرشار فرمانروا میری توحید کی دعوت کو قبول کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مگر نجاشی کی طبعی شرافت اور نیکی کے باعث نبی کریم ﷺ کا دل اس یقین سے پر تھا کہ وہ ضرور میری

دعوت و تبلیغ پر توجہ دے گا اور ایمان لے آئے گا۔ اور حضورؐ کی توقع کے مطابق ایسا ہی عمل میں آیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی روح پہلے ہی سے صداقت اور سچائی کو قبول کرنے کے لیے بالکل تیار تھی۔ اور قبول حق کے لیے صرف ذرا سے اشارے کی دیر تھی۔ یہ اشارہ اسے حضور ﷺ کے خط کی شکل میں ہوا اور وہ فوراً اللّٰھم لبیک کہتا ہوا اس پیغام پر ایمان لے آیا جو نبیکریم ﷺ نے اسے پہنچایا۔

اس نیک دل، نیک نفس اور سچے مومن بادشاہ کا انتقال ۹ھ بمطابق ۶۳۰ء میں ہوا جب مدینہ میں اس کے انتقال کی خبر آئی تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کے ساتھ اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی اور اس کی مغفرت کی دعا مانگی۔

جیسا کہ حضرت جابرؓ کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"لمامات النجاشی قال قدمات الیوم عبد صالح یقال لہ اصحمہ فقوموا فصلوا".

(جب نجاشی فوت ہوا تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ آج ایک مرد صلح کا انتقال ہو گیا ہے جسے اصحمہ کہتے ہیں۔ اٹھو اور اس کی نماز جنازہ پڑھو)۔

دار قطنی میں حضرت انسؓ سے یہ الفاظ مروی ہیں: "قوموا فصلوا علی اخیکم النجاشی"[۶۸]. (اٹھو اور اپنے بھائی کی نماز جنازہ پڑھو)۔

جذبۂ تشکّر و امتنان

اصحمہ کے بعد جو بادشاہ حبش کے تخت پر بیٹھا، اسے بھی حضور ﷺ نے ایک تبلیغی خط بھیجا تھا۔ مگر اس نے آپ ﷺ کی دعوت کو قبول نہیں کیا اور مسیحی مذہب پر ہی فوت ہوا اس لیے اسلام حبشہ میں نہ پھیلا[۶۹]۔

حبشہ میں اشاعت اسلام اس خاص وجہ سے بھی نہیں ہوئی کہ اس اولین احسان کی وجہ سے جو ابتدائی صحابہ کو اپنے ہاں پناہ دے کر نجاشی شاہ حبشہ نے اسلام پر کیا تھا۔ مسلمانوں

نے چودہ سو برس میں ایک مرتبہ بھی حبشہ پر قبضہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اور اس کو کامل طور سے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ اگرچہ اس دوران میں مسلمانوں نے شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک کے ممالک پر قابو پالیا لیکن اسی احسان کے بدلے میں سلطنتِ حبش کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔

مسند احمد بن حنبل میں ہے: "شاہ حبش، نجاشی نے اسلام قبول کیا تو اس کی ریاست کو اسلامی ریاست میں مدغم نہیں کیا گیا، بلکہ آپ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ حبشہ پر حملہ نہ کیا جائے جب تک کہ اہلِ حبشہ خود جارح اقدام نہ کریں[۷۰]"۔

جو لوگ اسلام پر بزور شمشیر پھیلنے کا الزام لگاتے ہیں، ان کے لیے حبش کی تاریخ بڑی سبق آموز ہے۔ تاریخ کی شہادت ہے کہ اصحمہ نجاشی کے بعد اس کے جانشین نے بھی اسلام قبول نہیں کیا مگر اس کے باوجود آج بھی ڈیڑھ کروڑ کی آبادی میں پینتالیس لاکھ مسلمان موجود ہیں، یعنی کل آبادی کا ۳۰ فیصد۔ یہی نہیں بلکہ حبش کی تہذیب و تمدن میں بھی اسلامی رنگ کی جھلک دکھائی دیتی ہے[۷۱]۔

اگر ان لوگوں نے اسلام کی صداقت سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا ہے تو یقیناً دوسرے لوگوں نے بھی اس سے اثر لیا ہوگا۔ اس میں شبہ نہیں کہ نصف صدی کی قلیل مدت میں آدھی دنیا مسلمانوں کے زیرِ نگین ہو گئی۔ روم و ایران جو اس زمانے میں دو سب سے بڑی طاقتیں تھیں، ان کو مسلمانوں کے لیے جگہ خالی کر دینی پڑی۔ مگر ان زبردست فتوحات کے باوجود حبش کے ملک کو جو عرب کے بالکل پہلو میں واقع ہے، مسلمانوں نے کبھی نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا، وہاں آج تک عیسائی حکومت قائم ہے۔ دنیا کی تاریخ میں احسان شناسی اور شکر گزاری کی یہ شاندار مثال ہے۔

اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اسلام نے صرف انہی طاقتوں سے جنگ کی ہے جو اپنی طاقت کے نشے میں ایک طرف تو اسلام کو ختم کر دینے کے درپے ہوئیں اور

دوسری طرف انہوں نے دنیا کے امن کو خطرے میں ڈال دیا۔ تاریخ میں مسلمانوں کی کسی ایسی جنگ کا پتہ نہیں چلتا جو محض فتح حاصل کرنے کے بعد وہاں کے باشندوں کو زبردستی مسلمان بنانے کے لیے لڑی گئی ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد اس بارے میں تو بالکل صاف صاف موجود ہے: لااکراہ فی الدین[42]. (دین میں کسی پر کوئی زبردستی نہیں)۔

اصل مکتوبِ نبوی ﷺ بنام نجاشی کی نئی دستیابی

عصرِ حاضر میں تاریخ اور سیرت کے محقق اور پاکستان کے عظیم سکالر جناب ڈاکٹر حمید اللہ جوان دونوں مکتوباتِ نبوی ﷺ پر مستشرقین کے اٹھائے گئے اعتراضات کے جواب پوری شرح و بسط کے ساتھ دے رہے ہیں۔ انہوں نے چشم دید واقعات بیان کیے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ نجاشی شاہِ حبش کے نام حضور نبی کریم ﷺ نے جو خط سنہ ۷ ھ میں ارسال کیا تھا، وہ دستیاب ہو گیا ہے۔ جسے متعدد اخبارات نے شائع کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

"مجلّہ عثمانیہ جلد (۹) شمارہ (۳-۴) سنہ ۱۳۵۵ھ / سنہ ۱۹۲۶ء میں مضمون "مکتوباتِ نبوی ﷺ کے دو اصول" کے آخر میں ایک اخباری اطلاع کا ذکر کیا گیا تھا کہ موجودہ نجاشی حبشہ نے مکتوبِ نبوی ﷺ کی جو اپنے زمانے کے نجاشی کے نام آیا تھا، لوگوں کو زیارت کرائی۔ مگر کوئی تفصیلی اطلاع نہیں ملی تھی۔ اس کے بعد سے بڑے بڑے انقلابات رونما ہوئے۔ نجاشی کو لندن میں جا کر پناہ گزین ہونا پڑا اور حبشہ پر اطالوی قبضہ ہو گیا۔ پھر موجودہ جنگ چھڑی۔ اب خوش قسمتی سے اس اہم مبارک دستاویز کے متعلق کچھ معلومات حاصل ہوئی ہیں جو باعثِ دلچسپی ہیں"۔

ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں کہ ۱۱ مئی سنہ ۱۹۳۹ء کو جب میں نے آکسفورڈ میں عربی کتباتِ مدینہ پر ایک لیکچر دیا اور ان کتبات کے خط کا مقابلہ سابق میں دستیاب شدہ مکتوبِ نبوی ﷺ سے کیا تو پروفیسر مارگولیوث نے جلسے میں بیان کیا تھا کہ ایک مکتوبِ نبوی ﷺ

مقوقس مصر کے نام

جو نجاشی حبشہ کے نام بھیجا گیا تھا، دستیاب ہوگیا ہے۔ اور اسکاٹ لینڈ کے ایک شخص کے پاس ہے۔ جلسے کے بعد میں نے پروفیسر مارگولیوث کے توسط سے اس شخص کو ایک خط بھیجا۔ کئی ماہ بعد مجھے اس کا جواب حیدر آباد میں ملا۔ خط نویسندہ مسٹر ڈنلوپ کا قیام ان دنوں شام میں تھا۔ جواب میں مکتوب مبارک کی ایک نقل جو ہاتھ سے کی گئی تھی، منسلک تھی اور وعدہ تھا کہ اسکاٹ لینڈ واپسی پر مجھے فوٹو بھی بھیجا جائے گا۔ نیز یہ کہ اس پر ایک مضمون جلد لندن کے رسالہ "جے آر۔ اے۔ ایس" میں بھی چھپے گا۔ اتنے میں جنگ شروع ہوگئی اور میں حیدر آباد میں مصروف ہوگیا اور یہ مضمون جنوری سنہ ۱۹۴۰ء میں اس رسالہ میں ص ۵۴-۶۰ پر چھپا اور کافی دنوں بعد ہندوستان پہنچا اور مکتوبِ گرامی کے فوٹو کا بلاک بھی وہیں شائع ہوا۔ اس مضمون کا خلاصہ یہ ہے[۷۳]:-

"یہ خط ایک جھلی پر لکھا ہوا ہے جو ساڑھے تیرہ انچ لمبی اور نو انچ چوڑی ہے۔ اس میں حروف کی شکل گول اور جلی ہے اس لیے آسانی سے پڑھے جاسکتے ہیں۔ یہ بھورے رنگ کی سیاہی سے لکھا ہوا ہے۔ اور خط کی سترہ سطریں ہیں۔ آخر میں ایک انچ قطر کی گول مہر کا نشان ہے۔ جو فوٹو میں صاف نہیں ہے"۔ اس مقالہ میں مکتوبِ گرامی کی ایک نقل بھی پیش ہے"۔

۳۔ رسول اللہ ﷺ کا خط بنام مقوقس حاکم مصر

برِّ اعظم افریقہ کے شمال میں مصر کا ملک تاریخ کے ابتدائی زمانے سے تہذیب و تمدن اور خاص سیاسی عظمت کا مالک رہا ہے۔ جہاں کے بادشاہوں کا لقب فرعون تھا۔ بعثتِ نبوی ﷺ کے وقت مصر میں دو قومیں آباد تھیں، ایک قبطی جو مصر کے اصل باشندے تھے۔ دوسرے رومی (بازنطینی) جنہوں نے مصر کو اپنی نو آبادی بنا رکھا تھا۔ رومی حاکم مصری عوام کو اپنی ملکیت سمجھتے تھے۔ اور ان کے جارحانہ اثر سے قبطیوں نے عیسائی

مذہب اختیار کرلیا تھا۔ مقوقس کا اصلی نام "جریج بن میناء" تھا۔ اور مقوقس لقب تھا۔ اور ہرقل کی جانب سے مصر کا نائب السلطنت تھا۔ اس نے بھی مسیحی دین اختیار کرلیا تھا اور عیسائی مذہب کا بہت بڑا عالم تھا۔ اس کا دارالسلطنت مصر کا مشہور شہر "اسکندریہ" تھا[۷۴]۔

رسول اللہ کریم ﷺ نے سنہ ۷ ھ میں جب شاہانِ عجم کو عالمی دعوت کے سلسلے میں نامۂ مبارک لکھا تو مقوقس کے نام بھی لکھا اور ارشاد فرمایا کہ:۔

"لوگو! تم میں سے کون سا شخص حاکم مصر کے پاس میرا مکتوب لے کر جائے گا، اس کا اجر اللہ کی طرف سے اس کو ملے گا۔ حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ الحمی نے آگے بڑھ کر عرض کی۔ کہ اس خدمت کے لیے یا رسول اللہ ﷺ میں حاضر ہوں۔ حضور ﷺ نے ان کو دعا دی کہ حاطب! اللہ کی برکت تمہارے شامل حال ہو[۷۵]"۔

بارگاہِ رسالت سے مصر کی سفارت کے لیے حاطب بن ابی بلتعہ مامور ہوئے۔ وہ مہر شدہ مکتوب گرامی لے کر مسافت طے کرتے ہوئے مصر پہنچے۔ مقوقس اسکندریہ گیا ہوا تھا۔ وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ مقوقس اپنے خصوصی ارکان کے ساتھ دریائے نیل میں کشتی پر سوار ہو کر سیر و تفریح کر رہا ہے۔ حضرت حاطبؓ بھی ایک کشتی پر بیٹھ گئے۔ جب آمنا سامنا ہوا، تو انہوں نے خط دکھلایا۔ مقوقس نے حکم دیا کہ میرے پاس لایا جائے۔ حضرت حاطبؓ نے حاضر ہو کر خط پیش کیا۔ اس نے توقیر اور عظمت کے ساتھ آپ ﷺ کے والانامہ کو لیا اور پڑھا۔ خط کا مضمون یہ تھا[۷۶]۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم.

من محمد رسول اللہ الیٰ المقوقس عظیم القبط! سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ.

امابعد: فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام. اسلم تسلم یوتک اللہ اجرک مرتین. فان تولیت فعلیک اثم القبط. یااھل الکتاب تعالوا الیٰ کلمۃ سواء بیننا و بینکم الاّ

نعبد الااللہ ولانشرک بہ شیئا و لایتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بِاَنّا مسلمون(۷۷)".

(شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

یہ خط اللہ کے بندے اور اس کے رسول ﷺ کی جانب سے مقوقس حاکم مصر کے نام ہے۔ اس پر سلامتی ہو جس نے راہِ راست اختیار کی۔ بعد ازاں میں آپ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ پس اگر سلامتی منظور ہے تو اسلام قبول کر لیجئے۔ اگر آپ نے اسلام قبول کرلیا تو اللہ تعالیٰ آپ کو دوہرا اجر عطا فرمائے گا اور اگر آپ نے انکار کیا تو ساری قوم کی گمراہی کی ذمہ داری بھی آپ ہی کے اوپر ہوگی۔

اے اہل کتاب! اختلاف و نزاع کی ساری باتیں نظر انداز کر کے ایک ایسی بات پر متفق ہوجاؤ۔ جو ہمارے اور تمہارے درمیان میں یکساں طور پر مسلم ہے۔ وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں اور نہ کسی کو اس کا شریک ٹھہرائیں اور نہ ہم اللہ کے سوا کسی دوسرے کو اپنا رب بنائیں۔

اگر آپ کو اس بات سے انکار ہے تو آپ کو معلوم رہنا چاہیئے کہ ہم بہر حال خدا کی یکتائی کا عقیدہ رکھتے ہیں")۔

مقوقس نے خط کو سن کر حکم دیا کہ اس کو ہاتھی دانت کی ڈبیہ میں سر بمہر کر کے خزانہ میں محفوظ کردو۔

حضرت حاطبؓ کا بیان ہے کہ مقوقس نے مجھ سے کہا کہ "اگر وہ واقعی سچے نبی اور رسول ﷺ ہیں تو جس وقت ان کی قوم نے ان کو مکہ سے نکالا تو اس وقت ان کے حق میں بد دعا کیوں نہ کی کہ وہ ہلاک ہوجاتے(۷۸)"۔

المواہب اللدنیۃ میں ہے کہ مقوقس نے کہا:

"ان کان نبیاان یدعو فیسلط علی(۷۹)". (اگر محمد ﷺ خدا کے رسول ہیں تو انہیں

چاہیئے تھا کہ خط کے ذریعے مجھے تبلیغ کرنے کی بجائے میرے خلاف اپنے خدا سے دعا کی ہوتی کہ خدا مجھے مقوقس پر غلبہ دے دے)۔

حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ نے نہایت حاضر جوابی کے ساتھ الزامی طور پر فرمایا۔ اگر آپ کا یہ اعتراض درست ہے تو پھر حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے اس وقت اپنے دشمنوں کے حق میں بد دعا کیوں نہ کی کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کردے جس وقت انہوں نے ان کو سولی دینے کا ارادہ کیا تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھالیا۔ مقوقس نے کہا، ''بہت خوب! تم خود بھی دانا ہو اور جس کے پاس سے آئے ہو، وہ بھی دانا ہے[۸۰]''۔

سفیرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حاطبؓ کی تقریر

اس حکیمانہ جواب کو سن کر مقوقس خاموش ہو گیا۔ حضرت حاطبؓ نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور برجستہ تقریر کی:۔

''آپ کو معلوم ہے کہ ایک شخص اس شہر مصر میں پہلے گزرا ہے۔ جو اپنے آپ کو ''ربِّ اعلےٰ'' (بڑا خدا) سمجھتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو دنیا اور آخرت کے عذاب میں مبتلا کردیا۔ اور تباہ و برباد کردیا۔ تم کو چاہیئے کہ اس سے عبرت حاصل کرو۔ ایسا نہ ہو کہ لوگ تم سے عبرت پکڑیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو قریش نے ان سے سخت برتاؤ کیا۔ اور یہود ان کے سب سے بڑے دشمن ہوگئے۔ اور اہلِ کتاب میں ''نصاریٰ'' سب سے زیادہ قریب ہوگئے۔

میں سمجھتا ہوں کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ہے۔ قرآن کی طرف آپ کو ہماری دعوت اسی طرح ہے جس طرح تم اہلِ تورات کو انجیل کی طرف بلاتے ہو۔ جو قوم کسی نبی کو پائے وہ قوم اسی نبی کی امت ہوتی ہے اور اس پر اس کی اطاعت لازم ہوتی ہے۔

اے بادشاہ! تو بھی انہی لوگوں میں سے ہے جنہوں نے محمد ﷺ کی بعثت کازمانہ پایاہے۔

ہم آپ کو مسیحی دین سے روکتے نہیں ہیں بلکہ اس پر عمل در آمد کے لیے کہتے ہیں یعنی حضور ﷺ کے بارے میں انجیل کی بشارت اور توحید کی طرف عمل کے لیے توجہ دلاتے ہیں"۔ مقوقس نے حضرت حاطبؓ کی تقریر سن کرکہا: "میں نے اس نبی کے بارے میں غور کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ پسندیدہ چیزوں کا حکم دیتے ہیں اور ناپسندیدہ چیزوں سے منع کرتے ہیں۔ قابلِ نفرت چیزوں کا حکم نہیں دیتے اور قابلِ رغبت چیزوں سے روکتے نہیں ہیں۔

میں ان کو نہ تو نقصان پہنچانے والا جادوگر سمجھتا ہوں اور نہ ان کو جھوٹا کاہن سمجھتا ہوں میں ان میں نبوت کی علامتیں پاتا ہوں۔ مثلاً ان کا غیب کی خبریں دینا۔ میں اس پر غور کروں گا[۸۱]"۔

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاکمِ مصر مقوقس کا جواب

مقوقس نے نامۂ مبارک کا حسبِ ذیل جواب لکھ کر حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ کے سپرد کیا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم.

لمحمد بن عبداللہ من المقوقس عظیم القبط. سلام علیک. اما بعد، فقد قرأت کتابک وفھمت ماذکرت فیہ و ماتدعوالیہ و قد علمت ان نبیا بقی و کنت اظن ان یخرج من الشام و قد اکرمت رسولک و بعثت الیک بجاریتین لھما مکان فی القبط عظیم و بکسوۃ واھدیت الیک بغلۃ لترکبھا والسّلام علیک[۸۲].

(بسم اللہ الرحمٰن الرحیم.

محمد بن عبداللہ کی خدمت میں قبطیوں کے بادشاہ مقوقس کی طرف سے، آپ پر

سلامتی ہو۔ میں نے آپ کا خط پڑھا اور جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا ہے۔ اس کے مفہوم کو سمجھا اور آپ کی تبلیغ پر غور کیا ہے۔ میں اس امر سے تو واقف تھا کہ عن قریب ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے۔ میرا خیال تھا کہ اس کا ظہور شام میں ہو گا۔ میں نے آپ کے سفیر اور قاصد کو عزت و احترام سے رکھا ہے اور اس کے ہاتھ آپ ﷺ کی خدمت میں دو لڑکیاں روانہ کر رہا ہوں۔ ہمارے ہاں یہ لڑکیاں نہایت معزز خاندان سے تعلق رکھتی ہیں اور آپ ﷺ کے لیے کپڑے بھیج رہا ہوں اور ایک خچر آپ ﷺ کی سواری کے لیے ہدیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ پر سلامتی نازل فرمائے)۔

رسول اللہ ﷺ کے سفیر حاطبؓ کی خاطر و مدارات

مقوقس نے حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ کو بہت عزت و احترام کے ساتھ مہمان بنا کر رکھا۔ ان کا کہنا ہے:۔

"کان لی مکرمافی الضیافة وقلة اللبث ببابه مااقمت عنده الاخمسة ایام[۸۳]". (وہ مہمانداری میں میرا اکرام کرتا تھا۔ اور مجھے اس کے دربار میں حاضری کے لیے دروازے پر زیادہ دیر نہیں ٹھہرنا پڑتا تھا۔ میں نے اس کے ہاں صرف پانچ روز قیام کیا)۔

مقوقس نے رسول اللہ ﷺ کے قاصد و سفیر کی بہت عزت افزائی کی اور رخصت کے وقت ان کو سو (۱۰۰) اشرفی اور پانچ کپڑے بھی دیئے تھے۔

خط کے نتائج و اثرات

مقوقس نے رسول اللہ ﷺ کے مکتوبِ گرامی کو پڑھنے کے بعد ہاتھی دانت کے ڈبہ میں بند کر کے مہر لگا دی اور اسے اپنی کنیز کے سپرد کر دیا کہ سرکاری خزانے میں محفوظ رکھا جائے۔

حضور ﷺ کی خدمت میں مقوقس نے دو لڑکیاں بھی بھیجی تھیں۔ ایک کا نام "ماریہ"

اور دوسری کا نام "سیرین" تھا۔ یہ دونوں (ماریہ اور سیرین) راستے ہی میں حضرت حاطبؓ کی تعلیم و تلقین سے مشرف بہ اسلام ہو چکی تھیں۔ حضرت "ماریہ" حرمِ نبوی ﷺ میں داخل ہوئیں اور سرورِ کائنات ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم ان ہی کے بطن سے تولد ہوئے۔ (جن کا انتقال چھوٹی عمر میں ہی ہو گیا) اور "سیرین" ان کی بہن تھیں، جو حضرت حسانؓ کو عطا ہوئیں۔

اس نے رسولِ کریم ﷺ کے لیے بیس کپڑے اور مختلف تحائف بھی بھیجے تھے۔ جن میں عطریات، عمامے، ہزار مثقال سونا، پانی پینے کے شیشے کے پیالے، "قیسر" نامی ایک اور لڑکی، اس کے علاوہ "بریرہ" نامی ایک سیاہ فام لڑکی، ایک سیاہ فام لڑکا جس کا نام "مابور" تھا، ایک گدھا، ایک گھوڑا، کچھ شہد، ایک چوکور ڈبیہ (سنگار بکس) جس میں رسول اللہ ﷺ سرمہ دانی، تیل کی شیشی، کنگھی، قینچی، مسواک وغیرہ رکھا کرتے تھے۔

مقوقس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک طبیب بھی بھیجا تھا۔ لیکن آپ ﷺ نے اس کو یہ سمجھا کر واپس کر دیا کہ ہم لوگ اس وقت تک نہیں کھاتے ہیں جب تک خوب بھوک نہ لگے اور جب بھی کھاتے ہیں تو پیٹ بھر کر نہیں کھاتے (اس لیے تمہاری ضرورت نہیں ہے)۔

محاسنِ رسول ﷺ کی تصدیق کے لیے استفسارات

مقوقس نے حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ سے کہا کہ چند باتیں میں پوچھ نہیں سکا ہوں۔ مجھے یہ بتائیے کہ کیا حضور ﷺ کی آنکھوں میں سرخی رہتی ہے۔ حضرت حاطبؓ نے کہا "ہاں ہمیشہ رہتی ہے" پھر پوچھا کہ ان کے دونوں کندھوں کے درمیان "مہرِ نبوت" ہے؟ وہ گدھے پر سوار ہوتے ہیں؟ وہ عمامہ باندھتے ہیں؟ کھجور اور سوکھی روٹی پر اکتفا کر لیتے ہیں؟ اپنے خاندان والوں سے انہیں جو تکلیف پہنچتی ہے اس کی پرواہ نہیں کرتے ہیں"۔

حضرت حاطبؓ نے کہا کہ یہ تمام باتیں آپ ﷺ میں پائی جاتی ہیں۔ یہ سن کر مقوقس نے کہا کہ میں یقین کرتا تھا کہ ایک نبی کا ظہور ہونا ابھی باقی ہے اور میں خیال کرتا تھا کہ اس کا ظہور شام میں ہوگا۔ جہاں آپ ﷺ سے پہلے نبیوں کا ظہور ہوتا رہا ہے۔ اب میں سمجھا کہ اس کا ظہور عرب جیسی بنجر اور سنگلاخ زمین میں ہوا ہے۔ اس کی پیروی کرنے پر قبطی ہمارے وفادار نہیں رہیں گے۔ اور میرا دل مصر کی سلطنت چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ ان شہروں پر ان کا غلبہ و تسلط ہوگا۔ ان کے اصحاب یہاں رہیں گے اور جو کچھ یہاں ہے اس پر قابض ہو جائیں گے(۸۴)۔

اس گفتگو کے بعد مقوقس نے حضرت حاطبؓ سے کہا۔ اب تم لوٹ جاؤ اور ہماری گفتگو کا ایک حرف بھی کسی قبطی کو معلوم نہیں ہونا چاہیئے۔ مقوقس نے ایک فوجی دستہ حاطبؓ کی حفاظت کی غرض سے ساتھ کردیا۔ وہ جزیرۃ العرب میں مدینہ منورہ کو جانے والے ایک شامی قافلے کے ساتھ ملا کر واپس چلا گیا(۸۵)۔

حاطبؓ اور تحائف رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں

حضرت حاطبؓ نے مقوقس کا جواب اور تمام تحائف رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیئے اور مقوقس سے جو گفتگو ہوئی تھی اس کی رپورٹ سنائی۔ حضور ﷺ نے اس کے تحائف کو قبول فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ: ''بد نصیب کا دل سلطنت کی محبت میں مبتلا ہو گیا، وہ یہ نہ سمجھا کہ سلطنت ناپائیدار چیز ہے(۸۶)''۔

چنانچہ وہی ہوا جس کا اس نے خود اعتراف کیا تھا۔ ۱۶ھ میں مصر اسلام کے مفتوحہ ممالک میں داخل ہو گیا اور صحابہؓ بحیثیت فاتح مصر کے میدانوں میں اترے اور جو کچھ تھا اس پر قبضہ کرلیا۔

مقوقس کے دربار میں تبلیغی و سفارتی مشن کی شعاعیں

حضرت مغیرہؓ بن شعبہ ایک ممتاز صحابی ہیں۔ وہ فہم و فراست اور تدبیر و سیاست کے

لحاظ سے عرب کے بلند پایہ لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ اصابتِ رائے اور روشن دماغی کے سبب سے "مغیرۃ الرائے" کے نام سے یاد کیے جاتے تھے۔ انھوں نے اسلام کے لیے سیاسی اور جنگی کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ "قبولِ اسلام سے پہلے ایک مرتبہ میں ثقیف کی ایک جماعت کے ساتھ مقوقس کے دربار میں گیا تو اس نے پوچھا:

"محمد ﷺ کی دعوت کے بارے میں تم لوگوں کا کیا برتاؤ رہا"؟

ہم نے جواب دیا: "ہم میں سے کسی نے اس کی دعوت کو قبول نہیں کیا"۔

مقوقس نے پھر پوچھا: "خود اس کی قوم نے اس کے ساتھ کیسا سلوک کیا ہے"؟ ہم لوگوں نے کہا: "کچھ نوجوان لوگوں نے اس کی اتباع کی ہے"۔

مقوقس نے پھر سوال کیا: "وہ کس بات کی دعوت دیتا ہے"۔ ہم نے بتایا: "وہ کہتا ہے کہ ہم صرف ایک خدا کی عبادت کریں۔ اور جن کی ہمارے باپ دادا پوجا کرتے آئے ہیں، ان کی عبادت چھوڑ دیں۔ اور وہ نماز کی، زکوٰۃ کی، صلہ رحمی کی، ایفائے عہد کی دعوت دیتے ہیں۔ زنا، سود اور شراب کو حرام کہتے ہیں"۔

مقوقس نے یہ ساری باتیں سن کر کہا کہ:

"یہ اللہ کے نبی ہیں۔ جو تمام لوگوں کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔ اور جب اسلام کا سیلاب قبطیوں اور رومیوں تک پہنچے گا تو یہ لوگ اس کی اتباع کریں گے۔ اور یہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حکم ہے۔ پھر جو اوصاف تم نے بیان کیے ہیں وہ ان سے پہلے انبیاء کے تھے۔ آخر کار کامیابی انہی کو ہوگی اور ان سے کوئی جھگڑا کرنے والا نہیں رہے گا۔ اور ان کے دین کا غلبہ وہاں تک ہوگا جہاں تک انسان اپنی سواری کے ذریعہ پہنچ سکے گا(۸۷)"۔

یہ سن کر ثقیف والوں نے کہا: "اگر دنیا کے تمام لوگ اسلام قبول کرلیں تو ہم پھر بھی اسلام میں داخل نہ ہوں گے(۸۸)"۔

مقوقس نے ان کی گفتگو سن کر اپنا سر ہلایا اور کہا: "تم لوگ ابھی کھیل کود میں لگے

ہوئے ہو اور اس کو مذاق سمجھتے ہو۔ پھر قیصرِ روم کی طرح مقوقس نے چند اور سوالات کیے اور یہ بھی پوچھا کہ مدینہ کے یہودیوں نے ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا"۔

ہم نے کہا کہ یہودیوں نے اس کی مخالفت کی اور اس سے جنگ کی۔ مقوقس نے کہا کہ ان لوگوں نے حسد سے کام لیا۔ ورنہ لوگ ان کو اسی طرح جانتے اور پہنچانتے ہیں جس طرح ہم جانتے اور پہنچانتے ہیں"۔

حضرت مغیرہؓ کہتے ہیں کہ میرے دل پر مقوقس کی ان باتوں کا بڑا اثر ہوا۔ مصر سے واپسی پر میں نے کوئی کلیسا اور گرجا نہ چھوڑا جہاں کے اسقف اور پادری سے میں نے محمد ﷺ کی صفت اور شان دریافت نہ کی ہو۔ یہاں تک کہ میں ان کے اسقفِ اعظم (بڑے پادری) سے ملا۔ جو بڑا عابد و زاہد تھا۔ لوگ مریضوں کو اس کے پاس دعا کرانے کے لیے لاتے تھے۔ میں نے اس سے دریافت کیا۔ کیا تمہیں کسی نبی کے آنے کا انتظار ہے۔ اگر ہے تو اس کی صفات تورات و انجیل میں کیا ہیں؟۔ پادری نے میرے سوال کے جواب میں مجھے تفصیل سے بتلایا کہ:۔

"بے شک ہمیں ایک نبی کے ظہور کا انتظار ہے وہ خدا کا آخری نبی ہوگا۔ ہم کو عیسٰے علیہ السلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ جب ان کا ظہور ہو تو ہم ان کی پیروی کریں۔ وہ نبی امّی اور عربی ہوں گے۔ ان کا نام "احمد ﷺ" ہوگا۔ ان کا حلیہ اور صفات یہ ہوں گے: "درمیانہ قد، آنکھیں بڑی اور ان میں سرخی کے ڈورے ہوں گے۔ رنگ سرخ و سفید ہوگا۔ موٹے کپڑے استعمال کریں گے اور معمولی غذا کھائیں گے۔ بڑی سے بڑی طاقت سے بھی خوف نہ کھائیں گے۔ ان کے مقابلے پر جو آئے گا وہ بھی اس کا مقابلہ کریں گے۔ ان کے اصحاب ان کے ادنیٰ اشارے پر جان قربان کردیں گے۔ ان کو اپنی اولاد، ماں باپ اور بھائیوں سے بھی زیادہ محبوب رکھیں گے۔ ایک حرم (مکہ معظمہ) سے ہجرت کرکے دوسرے حرم (مدینہ طیبہ) میں قیام کریں گے۔ جس کی زمین پتھریلی ہوگی اور وہاں کھجوروں کے درخت کثرت سے

ہوں گے۔ ان کا دین، دینِ ابراہیمی ہوگا۔ متکبروں کا طریقہ اختیار نہ کریں گے۔ وضو کریں گے۔ ان کی بعثت عام ہوگی۔ تمام روئے زمین ان کے لیے مسجد اور جائے نماز ہوگی"۔

حضرت مغیرہ کا بیان ہے کہ: "ان باتوں نے میرے دل پر اتنا اثر کیا کہ میں بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوکر مشرف باسلام ہوگیا[۸۹]۔

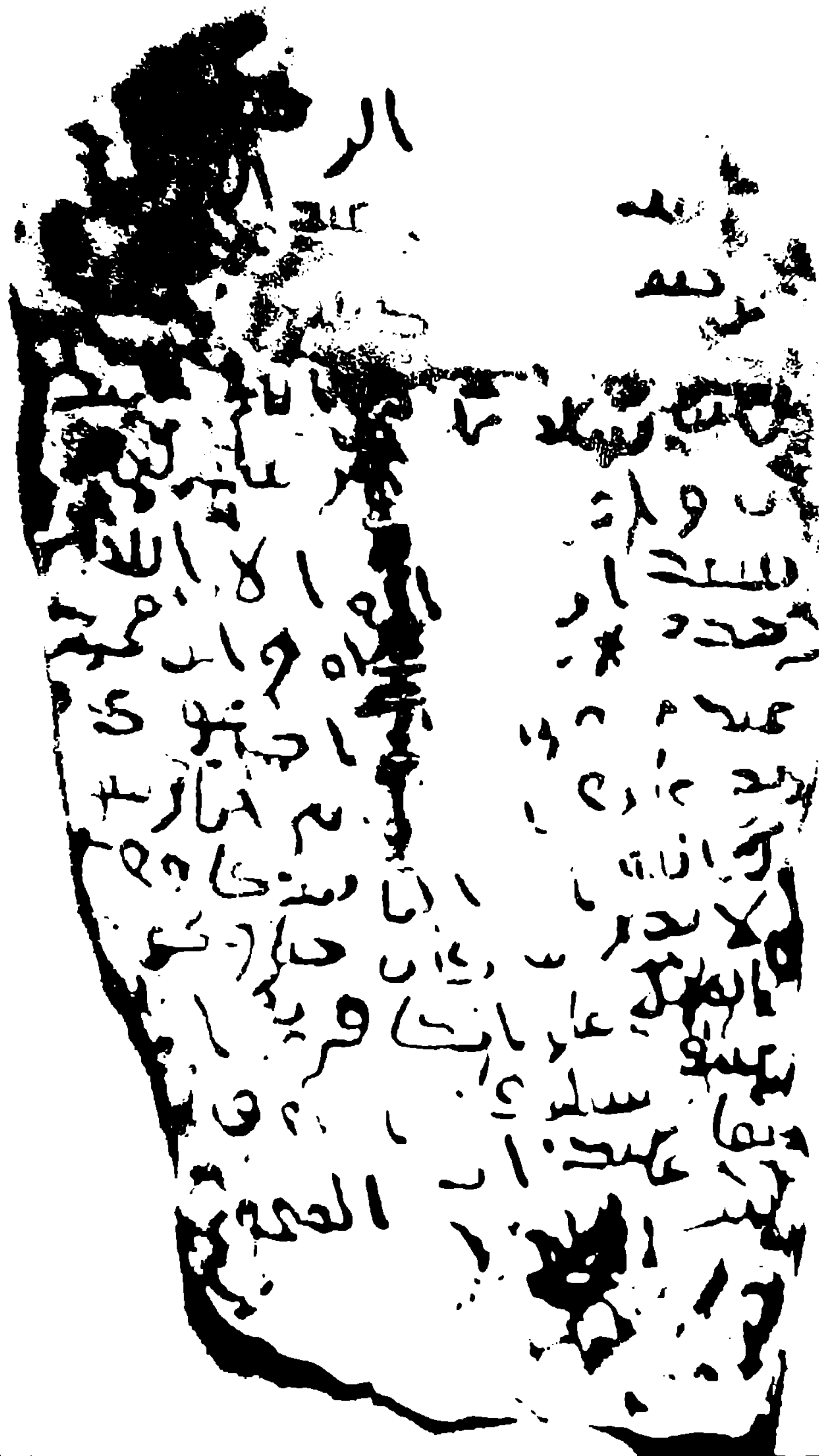
مکتوبِ گرامی بنام مقوقس کی دریافت

جو خط رسول اللہ ﷺ نے مقوقس والیِ مصر کو بھیجا تھا۔ یہ خوش قسمتی سے اس وقت بھی موجود ہے اور اس کے فوٹو تمام دنیا میں پھیل چکے ہیں۔ اس وقت تو مقوقس نے اس خط کو ہاتھی دانت کے ایک منقّش ڈبّے میں حفاظت کے ساتھ رکھوادیا تھا۔ بعد میں عرصہ دراز تک بالکل گمنامی کی حالت میں پڑا رہا۔ مگر ہمارے اس زمانے میں اسلام کی متعدد دیگر صداقتوں کے علاوہ یہ خط بھی پردہ گمنامی سے نکل کر دنیا کے سامنے آگیا۔

حسنِ اتفاق سے یہ مقدس تاریخی خط ۱۸۵۴ء میں فرانس کے ایک مستشرق موسیو بار تیلمی (BARTHELEMY) کو مصر میں اخمیم کی ایک عیسائی خانقاہ سے دستیاب ہوا۔ یہ ایک قبطی راہب کی انجیل پر چپکا ہوا تھا۔ یہ رقّ (کھال) پر لکھا ہوا ہے اور اس وقت قسطنطنیہ میں موجود ہے۔

اس مکتوبِ گرامی کو "موسیو بارٹل می" نے ترکی کے سلطان عبدالحمید خان (۱۲۵۵ھ تا ۱۲۷۷ھ بمطابق ۱۸۳۹ء تا ۱۸۶۱ء) کو تین سو پاؤنڈ میں فروخت کردیا تھا۔ سلطان نے اس کو سونے کے فریم میں لگوا کر شاہی محل کے خزانے میں دوسرے تبرکاتِ نبوی ﷺ کے ساتھ حفاظت سے رکھوادیا تھا[۹۰]۔

سب سے پہلے اس کا فوٹو مشہور عیسائی مؤرخ اور ناول نگار جرجی زیدان نے اپنے مجلہ "الھلال" قاہرہ کے نومبر ۱۹۰۴ء کے جریدے میں شائع کیا تھا۔ اس کے بعد پروفیسر



خسرو پرویز شاہ ایران کے نام

مارگولیتھ نے اپنی کتاب "Muhammad And The Rise Of Islam" کے صفحہ نمبر ۳۶۴ پر درج کیا ہے۔

نامۂ مبارک بنامِ مقوقس کے بارے میں چند وضاحتیں

مقوقس کو جو نامۂ مبارک لکھا گیا تھا۔ اس کا عکس موجود ہے۔ اس میں نامہ مبارک کے درمیان جو نشان نظر آتا ہے۔ یہ پانی کی اس نمی کا اثر ہے جو "موسیو بار تیلمی" کو دوسرے کاغذات سے علیحدہ کرنے کے لیے دینی پڑی تھی۔

آٹھویں صدی ہجری کے بلند پایہ عالم شیخ ابوعبداللہ محمد بن احمد المقدسی نے "مصباح المضی" کے نام سے مکتوباتِ رسالت کو جمع کیا تھا جس میں انہوں نے واقدی کے حوالے سے لکھا ہے کہ مقوقس کے نام مکتوبِ نبوی ﷺ کو صدیق اکبرؓ نے تحریر فرمایا تھا اس طرح خوش قسمتی سے حضرت صدیقِ اکبرؓ کے دستِ مبارک کی لکھی ہوئی یہ تحریر ہم تک پہنچ گئی ہے[۹۱]۔

۴۔ رسول اللہ ﷺ کا خط خسرو پرویز شاہِ ایران کے نام

خسرو پرویز نوشیروان کا پوتا اور ہرمز کا لڑکا ایران کا نہایت باعظمت اور پر شوکت بادشاہ تھا۔

وہ نصف مشرقی دنیا کا شاہنشاہ تھا اور زردشتی مذہب رکھتا تھا۔ جس طرح روم کے ہر بادشاہ کا لقب قیصر تھا۔ اسی طرح ایران کے ہر بادشاہ کو کسریٰ کہتے تھے۔ شان و شوکت اور جاہ و جلال میں دنیا کا کوئی بادشاہ اس کا مقابلہ نہ کرسکتا تھا[۹۲]۔

نبی کریم ﷺ نے کسریٰ کے پاس تبلیغی خط اپنے سفیر حضرت عبداللہؓ بن حذافہ سہمی کے ہاتھ بھجوایا[۹۳]۔

"وامره ان يدفعه الى عظيم البحرين فدفعه عظيم البحرين الى كسرى"[۹۴].

(تو آپ نے ان کو حکم دیا کہ یہ خط حاکمِ بحرین کے پاس لے جائیں اور ان سے کہیں کہ اسے شاہنشاہِ ایران تک پہنچادے۔ عبداللہؓ بن حذافہ نے آپ کی ہدایت پر عمل کیا۔ بحرین کے گورنر منذر بن ساویٰ نے اپنے ایک معتمد کے ہاتھ حضرت عبداللہؓ کو حضور ﷺ کے والہ نامہ کے ساتھ خسرو پرویز کے پاس بھجوا دیا)۔ (بحرین سے مراد وہ جزیرے ہیں جو خلیج فارس میں قطر اور الحسا کے درمیان سمندر میں واقع ہیں اور جنہیں آج کل بحرین کہتے ہیں۔ بلکہ اس سے مراد دولتِ سعودیہ کا وہ علاقہ ہے جو ساحلِ خلیج فارس پر واقع تھا۔ موجودہ صوبہ الحسا اسی کا ایک حصہ تھا۔ اب یہ نام جزیروں کے لیے مخصوص ہو گیا۔ بحرین رسول اللہ ﷺ کے عہدِ مبارک میں ساسانیوں کا باجگزار تھا[۹۵])۔

جب ۶۲۸ء میں بارگاہِ رسالت کے سفیر حضرت عبداللہؓ بن حذافہ سہمی فارس پہنچے تو خسرو نینوا میں مقیم تھا اور قیصرِ روم سے جنگ کی تیاری کر رہا تھا۔ فارس کے معمول کے مطابق بڑے جاہ و جلال اور شان و شوکت کے ساتھ خسرو تختِ سلطنت پر متمکن تھا کہ نقیب کی آواز پر ایک شخص دربار میں حاضر ہوا۔ حاضرین نے بڑی حیرت اور استعجاب کے ساتھ اسے دیکھا۔ اتنے معمولی لباس اور اس قدر سادگی اور بے باکی سے آج تک خسرو کے دربار میں کوئی نہ آیا تھا۔ حضرت عبداللہؓ بن حذافہ نے نامہ مبارک شاہنشاہ فارس کے سامنے پیش کر دیا۔ جس میں لکھا تھا کہ:

''دو خداؤں کے بجائے ایک ہی ذات کو خالقِ خیر و شر ماننا چاہیے۔ اگر آپ توحیدِ خداوندی کو تسلیم کرلیں گے تو آپ کے اوپر سلامتی و امن کا دروازہ کھل جائے گا۔ ورنہ آپ اپنے ساتھ اپنی قوم کی گمراہی کے بھی ذمہ دار ہوں گے''۔

نامۂ مبارک کی اصل عبارت یہ ہے:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باللّٰہ ورسولہ واشھد ان لا الہ الااللّٰہ وحدہ لاشریک لہ وان محمدا عبدہ ورسولہ وادعوک بدعاء اللّٰہ فانی انا رسول اللّٰہ الیٰ الناس کافۃ لانذر من کان حیا ویحق القول علی الکافرین فاسلم فان ابیت فان اثم المجوس علیک[۹۶]"۔

(میں اس خط کو اللہ کے نام سے شروع کرتاہوں جو بہت مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کسریٰ والیٔ ایران کے نام۔

"سلام اس پر جو سیدھے راہ پر چلتا اور خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاتا ہے اور اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور محمد اس کا بندہ اور اس کا رسول ہے۔ میں تجھے خدا کے پیغام کی دعوت دیتا ہوں کیونکہ میں تمام دنیا کے انسانوں کی طرف خدا کا رسول ہوں تاکہ جو کوئی زندہ ہے اسے عذاب الٰہی کا ڈر سناؤں۔ اور جو منکر ہیں ان پر خدا کا قول پورا ہو۔ تو مسلمان ہوجا، سلامت رہے گا۔ لیکن اگر تو نے انکار کیا تو تیری تمام مجوسی رعایا کے اسلام قبول نہ کرنے کا گناہ تیرے ذمہ ہوگا"۔

تاجدارِ فارس اپنے آپ کو خدائے بزرگ و برتر کے برابر شریک سمجھتے تھے۔ ان کی اس حیثیت کے اعتراف کے لیے ہر شخص کو دربار میں حاضر ہوتے وقت سجدہ کرنا پڑتا تھا۔ خسرو جو اپنے آپ کو دوسرا خدا سمجھتا تھا، حضور اکرم ﷺ کے مکتوبِ گرامی کے مضمون کو جب اس نے سنا تو نامہ مبارک کے آزادانہ لہجے، اس کے بے باکانہ ایجاز اور اس کے صاف گویانہ انداز کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ وہ شخص جس کے آستانۂ عظمت پر کروڑوں انسان سجدہ ریزی کے خوگر تھے، حیران تھا کہ اس سرزمین پر کوئی شخص ایسا بھی ہوسکتا ہے جو اس کے نام سے پہلے اپنا نام لکھنے کی جرأت کرسکے۔ کیونکہ عجم کا طریقہ یہ تھا کہ جو خطوط بادشاہوں کو لکھے جاتے تھے ان میں پہلے بادشاہ کا نام ہوتا تھا[۹۷]۔

خط پڑھتے ہی اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ وہ اپنے آپ کو اپنی شان و شوکت،

جاہ و جلال و منزلت اور قوت و طاقت کے پیشِ نظر عام انسانوں سے بہت بلند اور بڑی اعلےٰ شان کا مالک سمجھتا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ کوئی شخص خواہ وہ کتنا ہی بڑے سے بڑا ہو، اپنا نام شاہنشاہ کے نام سے پہلے لکھ سکتا ہے۔

یہ بات بھی اس کے خیال میں نہیں آسکتی تھی کہ کوئی انسان کسریٰ ایران کو اپنے خط میں اتنی دلیری اور بے باکی کے ساتھ مخاطب کرنے کی جرأت کرسکتا ہے۔ یہ دونوں باتیں اس کو نہایت ناگوار گزریں۔ اس نے طیش میں آ کر نامۂ مبارک کو چاک کردیا اور ریزہ ریزہ کرکے زمین پر پھینک دیا۔ غضب ناک لہجے میں کہا: "یکتب الی ھٰذا وھو عبدی"[۹۸]۔ (میرا غلام ہو کر مجھ کو یوں لکھتا ہے)۔ اور اپنا نام میرے نام سے پہلے تحریر کرتا ہے۔ یا (ہمارا غلام ہو کر اس شخص کو اتنی جرأت ہوئی کہ ہمیں اس معمولی انداز میں اور اس ہتک آمیز طریقہ پر مخاطب کرتا ہے)۔ بدبخت کو پوری طرح معلوم نہ تھا کہ عرب کتنے بڑے انقلاب سے گزر رہا ہے اور کیسی بھاری نظریاتی قوت نشو و نما پا رہی ہے۔

اہلِ فارس کو سفیرِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا انتباہ

حضرت عبداللہؓ بن حذافہ یہ حالت دیکھ کر کھڑے ہوگئے اور نہایت تحمل اور متانت و سنجیدگی کے ساتھ اہلِ دربار سے مخاطب ہو کر کہا: "اے اہلِ فارس! عرصہ دراز سے تمہاری زندگی ایسی جہالت میں گزر رہی ہے کہ نہ تمہارے پاس خدا کی کوئی کتاب ہے اور نہ کوئی خدا کا پیغمبر علیہ السلام تمہارے یہاں مبعوث ہوا ہے۔ جس سلطنت پر تمہیں ناز ہے وہ خدا کی زمین کا بہت ہی مختصر ٹکڑا ہے۔ دنیا میں اس سے کہیں زیادہ بڑی بڑی حکومتیں موجود ہیں"۔

بادشاہ سے مخاطب ہو کر کہا: "آپ سے پہلے بہت سے بادشاہ گزرے ہیں۔ ان میں جس نے آخرت کو اپنا مطمحِ نظر سمجھا وہ دنیا سے اپنا حصہ لے کر بامراد گیا اور جس نے دنیا کو مقصود بنایا اس نے آخرت کے اجر کو ضائع کیا۔ افسوس کہ میں نجات و فلاح کے جس پیغام کو

لے کر آپ کے پاس آیا ہوں، آپ نے اسے حقارت سے دیکھا، حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ یہ پیغام ایسی جگہ سے آیا ہے جس کا خوف آپ کے دل میں موجود ہے۔ یاد رہے کہ حق کی یہ آواز آپ کی تحقیر سے دب نہیں سکتی(۹۹)"۔

حضرت عبداللہ بن حذافہؓ اہل فارس کو یہ تنبیہ کرکے دربار سے چلے آئے اور بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر تمام واقعہ عرض کردیا۔ نبی کریم ﷺ نے سنا تو آپ ﷺ نے بد دعا دی: "ان یمزقوا کل ممزق"(۱۰۰). (خدا ان کے اقتدارِ سلطنت کو پارہ پارہ کرے)۔

خط کے اثرات و نتائج

اس وقت بحرین کے علاوہ یمن بھی ایران کے ماتحت تھا۔ خط پھاڑنے کے بعد خسرو پرویز نے اپنے یمن کے گورنر باذان کو لکھا کہ تم دو مضبوط اور بہادر آدمیوں کو فوراً حجاز بھیجو۔ جو اس نبوت کے مدعی کو گرفتار کر کے لے آئیں۔ اور میرے حضور میں پیش کریں۔ یمن کے حاکم باذان نے اپنے آقا کے حکم کی تعمیل میں اپنے میر منشی قہرمانہ جس کو بابویہ بھی کہتے تھے اور دوسرے فوجی افسر کو جس کا نام خر خسرہ تھا، رسولِ کریم ﷺ کے نام ایک خط دے کر بھیجا، جس میں لکھا تھا کہ "آپ ان دونوں آدمیوں کے ساتھ کسریٰ کے پاس چلے جائیں"۔

باذان نے بابویہ کو زبانی بھی کہہ دیا کہ وہ نبیِ کریم ﷺ کے حالات پر کڑی نگاہ رکھے اور مجھے آکر خبردار کرے۔

جب یہ دونوں آدمی طائف پہنچے تو ان کو نجب کے مقام پر چند قریشی ملے۔ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے متعلق بتایا کہ وہ تو مدینہ میں رہتے ہیں، تمہیں ان کے ساتھ کیا کام ہے؟

ان دونوں نے کہا کہ اس نے نہایت بے ادبی کے ساتھ شاہنشاہِ کسریٰ کو ایک خط

لکھنے کی جرأت کی ہے جس سے اعلیٰ حضرت کو غصہ آگیا۔ تو اس نے ان کی گرفتاری کا حکم بھیجا ہے۔ ہم اس کے حکم کی تعمیل کے لیے آئے ہیں۔

قریش کو خوشی اس بات کی تھی کہ: ''بس اب محمد ﷺ کا خاتمہ ہو جائے گا۔ شاہنشاہ ایران کے ساتھ گستاخی کر کے وہ کسی صورت بھی بچ نہیں سکتا۔ شاہنشاہ اس کو اور اس کے پیرو کاروں کو تباہ کر کے رکھ دے گا۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں محمد ﷺ اور اس کے ساتھیوں کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہے گا''۔

بابویہ اور خرخسرہ دونوں طائف سے مدینہ پہنچے تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر حاکم یمن کا خط پیش کیا۔ بابویہ نے زبانی بھی کہا: ''بادشاہوں کے بادشاہ شاہنشاہِ اعظم کسریٰ نے یمن کے گورنر کو حکم دیا ہے کہ وہ آپ کو اس کے حضور پیش کرے۔ اس لیے ہم اس کے حکم کی تعمیل کے لیے آئے ہیں۔ آپ ہمارے ہمراہ شہنشاہ کے پاس چلے چلیں۔ اگر آپ فوراً خوشی کے ساتھ چلیں گے تو باذان آپ کی سفارش شاہنشاہ کو لکھ دیں گے کہ ان کو معافی دے دی جائے۔ لیکن اگر آپ نے انکار کر دیا اور حیل و حجت کی تو شاہنشاہ کے جلال اور ہیبت سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ وہ آپ کو اور آپ کے تمام ساتھیوں کو غارت کر دے گا اور آپ کے تمام علاقے کو تہس نہس کر دے گا۔ اس لیے بہتر ہے کہ آپ ہمارے ساتھ بلا چون و چرا چلیں اور شاہنشاہ کی سرتابی کر کے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالیں (۱۰۱)۔

سیرتِ حلبیہ میں لکھا ہے کہ:

تھیں اور بڑے کریہہ منظر تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا تمہارا برا ہو تمہیں کس نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ انہوں نے کہا ہمارے مالک کسریٰ نے۔ حضور ﷺ نے فرمایا لیکن میرا رب تو داڑھی رکھنے اور مونچھیں منڈوانے کا حکم کرتا ہے)۔

باذان کا خط اور پیغام سن کر حضور ﷺ مسکرائے اور دونوں کو اسلام کی دعوت دی۔ وہ دہشت سے کانپ رہے تھے[۱۰۲]۔ اور آپ ﷺ نے دونوں سفیروں سے فرمایا:

"آپ صاحبان آج آرام کریں۔ کل انشاء اللہ آپ کو جواب دیا جائے گا"۔

آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو ان دونوں کے قیام و طعام کا انتظام کرنے کی ہدایت کردی۔ دوسرے دن حضور ﷺ نے دونوں قاصدوں کو طلب فرمایا اور کہا:

"ابلغا صاحبکما ان ربی قتل ربه هٰذه الیلة[۱۰۳]"۔ (اپنے آقا سے جا کر کہہ دو کہ میرے رب (خدائے ذوالجلال) نے اس کے رب (کسریٰ) کو آج رات قتل کردیا ہے، جاؤ اور جا کر تحقیق کرلو)۔

بزار، بیہقی اور ابو نعیم نے دحیہ سے یوں روایت کی ہے کہ:

"یمن کے علاقہ صنعاء کے گورنر نے اپنے آدمی اور خط نبی ﷺ کے پاس بھیجا، جب آپ ﷺ نے اس کا خط پڑھا، تو آپ ﷺ نے ان لوگوں کو پندرہ روز تک چھوڑ دیا اور ان سے کوئی بات نہ کی۔ پندرہ دن کے بعد ان سے فرمایا، "تم اپنے حاکم کے پاس چلے جاؤ اور اس سے کہہ دو کہ میرے رب نے تیرے رب (کسریٰ) کو آج رات قتل کر ڈالا۔ وہ لوگ چلے گئے اور والی صنعاء کو خبر کی۔ دحیہ نے کہا پھر یہ خبر آئی کہ کسریٰ اس رات قتل کیا گیا"۔

احمد بزار، طبرانی اور ابو نعیم نے ابی بکرہ سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ "جب رسول اللہ ﷺ نے کسریٰ کو نامۂ مبارک لکھا، کسریٰ نے اپنے عامل باذان نامی کو جو یمن پر تھا۔ یہ لکھا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تیری سرزمین کی طرف سے ایک شخص نے ظہور کیا ہے وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ نبی ہے تو اس شخص سے کہہ دے کہ اس دعویٰ سے باز آئے۔

یا میں ان لوگوں کو اس کی طرف بھیجوں گا جو اس کو اور اس کی قوم کو قتل کر ڈالیں گے"۔
باذان نے آپ کے پاس اپنا قاصد بھیجا۔ اس نے حضور ﷺ کو پیغام دیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "اگر یہ نبوت کا امر میں نے اپنی طرف سے کیا ہوتا تو میں ضرور اس سے رک جاتا۔ لیکن مجھے تو اللہ جل شانہ نے رسالت پر مبعوث کیا ہے"۔ حضور ﷺ نے باذان کے سفیر کو اپنے پاس ٹھہرایا اور پھر آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ میرے رب نے کسریٰ کو ہلاک کردیا۔ آج کے دن کے بعد کسریٰ نہیں ہے اور قیصر بھی قتل کیا گیا ہے۔ اور آج کے دن کے بعد قیصر بھی نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے یہ بات جس گھڑی جس دن اور جس مہینہ میں فرمائی، قاصد نے اس کو لکھ لیا۔ پھر وہ قاصد اپنے حاکم باذان کی طرف لوٹ کر گیا تو اس نے اچانک پایا کہ کسریٰ مر گیا تھا اور قیصر بھی مر گیا تھا(۱۰۴)۔

یہ واقعہ سہ شنبہ کی رات ۱۰ جمادی الاولیٰ ۷ھ مطابق ۱۴ ستمبر ۶۲۸ء کو پیش آیا۔ رات کی سات گھڑیاں گزری تھیں(۱۰۵)۔ (دو گھنٹے اور اڑتالیس منٹ)۔

حضور نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے یہ باتیں سن کر دونوں قاصدوں نے کہا: "جو کچھ آپ فرمارہے ہیں، اس کی پوری ذمہ داری آپ پر ہے۔ کیا یہ بات ہم باذان سے جا کر کہہ دیں؟"۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ہاں بے شک والیٔ یمن سے جا کر کہہ دو، اور ساتھ ہی یہ بھی بتادینا کہ میرا دین اور میری حکومت بہت جلد کسریٰ کی تمام سلطنت پر غالب آجائے گی۔ اگر تم اسلام لے آؤ تو ملک کا جو حصہ اس وقت تمہارے پاس ہے اور ابنا کے جس علاقے پر تمہاری حکومت ہے وہ بدستور تمہارے پاس رہے گا۔

طبری میں ہے کہ: "اعطیٰ رسول اللّٰہ خر خسرہ منطقة فیھاذھب وفضة وکان اھداھا له بعض الملوک" (رسول اللہ ﷺ نے خر خسرہ کو ایک کمر بند دیا جس میں سونا چاندی لگا ہوا تھا اور وہ کسی بادشاہ نے حضور ﷺ کو تحفہ دیا تھا)۔

باذان رسول کریم ﷺ کا پیغام سن کر بہت حیران ہوا۔ اور کہنے لگا: "اگر یہ معاملہ اسی طرح واقع ہوا جس طرح محمد نے بیان کیا ہے تو پھر ان کے نبی ہونے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے۔ بہرحال ہمیں انتظار کرنا چاہیے کہ ہمدان سے کیا خبر آتی ہے"۔

زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ باذان کے پاس خسرو پرویز کے بیٹے شیرویہ کا ایک فرمان پہنچا جس میں لکھا تھا کہ "میں نے ملی بہتری کے پیش نظر مجبور ہو کر اپنے باپ کو مروا ڈالا ہے، کیونکہ رعایا کے ساتھ اس کا رویہ ظالمانہ تھا اور اس نے اپنے ملک کے اکثر شرفاء کو قتل کروا دیا یا سنگسار کر دیا تھا۔ میں نے اس کو قتل کروا کر اپنی بے گناہ رعایا پر ڈھائے گئے مظالم اور جور و ستم کا انتقام لے لیا ہے۔ اس کی جگہ اب میں ایران کے تخت کا مالک ہوا ہوں۔ اس لیے میرا یہ فرمان پہنچتے ہی اپنے علاقے کے تمام لوگوں سے میری اطاعت اور فرمانبرداری کا اقرار لو"۔

(قارئین نبی کریم ﷺ کے نامہ مبارک کے الفاظ "اسلم تسلم" پر غور کریں، اس میں درج تھا اگر مسلمان ہو جائے گا، تب سلامت رہے گا۔ یہ تہدید نہ تھی بلکہ "اخبارعن الغیب" پیش گوئی تھی)۔

شیرویہ نے مزید لکھا کہ: "ایک ضروری بات جس کا ذکر خصوصیت سے کر رہا ہوں وہ یہ کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ میرے باپ نے عرب کے ایک شخص کی گرفتاری کا حکم تمہیں بھیجا تھا۔ وہ حکم اب منسوخ ہے اور جب تک میں تمہیں اپنا دوسرا حکم نہ بھیجوں، اس شخص کے خلاف کوئی کاروائی نہ کرو[۱۰۶]"۔

شیرویہ کا یہ فرمان پا کر باذان حاکم یمن کو بڑی حیرانی ہوئی اور بے اختیار اس کے منہ سے نکلا کہ "محمد کی بات سچی نکلی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ضرور خدا کے رسول ہیں۔ میں ان پر ایمان لاتا ہوں"۔

اس کے ساتھ یمن کے بہت سے امیر زادے بھی مسلمان ہو گئے)۔

باذان نے حضور ﷺ کی عادات و اخلاق اور تعلیم و ہدایت کے متعلق بھی کافی تحقیقات کی تھیں۔ اس نے بابویہ سے پوچھا، وہ شخص کیسا ہے تو اس نے جواب دیا: "ماکلمت رجلا اھیب عندی منه". (اس مرد سے زیادہ کسی ہیبت ناک مرد سے میں نے کلام نہیں کیا)۔

باذان نے پوچھا "کیا اس کی فوج ہے" اس نے کہا "نہیں"۔ رحمتِ عالم ﷺ کی صداقت نے باذان کو اسلام کی صداقت کا قائل کردیا۔ اس نے فوراً بیعت کا خط لکھ دیا[۱۰۸]۔

القسطلانی نے لکھا ہے کہ: "امره صلی الله علیه وسلم علی الیمن"[۱۰۹]. (باذان کو حضور ﷺ نے یمن کا والی مقرر کردیا)۔

باذان کا انتقال نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ ہی میں ہو گیا تھا۔ اس کے بعد اس کے لڑکے کو حضور نے صنعاء اور اس کے قرب و جوار کی حکومت مرحمت فرمائی۔ اور یمن کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے مختلف آدمیوں کو وہاں کی حکومت تفویض کی[۱۱۰]۔

جو سفیر نبی کریم ﷺ نے بھیجا تھا، اس نے واپس آ کر عرض کیا کہ شاہِ ایران نے نامہ مبارک چاک کر ڈالا۔ اس وقت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "مزّق ملکه"[۱۱۱] (اس نے اپنا ملک ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا) ابو عبید نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "مزّق و مزّقت امته" (وہ تباہ اور اس کی قوم پارہ پارہ ہو جائے گی) آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: "فسلّط علیه ابنه شیرویه فقتله"[۱۱۲]. (اللہ تعالیٰ نے کسریٰ پر اس کے بیٹے شیرویہ کو مسلط کردیا ہے جس نے اس کو قتل کردیا ہے)۔

رسول اللہ ﷺ نے جو خبر دی تھی وہ حرف بحرف صحیح نکلی پہلے خسرو پرویز کا ورقِ تقدیر ٹکڑے ٹکڑے ہوا، پھر وہ جس سلطنت کے غرور و شوکت میں نامہ مبارک چاک کرنے کی

جسارت پر آمادہ ہوا تھا وہ تختۂ قرطاس کی طرح پارہ پارہ کردی گئی۔ کسریٰ کے تخت پر اس کا لڑکا "قباذ" جس کا لقب شیرویہ تھا، قابض ہوا۔ کسریٰ اس کے اشارے پر سنہ ۶۲۸ء میں قتل کیا گیا۔ اس کی موت کے بعد ملک کا شیرازہ منتشر ہوگیا۔ اور حکمران خاندان کے ہاتھ سلطنت ایک کھلونا بن گئی۔ شیرویہ بھی چھ ماہ سے زیادہ حکومت نہ کرسکا اور اس کے تخت پر چار سال کے اندر یکے بعد دیگرے دس بادشاہ متمکن ہوئے۔ سلطنت کی چولیں بل گئیں۔ آخر میں یزد گرد پر سب کا اتفاق ہوا۔ اور اس سلطنت کا تاج اس کے سر پر رکھا گیا۔ یہ ساسانی خاندان کا آخری فرمانروا تھا۔ اور اسی کو اسلامی افواج کا سامنا کرنا پڑا تھا جنہوں نے بالآخر سلطنتِ آلِ ساسان کی قسمت پر مہر لگادی اور اس سلطنت کا جس کا چار سو سال تک دنیا میں ڈنکا بجتا رہا، چراغ گل ہوگیا۔ یہ واقعہ سنہ ۶۳۷ء میں پیش آیا اور اس طرح یہ پیشین گوئی آٹھ سال کے اندر اندر پوری ہوگئی۔ اور آپ کی پیشین گوئی کا دوسرا جزو بھی پورا ہوا:

"اذا هلک کسریٰ فلاکسریٰ بعده[۱۱۳]". (جب کسریٰ ہلاک ہوجائے گا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہوگا)۔

سفیرِ رسول ﷺ کا کسریٰ کے رویّے پر ردِ عمل

رسول اللہ ﷺ کا یہ مکتوب اگر کسی کاغذ پر ہوتا تو اس کو چاک کرکے ضائع کیا جاسکتا تھا، لیکن یہ خط کھال پر تھا اور وہ بھی عمدہ قسم کی، اس لیے ممکن ہے کہ کسریٰ نے جب نامہ مبارک کی توہین کرکے اسے پھینک دیا ہو، تو ابنِ حذافہ اسے اٹھالائے ہوں، اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اسے پیش کردیا ہو، جیسا کہ خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں درج کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ: "ان عبدالله بن حذافة. اسمعه کلاماغلیظاً، بعد ان مزق الکتاب ثم قال ادرج کسریٰ له شققا من حریر. فاهداها لرسول الله[۱۱۴]". (جب کسریٰ نے مکتوبِ گرامی چاک کر ڈالا تو عبداللہؓ بن حذافہ نے اس سے بہت سخت کلامی کی اور برا بھلا

کہا، لکھتے ہیں کہ اس کے بعد کسریٰ نے پھٹے ہوئے ٹکڑے ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر اُسے دے دیئے کہ جا کر رسول اللہ (ﷺ) کو دے دینا)۔

مکتوبِ گرامی بنام کسریٰ کی دریافت

مؤرخین عام طور پر تو یہ لکھتے ہیں کہ خسرو پرویز نے رسول اللہ ﷺ کے مکتوب گرامی کو پھاڑ کر پھینک دیا تھا۔ مگر اس کے بعد مکتوب گرامی کا کیا ہوا۔ اس بارے میں کسی نے کچھ نہیں لکھا۔ البتہ خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ کسریٰ نے ٹکڑے اکٹھے کر کے ابن حذافہ کو دے دئیے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کو ہدیہ دے دینا۔ تاہم اس وقت کون جانتا تھا کہ کسریٰ کی عظیم الشان سلطنت تباہ ہو جانے والی ہے اور جس تحریر کو بظاہر چاک کر کے پھینک دیا گیا ہے وہ مرورِ زمانہ اور گردشِ روزگار کے باوجود ساڑھے تیرہ سو سال کے بعد بھی دستیاب ہو سکتی ہے۔

اس حیرت انگیز دریافت کی خبر مئی سنہ ۱۹۶۲ء میں ساری دنیا کے اہم جریدوں نے بیروت کی اس اطلاع پر شائع کی، کہ لبنان کے سابق وزیر خارجہ ہنری فرعون کے آبائی ذخیرے میں رسول اللہ ﷺ کا مکتوبِ گرامی بنام خسرو پرویز دستیاب ہوا ہے۔

اس سے چند ماہ پہلے اس خط کا فوٹو زار میں پیرس کے عوامی کتب خانہ کو رائے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ تاریخ و سیرت کے مشہور محقق جناب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب سے بھی اس کے متعلق وہاں رائے طلب کی گئی تھی۔ انہوں نے مکتوبِ نبوی ﷺ کی بچشم خود زیارت کی ہے۔ اور اپنے تاثرات بھی بیان کیے ہیں۔ پھر ۲۲ مئی سنہ ۱۹۶۳ء مطابق ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۸۲ھ کو بیروت کے روزنامہ ''الحیات'' میں ڈاکٹر صلاح الدین المنجد نے اس نامۂ مبارک کا فوٹو بھی چھاپا اور ایک مفصل تحقیقی مقالہ بھی شائع کیا۔

ڈاکٹر صلاح الدین المنجد لکھتے ہیں:۔ ''ہنری فرعون کے والد نے پہلی جنگِ عظیم کے

اختتام پر یہ دستاویز دمشق میں ڈیڑھ سو اشرفی میں خرید کی۔ یا تو خود اسے معلوم نہ تھا یا یہ کہ اس نے اپنے اہل خاندان کو نہ بتایا کہ یہ کیا چیز ہے۔ بہر حال ۱۹۶۲ء کے آخر میں اس نے یہ صلاح الدین المنجد کے سپرد کیا۔ کہ اس کو پڑھنے کی کوشش کریں"(۱۱۵)۔

ڈاکٹر المنجد روزنامہ "الحیات" کے صفحہ اول پر لکھتے ہیں:۔ "گزشتہ نومبر ۱۹۶۲ء کے اواخر میں ہنری فرعون نے میرے پاس کھال کا ایک ٹکڑا بھیجا۔ اس پر کوفی رسم الخط سے ملتی جلتی تحریر تھی۔ کھال کی حفاظت کے لیے اس کے نیچے سبز کپڑا چسپاں کر دیا گیا تھا۔ اور اس کو ایک فریم میں لگا دیا گیا تھا لیکن مرورِ زمانہ کی وجہ سے کپڑا بالکل گل چکا تھا۔ صرف فریم کے سہارے وہ کھال باقی رہ گئی تھی۔ جب میں نے اس خط کے الفاظ باریک بینی سے حل کرنے اور پڑھنے شروع کیے، تو عظیم انکشاف ہوا کہ یہ وہی خط ہے، جو رسول اللہ ﷺ نے شاہِ فارس کسریٰ کے نام تحریر فرمایا تھا، جس میں اس کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی"۔

یہ ایک رق(۱۱۶) (جھلّی) ہے۔ جو ایک سبز کپڑے(۱۱۷) پر جس کا رنگ مرورِ زمانہ سے تبدیل ہو گیا ہے چسپاں ہے اور کپڑا بھی مالیدہ ہو گیا ہے اور یہ سب ایک کانچ کے فریم میں جڑا ہوا ہے۔ مزید برآں:۔

۱۔ جھلّی پرانی اور نرم ہے، اور گہرے خاکی رنگ کی ہے۔ اس کے کنارے کالے پڑ گئے ہیں۔ یہ ۲۸ سینٹی میٹر لمبی اور ساڑھے اکیس سینٹی میٹر چوڑی ہے۔

۲۔ یہ جھلّی مستطیل سی ہے مگر چوڑائی یکساں نہیں۔ اوپر سے زیادہ چوڑی ہے، نیچے کم۔

۳۔ اس پر عبارت پندرہ سطروں میں ہے۔ مگر کوئی سطر ساڑھے تین س م ہے تو کوئی ساڑھے اکیس س م۔

۴۔ عبارت کے نیچے ایک گول مہر ہے جس کا قطر تین س م ہے۔

۵۔ اس میں ایسے نشانات ہیں جیسے اوپر سے نیچے کی طرف پانی بہایا گیا ہو۔ اسی لیے بعض حروف مٹ گئے ہیں اور بعض جگہ مدھم ہو گئے ہیں۔ مہر کی عبارت بھی مٹ گئی ہے۔

بجز حرف "ر" کے جو مہر کے درمیان میں ہے۔ اور یہ غالباً "رسول"[۱۱۸] کی "ر" ہے جو باقی رہ گئی ہے کیونکہ مہر رسالت اسی طرح کی ہے کہ نیچے "محمد" تھا۔ پھر وسط میں "رسول" اور سب سے اوپر "اللہ"۔

۶۔ اس جھلی کو کسی نے پھاڑنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ وہ تیسری سطر دائیں طرف سے وسط تک چیری گئی ہے۔ پھر اس کے بعد عرض میں پھٹنا بند ہو گیا ہے اور طول میں چاک ہوتا ہوا دسویں سطر تک پہنچ گیا ہے۔ اس پھٹن کی شکل (۳) ہے۔

۷۔ اس پھٹن کو بعد میں کسی نے باریک کھال سے ٹانکے لگا کر سی دیا ہے۔ مگر یہ ٹانکے "رق" کی طرح عمدہ کھال کے نہیں ہیں بلکہ معمولی قسم کے ہیں اور یہ بھی صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ان ٹکڑوں کی عمر اصل مکتوب سے کم ہے۔

۸۔ مکتوب کا رسم الخط بتا رہا ہے کہ یہ اپنے ابتدائی اور غیر ترقی یافتہ دور میں لکھا گیا ہے اسی لیے اس میں نہ کوئی صنعت ہے اور نہ ترتیب۔ سطریں بھی سیدھی نہیں ہیں۔ نیز یہ بات اس کے دور کو متعین کرنے میں خاص طور پر معین و مددگار ہوتی ہے کہ اس کے بعض کلمات جو سطر کے آخر میں آئے ہیں، وہ اگر اس سطر میں پورے نہ آسکے تو اس کے بعض حروف اس کے بعد والی سطر کے شروع میں لکھ کر پورے کیے گئے ہیں۔ اس زمانے کے رسم الخط کے مطابق اس مکتوب میں نقطے نہیں ہیں۔ اس کی نقل منسلک ہے۔ مکتوب ۱۵ سطور پر مشتمل ہے[۱۱۹]۔

۵۔ رسول اللہ ﷺ کا خط حارث بن ابی شمر رئیسِ غسّان کے نام

غسّان کی ریاست عرب سے ملی ہوئی، اس کے شمال میں واقع تھی۔ اور یہاں کا حاکم قیصر کے ماتحت تھا۔ اس وقت یہاں کے رئیس کا نام حارث بن ابی شمر تھا۔ جس کا ذکر قیصر کے خط میں کیا جا چکا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو بھی ایک تبلیغی خط لکھا تھا، جس کا مضمون یہ تھا:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من محمد رسول اللہ الیٰ الحارث بن ابی شمر

سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ و آمن باللہ وصدق، فانی ادعوک الیٰ ان تؤمن باللہ

وحدہ لاشریک لہ یبقی لک ملکک"(۱۲۰). (علامۃ الختم)

(محمد رسول اللہ کی جانب سے حارث بن ابی شمر کے نام:

سلام ہو اس پر جو راہِ راست کی پیروی کرے۔ اللہ پر ایمان لائے اور سچا جانے۔ میں آپ کو اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ ایک خدا پر ایمان لائیے جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ آپ کا ملک آپ کے پاس باقی رہے گا۔) (محمد رسول اللہ)

یہ تبلیغی خط حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ایک صحابی حضرت شجاعؓ بن وہب کے ہاتھ روانہ فرمایا(۱۲۱)۔ حضرت شجاعؓ، غسان کے وزیر سے ملے تو معلوم ہوا کہ قیصرِ روم بیت المقدس کی زیارت کے لیے جارہا ہے۔ اس لیے حارث اس کے انتظام میں مصروف ہے۔

وزیر جس کا نام مری تھا، وہ بہت نیک دل اور شریف انسان تھا۔ شجاع نے اس کو تبلیغ کی۔ جس پر اس نے کہا:۔

"جو کچھ تم نے بیان کیا ہے، انجیل میں یہی حالات اس آنے والے پیغمبر کے پائے جاتے ہیں، جس کا ہمیں انتظار ہے۔ میں اس پر ایمان لاتا ہوں۔ اور ان کے تمام احکام کی صدق دل سے تصدیق کرتا ہوں، مگر تم میرے قبولِ اسلام کا واقعہ ہرگز کسی سے بیان نہ کرنا۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر حارث کو یہ معلوم ہوگیا تو وہ مجھے قتل کرادے گا۔ حالانکہ وہ میری بہت عزت کرتا ہے اور مجھے اس کے مزاج میں خاصا دخل ہے"۔

مری نے مزید یہ بھی کہا کہ بظاہر مجھے کوئی امید نظر نہیں آتی کہ حارث خط پڑھ کر کچھ متاثر ہوگا اور اسلام لے آئے گا۔ کیونکہ وہ مغرور و متکبر بھی ہے اور ڈرپوک اور خوشامدی بھی۔ ایسا آدمی کبھی راہ راست نہیں پاسکتا۔

ایک روز حارث نے بڑی شان و شوکت کے ساتھ دربار منعقد کیا۔ مری نے اس سے میرا ذکر کیا۔ حارث نے مجھے دربار میں بلایا اور نامہ مبارک لے کر پڑھنے کا حکم دیا۔

حارث مکتوبِ گرامی سن کر آگ بگولہ ہو گیا۔ اور کہنے لگا کہ "کس کی مجال ہے کہ میرے ملک کی طرف نگاہ اٹھائے" اور اسی غیظ و غضب میں فوج کو تیاری کا حکم دیا۔ اور کہا کہ اب اس مدعی کو تباہ کر کے چھوڑوں گا۔ خواہ مجھے اس سلسلے میں کتنی ہی تکلیف اٹھانی پڑے۔ قیصر کو جب اس کی فوج کشی کے ارادے کی اطلاع ہوئی تو اس نے اسے روک دیا اور کہا:

"فی الحال میرے پاس چلے آؤ، اس معاملے کو پھر دیکھنا"۔

اس لیے یہ قصہ یہیں ختم ہو گیا۔ مگر مدینہ میں عرصے تک یہ افواہ پھیلی رہی کہ والی غسان عن قریب حملہ کرنے والا ہے۔

حارث نے جو فوج تیار کی تھی اس نے فتحِ مکہ کے بعد سنہ ۹ ھ میں قیصرِ روم کی قیادت میں اسلام سے جنگ کا آغاز کیا۔ مگر آخر کار سنہ ۱۴ ھ میں شام سے غسانی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور حارث فتحِ مکہ کے سال ہی مر گیا[۱۲۲]۔

۶۔ رسول اللہ ﷺ کا خط ہوذہ بن علی گورنرِ یمامہ کے نام

یمامہ عرب کا حصہ تھا، مگر عہدِ نبوت میں ایرانی حکومت کا صوبہ تھا اور کسریٰ کے زیرِ اقتدار عربی حکام گورنری کے فرائض انجام دیتے تھے۔ مدینہ منورہ سے مشرق کی جانب سولہ مرحلہ پر تھا۔ قریشِ مکہ کی غذائی ضرورتوں کے لیے غلہ یمامہ سے آتا تھا۔ یہ جزیرہ نمائے عرب کا اہم ترین خطہ تھا۔ اس وقت وہاں کا گورنر ہوذہ بن علی الحنیفی تھا۔ ہوذہ کے نام فرمانِ رسالت ﷺ کی سفارت کا شرف حضرت سلیط بن عمرو انصاری کو بخشا گیا[۱۲۳]۔ اس سے پہلے وہ اکثر و بیشتر یمامہ آتے جاتے رہتے تھے۔ انہوں نے گورنرِ یمامہ کے دربار میں پہنچ کر نامہ مبارک پیش کر دیا۔ جس میں لکھا تھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
من محمد رسول اللہ الیٰ ھوذہ بن علی سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ. واعلم ان دینی سیظھر الیٰ منتھی الخف والحافر فاسلم تسلم واجعل لک ما تحت یدیک"[۱۲۴].

(اللہ کے رسول محمد کی جانب سے ہوذہ بن علی کے نام۔ جو ہدایت کا اتباع کرے اس پر سلامتی ہے۔ آپ کو واضح ہو کہ میرا یہ دین عرب و عجم کی حدود تک پہنچ کر رہے گا اور غالب آئے گا۔ پس آپ کو اسلام قبول کر لینا چاہیئے کہ اس میں سلامتی ہے۔ مجھے آپ کے ملک سے کوئی سروکار نہیں وہ بدستور آپ ہی کے قبضے میں رہے گا)۔

شاہِ یمامہ کے دربار میں سفیرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سلیطؓ کی تقریر

سیرتِ دحلان میں لکھا ہے کہ حضرت سلیطؓ نے شاہِ یمامہ کو خطاب کرکے یہ تقریر فرمائی:۔

"ہوذہ! تم بڑی سیادت کے مالک ہو، جو برباد ہو جانے والی ہے اور تیرے پیشرو بہت سے جہنم میں ہیں۔ سردار وہی ہے جو ایمان کی دولت سے مالامال ہو، اور تقویٰ سے بہرہ مند ہو، تیری قوم تیری رائے و ہدایت سے سعادت حاصل کر سکتی ہے لہٰذا تو اپنے کو بدبختی میں مبتلا نہ کر، میں تجھ کو بہترین چیز کی دعوت دیتا ہوں اور بدترین چیز شرک و کفر سے بچاتا ہوں۔ میں تجھ کو خدا کی عبادت کا امر کرتا ہوں اور شیطان کی عبادت سے روکتا ہوں۔ اس لیے کہ اللہ کی عبادت میں جنت ہے اور شیطان کی عبادت میں جہنم ہے اگر تو میری نصیحت کو قبول کر لے گا تو اپنی مراد اور تمام توقعات سے بہرہ مند ہو جائے گا۔ اور ہر طرح کے خطرات سے محفوظ ہو جائے گا اور اگر تو انکار کرے گا تو ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی ذات پردہ اٹھا دے گی"[۱۲۵]۔

ہوذہ نے پوری متانت اور سنجیدگی سے تقریر سن کر کہا:۔

"اے سلیطؓ! مجھ کو خدا نے یہ سیادت دی ہے اگر یہ سیادت خدا تجھ کو عنایت فرمادے تو تم کو بڑی شرافت حاصل ہوجائے۔ میں صاحبِ رائے ہوں، میں معاملات کو پرکھتاہوں، مجھ کو موقع دو کہ میں آخری فیصلہ کرسکوں۔ پھر میں انشاء اللہ تم کو جواب دوں گا[۱۲۶]"۔

حضرت سلیطؓ چند روز جواب کے انتظار میں ٹھہرے رہے۔ پھر ہوذہ نے کچھ تحائف دیئے۔ اور مکتوبِ نبوی ﷺ کا جواب دیا۔

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہوذہ بن علی کا جواب

"ماأحسن ماتدعواليه واجمله وانا شاعر قومي وخطيبهم والعرب تهاب مكاني فاجعل لي بعض الامر اتبعك". (جس دین کی طرف آپ دعوت دیتے ہیں وہ بہت اچھا دین ہے۔ میں اپنی قوم کا مشہور خطیب اور شاعر ہوں، اس لیے عرب میری بڑی عزت کرتے ہیں، اگر آپ مجھے اپنی حکومت میں شریک کرلیں تو میں آپ ﷺ کی پیروی کے لیے تیار ہوں)۔

جب یہ خط حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچا تو خط کے مضمون سے اطلاع پاکر آپ ﷺ نے فرمایا: "حکومت تو بڑی چیز ہے اگر وہ مجھ سے کھجور کاایک دانہ بھی مانگے تو میں اسے وہ بھی دینے کے لیے تیار نہیں۔ وہ اور اس کا سب کچھ فنا ہوجائے گا"۔

مطلب اس ارشاد کا یہ ہے کہ قبولِ اسلام کے لیے یہ شرط اسلامی روح کے منافی ہے۔ یوں تو حضور ﷺ نے مکتوب میں وضاحت فرمادی تھی کہ تمہارا ملک تمہارے ہی قبضہ میں رہے گا یعنی سلطنت و حکومت سے مجھ کو سروکار نہ ہوگا۔ لہٰذا اس اندیشہ کا یہ محل نہ تھاکہ اتباع میں یہ خطرہ ہے کہ میں اپنے ملک کا بادشاہ نہ رہوں گا۔ اس بدبخت کی عقل و فہم نے اس کا ذہن اس طرف متوجہ نہیں کرایا کہ اس اندیشہ کا جواب تو مکتوبِ نبوی ﷺ میں موجود ہے۔

خط کے اثرات و نتائج

ہوذہ اس سعادت سے محروم رہا اور اس کا کفر پر خاتمہ ہوا۔ سیرتِ حلبیہ میں ہے کہ "آپ ﷺ جب مکہ کی فتح سے فارغ ہو کر مدینہ لوٹ رہے تھے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے آکر اطلاع دی کہ ہوذہ مر گیا[127]"۔ اسی موقع پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ یمامہ میں ایک کذاب پیدا ہوگا، جو نبوت کا دعویٰ کرے گا۔ اور وہ میرے بعد قتل کر دیا جائے گا۔ ہوذہ ڈیڑھ سو سال کی عمر میں مرا[128]۔ یہ اشارہ مسیلمہ کذّاب کی طرف ہے جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ خلافت میں قتل کیا گیا۔

۷۔ رسول اللہ ﷺ کا خط جیفر اور عبد، شاہِ عمان کے نام

بحرین کی طرح عمان بھی عرب ہی کا ایک حصہ ہے۔ یہ مشرقی عرب میں واقع ہے۔ بحرین کی طرح یہ جگہ بھی موتیوں کی پیداوار کے لیے مشہور ہے۔ عمان کے ساحلی مقامات نہایت سر سبز و شاداب ہیں۔ عمان کے پہاڑ معدنیات سے اور اس کے دریا موتیوں سے اور اس کی وادیاں غلہ، پھل اور خوشبودار لکڑیوں سے مالا مال ہیں۔ عمان کی موجودہ آبادی آٹھ لاکھ کے قریب ہے۔ آج کل عمان کا دار السلطنت مسقط ہے جو خلیجِ عمان کے مغربی ساحل پر واقع ہے۔

بعثتِ نبوی ﷺ کے زمانے میں یہاں جیفر اور عبد دو بھائی حکمران تھے، جو جلندی کے بیٹے تھے ۔ سرورِ کائنات ﷺ نے ان دونوں بھائیوں کے نام سنہ ۸ھ میں نامہ مبارک ارسال فرمایا۔ اس سفارت کی سعادت حضرت عمرو بن العاص کے حصے میں آئی۔ جنھوں نے عمان پہنچ کر مکتوب گرامی پیش کیا[129]۔ مضمون یہ تھا:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من محمد رسول اللہ الیٰ جیفر و عبد ابنی الجلندی، سلام علیٰ من اتبع

الھدیٰ امابعد فانی ادعوکما بدعایة الاسلام، اسلما تسلما فانی رسول اللّٰہ الیٰ الناس کافة لانذر من کان حیا ویحقّ القول علی الکافرین، وانکماان اقررتما بالاسلام ولیتکما، وان ابیتما ان تقرّا بالاسلام فان ملککمازائل عنکما وخیلی تحصل بساحتکما وتظھر نبوتی فی ملککما(۱۳۰)".

(محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے، جیفر و عبد کے نام۔

اس پر سلامتی ہو جس نے راہِ راست اختیار کی، بعد ازاں میں آپ دونوں کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اسلام قبول کیجئے، اسی میں سلامتی ہے۔ اللہ نے اپنی تمام مخلوق کے لیے مجھے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے تاکہ میں خدا کے نافرمان بندوں کو خدا سے ڈراؤں اور خدا کا انکار کرنے والوں پر خدا کی حجت پوری ہوجائے۔ میری نبوّت آپ کے ملک میں پہنچنے والی ہے۔ اگر آپ دونوں نے اسلام قبول کرلیا تو آپ کا ملک بدستور آپ ہی کے پاس رہے گا اور اعراض و انکار کیا تو اپنی بادشاہت کھو بیٹھو گے۔ میرے سوار تمہاری سرزمین میں داخل ہوجائیں گے اور میری نبوّت تمہاری بادشاہت پر غالب آجائے گی)۔

خط کا نتیجہ اور اثر

دونوں بھائیوں نے سفیرِ اسلام سے اسلام سے متعلق مختلف سوالات کیے۔ پھر دونوں نے اسلام قبول کرلیا۔ نبی کریم ﷺ نے حسبِ وعدہ ان کی بادشاہت باقی رکھی۔ حضرت عمرو بن العاص کا بیان ہے کہ انہوں نے مجھے لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے وہیں مقرر کردیا۔ میں ان کے اغنیاء سے زکوٰۃ وصول کرکے ان کے فقراء میں تقسیم کردیتا تھا۔ میں وہاں مقیم رہا، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال پاک کی خبر پہنچ گئی(۱۳۱)۔

رسول اللہ ﷺ کے مکتوبِ گرامی بنام شاہِ عمان کی دریافت

اب سلطنتِ عمان سے آمدہ اطلاعات کے مطابق حضور ﷺ کا ارسال کردہ مکتوب



منذر بن ساوی کے نام

گرامی بھی دستیاب ہوگیا ہے، جسے آپ نے ساتویں صدی ھجری میں عام الوفود کے سال حضرت عمروؓ بن العاص کے ہاتھ عمان کے دونوں بادشاہوں جیفر بن جلندی و عبد بن جلندی کے پاس بھیجا تھا۔ اس خط کا مضمون بھی ان تمام خطوط سے ملتا جلتا ہے، جنھیں حضور ﷺ نے ساتویں صدی کے دوران قرب وجوار کے تمام بادشاہوں کو ارسال کیا تھا۔

اس مکتوب مبارک کا انکشاف اس وقت ہوا جب ایران میں عمان کے ایک سابق سفیر جناب اسماعیل عرب ممالک کے دورے پر روانہ ہوئے۔ اپنے اسی دورے کے دوران جب وہ لبنان پہنچے تو وہاں پر قدیم نوادرات اور آثار کے ایک عیسائی شائق نے انہیں یہ نادر مکتوب بھی دکھایا۔ جناب اسماعیل نے جب بھاری رقم کے عوض اس مکتوب کو خریدنا چاہا تو اس لبنانی عیسائی نے صاف انکار کردیا۔ اور تاریخ کے اس قدیم اور متبرک شاہکار کو کسی بھی قیمت پر جدا کرنے پر تیار نہ ہوا۔ ہاں اس نے اس کا فوٹو لینے کی ضرور اجازت دے دی۔ جس کے نتیجے میں یہ منظر عام پر آسکا۔ ورنہ اسلام کا یہ نادر شاہکار نہ جانے مزید کتنے سالوں تک دنیا کی نگاہوں سے اوجھل رہتا۔

عمان واپسی کے بعد جب اس مکتوب مبارک کا فوٹو سلطنتِ عمان کے مفتی اعظم شیخ احمد بن الخلیلی کی خدمت میں پیش کیا گیا تو انہوں نے ۱۳۹۰ سالہ مکتوب پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ درجِ ذیل حقائق کی روشنی میں یہ مکتوب بالکل اصل ہے:

۱۔ اس مکتوب کے حروف بالکل اسی طرح لکھے ہوئے ہیں جس طرح کہ حضور ﷺ کے دیگر خطوط لکھے ہوئے ہیں۔ حروف کی ترتیب اور تحریر میں کوئی فرق نہیں ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ حروف پر نقطے نہیں ہیں اور عہدِ نبوی ﷺ میں چونکہ نقطے لگانا شروع نہیں کیا گیا تھا۔ اسی وجہ سے اس مکتوب میں نقطوں کا نہ ہونا، اس کی صحت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ عربی میں نقطوں کا رواج کافی عرصہ بعد شروع ہوا تھا۔

۳۔ تیسرے یہ کہ اس میں حروف کو تجویفی (کوفی) انداز میں لکھا گیا ہے۔ جو حضور

کے عہد میں تو مروّج تھا۔ لیکن اب یہ بالکل متروک ہوچکا ہے۔

لہٰذا ان مذکورہ بالا عوامل اور حقائق کو مد نظر رکھتے ہوئے اس مکتوب کی صحت اور اصلیت میں کسی شک وشبے کی گنجائش بھی باقی نہیں رہتی۔

اس نادر مکتوب مبارک کی دستیابی سے دنیا بھر کے مسلمانوں خاص طور سے سلطنتِ عمان کے مسلمانوں میں خوشی کی ایک زبردست لہر دوڑ گئی ہے۔ اور لوگ اسے دیکھنے کے لیے جوق در جوق آتے ہیں۔ اس مکتوب مبارک کو یہاں کے تمام اخباروں نے نمایاں سرخیوں کے ساتھ شائع کیا ہے۔ کچھ اخبارات نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ سلطنتِ عمان کے سلطان قابوس بن سعید اس کو خریدنے کی کوشش کر رہے ہیں، مگر ابھی تک اس سلسلے میں انہیں کامیابی نہیں ہوئی ہے[۱۳۲]۔

۸۔ رسول اللہ ﷺ کا خط منذر بن ساویٰ فرمانروائے بحرین کے نام

بحرین کا علاقہ اس وقت ایران کے پاس تھا۔ اور مدائن سے یہاں گورنر مقرر ہوا کرتے تھے۔ طائف کے محاصرے سے فارغ ہو کر جعرانہ سے واپسی پر حضور ﷺ نے سنہ ۸ ھ میں یہاں کے حاکم منذر بن ساویٰ کے نام دعوتی و تبلیغی خط دے کر حضرت علاء بن حضرمی کو بھیجا[۱۳۳]۔ یہ خط بھی انہی خطوط کی ایک کڑی ہے، جو دوسرے بادشاہوں کو لکھے گئے۔

مکتوب گرامی کا مضمون یہ تھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہے۔ اس کے بعد تجھ کو سلامتی کی دعوت دیتا ہوں، پس تمہیں اسلام قبول کر لینا چاہیے کہ اسی میں سلامتی ہے۔ مجھے تمہارے ملک سے کوئی سروکار نہیں وہ اللہ تعالیٰ بدستور تمہارے قبضے میں رکھے گا۔ تمہیں یہ واضح ہو کہ میرا دین عرب و عجم کی حدود تک پہنچ کر رہے گا اور غالب آئے گا)۔

اللہ تعالیٰ نے منذر کو توفیق دی اور حضورﷺ کا خط پانے پر اس نے فوراً مجوسیت سے توبہ کر کے اسلام قبول کر لیا اور بحرین والوں نے بھی۔ اور بیعت کا خط لکھ دیا[۱۳۵]۔

"یارسول اللہ فانی قرأت کتابک علیٰ اھل البحرین فمنھم من احب الاسلام واعجبه و دخل فیه ومنھم من کرھه فلم یدخل فیه، وبارضی یھود و مجوس، فاحدث الیٰ امرک فی ذٰلک[۱۳۶]". (رسول اللہﷺ! میں نے آپ کے اس خط کو پڑھا ہے جو آپﷺ نے بحرین والوں کو لکھا ہے۔ بحرین والوں میں سے بعض نے اسلام کو پسند کیا اور محبوب سمجھا اور دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے اور بعض نے اسلام کو ناپسند کیا اور دائرۂ اسلام میں داخل نہیں ہوئے میری سرزمین میں مجوسی بھی ہیں اور یہودی بھی ہیں۔ آپﷺ مجھ کو ان کے بارے میں اپنے حکم سے مطلع فرمائیے)۔

حکمِ ان کے مسلمان ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس علاقے میں جتنے عرب آباد تھے، وہ بھی مسلمان ہو گئے اور ان کے ساتھ کچھ عجمی لوگ بھی اسلام لے آئے۔

علاءؓ ابن حضرمی سفیرِ رسالتﷺ جب منذر کا خط لے کر واپس حضورﷺ کی خدمت میں آئے اور وہاں کے حالات بیان کیے، تو رسول اللہﷺ نے منذر کو حسبِ ذیل فرمانِ رسالت تحریر فرمایا، جس میں انہیں بحرین کی گورنری پر بحال رکھا گیا اور غیر مسلم باشندوں سے حسنِ سلوک کی ہدایت کی گئی تھی۔

منذر بن ساویٰ کے نام دوسرا فرمانِ نبویﷺ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من محمد رسول اللہ الیٰ المنذر بن ساویٰ

معاف کرتا ہوں، پس آپ بھی ان سے در گزر کیجئے۔ اور جب تک تم اپنے آپ کو صلاحیت کا اہل بنائے رکھو گے، ہم اس میں ہاتھ نہیں ڈالیں گے، اہلِ بحرین میں جو لوگ یہودیت یا مجوسیت پر قائم رہنا چاہیں، رہیں، ان سے جزیہ لیا جائے۔ محمد رسول اللہ)۔

جزیہ اور زکٰوۃ کی جو رقم علاء بن الحضرمی نے مدینہ بھیجی، وہ ۸۰ ہزار کے قریب تھی (۱۳۸)۔

۹۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط ہلال بن امیہ رئیسِ بحرین کے نام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بحرین کے ایک دوسرے سردار ہلال بن امیہ کے نام بھی ایک دعوتی و تبلیغی مکتوب ارسال فرمایا تھا، جس کا مضمون یہ تھا:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلم انت، فانی احمدالیک اللہالذی لاالٰہ الاھو لاشریک لہ و ادعوک الی اللہ وحدہ، تو من باللہ و تطیع و تدخل فی الجماعۃ فانہ خیر لک والسلام علٰی من اتبع الھدٰی (۱۳۹)"۔

(تم سلامت رہو، میں اس خدا کی حمد بیان کرتا ہوں، جو یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں تمہیں اللہ واحد کی طرف دعوت دیتا ہوں، تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اطاعت اختیار کرو اور اسلامی مشن میں شامل ہوجاؤ۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ سلامتی ہو اس شخص پر جو ہدایات کا پیرو ہو)۔

ہلال بن امیہ کے متعلق تفصیلی معلومات حاصل نہیں ہوسکیں کہ اس نے مکتوبِ گرامی کا کیا جواب دیا۔ آیا اس نے اسلام قبول کیا یا نہیں۔

۱۰۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکتوب ہرمزان شاہِ رامہرمز کے نام

ہرمزان ایران کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ شیرویہ کا ماموں تھا۔ ایران

کے بہترین سپہ سالاروں میں شمار ہوتا تھا۔ اس کی حکومت فارس کے محدود علاقہ میں تھی۔ مکتوبِ نبوی ﷺ کون لے کر گیا۔ ہرمزان نے اس کا کیا جواب دیا اور کیا اثر لیا۔ اس کے بارے میں تفصیل کہیں بھی درج نہیں ہے۔ فتح الباری میں علامہ ابن حجرؒ نے شاہ ہرمزان کے نام بھی دعوتِ نبوی ﷺ کا ذکر کیا ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

"من محمد عبداللہ ورسولہ الٰی الهرمزان انی ادعوک الٰی الاسلام اسلم تسلم"(۱۴۰)۔ (محمد ﷺ کی طرف سے جو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہے ہرمزان کے نام۔ میں تجھ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام قبول کر لے، تاکہ دنیا اور آخرت کی سلامتی حاصل ہو جائے)۔

تاریخی واقعات یہ بتاتے ہیں کہ اس نے عہدِ نبوت میں اسلام قبول نہیں کیا، بلکہ حضرت عمر فاروقِ اعظمؓ کی خلافت کے دور میں اسلام قبول کیا تھا۔

مکتوباتِ نبوی ﷺ کے بارے میں گزارشات

حدیث و سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں ۲۲۵ کے قریب مکتوباتِ نبوی ﷺ محفوظ ہیں(۱۴۱)۔ ان میں ۱۳۹ ایسے خطوط ہیں جن کا اصل متن موجود ہے، متعدد خطوط ایسے ہیں، جن کا صرف مفہوم ذکر کیا گیا ہے۔

اس مقالہ میں ہم نے صرف چند کا ذکر کیا ہے، جن میں سے پانچ خطوط کی عصرِ حاضر میں دریافت ہو گئی ہے۔ ان میں سے پانچ کی فوٹو سٹیٹ کاپی منسلک ہٰذا ہیں۔ علاوہ ازیں ایسے مکتوباتِ نبوی ﷺ کی تعداد بھی خاصی ہے جو تقریباً ایک ہی مضمون پر مشتمل ہیں اور قریب قریب یکساں ہیں، جیسے:۔

(الف)۔ جب تک یہ لوگ نماز پڑھتے رہیں، زکوٰۃ ادا کرتے رہیں، اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے رہیں اور مشرکین سے اپنے آپ کو علیحدہ رکھیں۔ ایسے لوگ اللہ

اور رسول کی ذمہ داری میں ہیں۔

(ب) بعض میں صرف یہ ذکر ہے "اسلموا تسلموا" (ایمان لاؤ، سلامت رہو گے)۔

(ج) کچھ ایسی دستاویزیں ہیں جن میں آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو عطیات مرحمت فرمائے ہیں۔ یا ان کو ان کی قوم پر حاکم مقرر فرمایا گیا ہے۔ ایسے تمام مکتوباتِ گرامی کو مضمون کے مشترک اور ایک ہی ہونے کے باعث علٰحدہ درج نہیں کیا گیا۔

(د) علاوہ ازیں فرامینِ مقدس کی ایک بڑی تعداد ایسی بھی ہے جن کا روایات میں صرف اسی قدر تذکرہ ملتا ہے کہ بارگاہِ رسالت ﷺ سے فلاں شخص کے نام فرمان لکھا گیا۔ مگر فرمان کی عبارت کہیں مرقوم نہیں ہے۔

حوالہ جات

۱۔ الاحمدی علی بن حسین علی، مکاتیب الرسول، ص ۳۰

۲۔ مسلم بن الحجاج القشیری، الصحیح لمسلم، ج ۲، ص ۹۹

۳۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۴، ص ۲۵۴

۴۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، ج ۱، ص ۶۳، (کتاب العلم باب ۴)

۵۔ مختار الوکیل، سفراء النبی ﷺ وکتابہ ورسائلہ، ص ۲۹ (باب خاتم النبی ﷺ)

۶۔ احمد فریدون، منشآت السلاطین، ص ۳۰ تا ۳۵ = حمید اللہ ڈاکٹر، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۱۳۲

۷۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۵۸

۸۔ ابن قیم الجوزیۃ، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، ج ۱، ص ۶۰، ۶۲

۹۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۴، ص ۲۵۴

۱۰۔ الحلبی، علی بن برہان الدین، السیرۃ الحلبیۃ، ج ۲، ص ۵

۱۱۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۱۲

۱۲۔ الحلبی، علی بن برہان الدین، السیرۃ الحلبیۃ، ج ۳، ص ۲۷۵، ۲۷۷، ۲۸۱

۱۳- ابن حجر العسقلانی، فتح الباری، ج ۱، ص ۲۹

۱۴- الاحمدی، علی بن حسین علی، مکاتیب الرسول، ص ۳، ۶، ۷

۱۵- الحلبی علی بن برہان الدین، السیرۃ الحلبیہ، ج ۳، ص ۲۷۵، ۲۷۷، ۲۸۱

۱۶- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۵۸

۱۷- ابو عبید القاسم بن سلام، کتاب الاموال، ج ۱، (عدد ۵۹)

۱۸- الاحمدی علی بن حسین علی، مکاتیب الرسول، ص ۳۲

۱۹- ابن الاثیر علی بن ابی الکرم، تاریخ الکامل، ج ۲، ص ۸۱

۲۰- الصعیدی، عبد المتعال، السیاسیۃ الاسلامیۃ فی عہد النبوۃ، ص ۹

۲۱- الاحمدی علی بن حسین علی، مکاتب الرسول، ص ۱۰۹

۲۲- الزرقانی، محمد بن عبد الباقی، شرح المواہب اللدنیۃ، ج ۳، ص ۳۸۳

۲۳- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۵۹ (غسان کی ریاست عرب کے شمال اور شام کے جنوب میں واقع تھی اور اس کا پایہ تخت بصریٰ نامی ایک شہر تھا۔ یہ شہر آج کل حوران کہلاتا ہے اور دمشق کے علاقہ میں واقع ہے۔ غسان کے بادشاہ قیصرِ روم کے ماتحت تھے اور اس کی طرف سے یہاں گورنر حکومت کرتے تھے)۔

۲۴- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۵۹

۲۵- الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ۳، ص ۸۵ (۱۵۶۲)

۲۶- الزرقانی، محمد بن عبد الباقی، شرح المواہب اللدنیۃ، ج ۳، ص ۳۸۳

۲۷- العسقلانی، شہاب الدین احمد بن علی بن محمد، ابن حجر، فتح الباری، ج ۱، ص ۲۸

۲۸- الاحمدی علی بن حسین علی، مکاتیب الرسول، ص ۱۰۸

۲۹- السہیلی، عبد الرحمٰن بن عبد اللہ، الروض الانف، ج ۲، ص ۳۵۵

۳۰- الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ۳، ص ۸۶ (۱۵۶۳)

۳۱- صحیح البخاری، ج ۱، ص ۱۳۔ الطبری محمد جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ۳ ص ۸۷ (۱۵۶۴)

۳۲- البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، ج ۱، ص ۱۲

۳۳- السیوطی، عبد الرحمن بن ابی بکر، الخصائص الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۳

۳۴- البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، ج ۱، ص ۱۴

۳۵- اس فقرے سے واضح ہوتا ہے کہ یہ تبلیغی خط صرف قیصر کے نام نہ تھا بلکہ اس کے ذریعے سے قیصر کی ساری رعایا کو بھی اسلام کی طرف بلایا گیا تھا۔

۳۶- احمد بن حنبل، مسند، ج ۳، ص ۴۷

۳۷- الزرقانی، محمد بن عبد الباقی۔ شرح المواهب اللدنیۃ، ج ۳، ص ۳۸۹

۳۸- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۵۹

۳۹- السیوطی، عبد الرحمٰن بن ابی بکر، الخصائص الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۲

۴۰- الیعقوبی، احمد بن ابی یعقوب، تاریخ الیعقوبی، ج ۲، ص ۶۲

۴۱- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۷۶

۴۲- الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ۳، ص ۸۸ (۱۵۶۷)

۴۳- ابن الاثیر الجزری، علی بن ابی الکرم، تاریخ الکامل، ج ۲، ص ۸۷

۴۴- السیوطی عبد الرحمٰن بن ابی بکر، الخصائص الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۲

۴۵- ابو عبید القاسم بن سلام، کتاب الاموال، ج ۱، عدد ۵۵۔ القلقشندی، صبح الاعشیٰ، ج ۶، ص ۳۷۷

۴۶- احمد بن حنبل، مسند، ج ۴، ص ۴۷

۴۷- ابو عبید القاسم بن سلام، کتاب الاموال، ج ۱، عدد ۵۹

۴۸- الزرقانی محمد بن عبد الباقی، شرح المواهب اللدنیۃ، ج ۳، ص ۳۸۹

۴۹- الزرقانی محمد بن عبد الباقی، شرح المواهب اللدنیۃ، ج ۱، ص ۲۲۳، ۲۲۴

۵۰- الیعقوبی، احمد بن ابی یعقوب، تاریخ الیعقوبی، ج ۲، ص ۶۲

۵۱- اسلامی ڈائجسٹ "ھدیٰ" نئی دہلی، جون ۱۹۷۷ء، ص ۲۹

۵۲- روزنامہ نوائے وقت راولپنڈی، بدھ، ۱۳۔ اپریل ۷۷ء۱۹

۵۳- الاحمدی علی بن حسین علی، مکاتیب الرسول، ص ۱۰۵

۵۴- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۵۸، ۲۵۹

۵۵- الاحمدی علی بن حسین علی، مکاتیب الرسول، ص ۱۲۱

۵۶- الزرقانی محمد بن عبد الباقی، شرح المواهب اللدنیۃ، ج ۳، ص ۳۹۶

۵۷- ابن قیم، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، ج ۳، ص ۱۲۷

۵۸- الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۳، ص ۸۹۹: القلقشندی، صبح الاعشیٰ ج ۴، ص ۳۷۹

۵۹- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۵۸، ۲۵۹

۶۰- القلقشندی، ابو العباس احمد، کتاب صبح الاعشیٰ، ج ۶، ص ۳۶۶

۶۱- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ ج ۱، ص ۲۵۱، ۲۵۸

۶۲- الطبری محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ۳، ص ۸۹ (۱۵۷۰)

۶۳- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۵۸

۶۴- سواطع الانوار، ص ۸۱

۶۵- الطبری محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ۳، ص ۹۰ (۱۵۷۱)

۶۶- ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج ۳، ص ۲۰۶

۶۷- ابن قیم، زاد المعاد، ج ۲، ص ۲۳۷

۶۸- البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، ج ۱، ص ۵۴۷

۶۹- الزرقانی محمد بن عبد الباقی، شرح المواهب اللدنیۃ، ج ۳، ص ۳۴۹ - ۳۶۶

۷۰- احمد بن حنبل، مسند، ج ۵، ص ۳۷۱

۷۱- رضوی محبوب سید، مکتوباتِ نبوی ﷺ، ص ۱۲۱

۷۲- القرآن الکریم، البقرۃ (۲): ۲۵۶

۷۳- ڈاکٹر حمید اللہ، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۱۲۳، ۱۲۴

۷۴- القسطلانی، احمد بن محمد بن ابی بکر، المواهب اللدنیۃ، ج ۱، ص ۲۲۵: الحلبی، السیرۃ الحلبیہ، ج ۳، ص ۲۸۲

۷۵- دحلان احمد زینی، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۱۷۳

۷۶- الزرقانی محمد بن عبد الباقی، شرح المواهب اللدنیۃ، ج ۳، ص ۳۴۷

۷۷- ایضاً، ص۳۲۹، ۳۶۱: ابن قیم الجوزیۃ، زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، ص۱۲۸

۷۸- الحلبی علی بن برہان الدین، السیرۃ الحلبیہ، ج ۳، ص۲۸۱

۷۹- القسطلانی، احمد بن محمد بن ابی بکر الخطیب، المواہب اللدنیۃ، ج ۱، ص۲۲۵

۸۰- السیوطی، عبدالرحمٰن بن ابی بکر، الخصائص الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۲

۸۱- الحلبی علی بن برہان الدین، السیرۃ الحلبیہ، ج ۳، ص۲۸۱

۸۲- ابن قیم الجوزیۃ، زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، ج ۳، ص۱۲۹

۸۳- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص۳۱۱

۸۴- السہیلی، عبدالرحمٰن بن احمد، الروض الانف، ج ۲، ص ۳۷۳

۸۵- دحلان احمد زینی، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۱۷۴

۸۶- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۶۰

۸۷- السیوطی عبدالرحمٰن بن ابی بکر، الخصائص الکبریٰ ج ۲، ص ۱۲

۸۸- دحلان احمد زینی، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۱۷۴

۸۹- السیوطی عبدالرحمٰن بن ابی بکر، الخصائص الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۲، ۱۳

۹۰- قصرِ شاہی:- استنبول میں قصرِ شاہی کا نام توپ کاپی (TOPKAPI) یعنی "توپ کا دروازہ" ہے۔ اس محل کو سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ کی فتح کے بعد ۸۶۳ھ/۱۴۵۸ء میں تعمیر کرایا تھا۔ کافی عرصہ تک یہ محل قصرِ خلافت رہا۔ بعد میں اسے عجائب گھر میں تبدیل کر دیا گیا۔ اس عجائب گھر میں متعدد ہال ہیں۔ ایک ہال میں آنحضرت ﷺ کی دو تلواریں چاندی کے ایک صندوق میں رکھی ہوئی ہیں۔ اسی کے ساتھ سونے کے دو اور صندوق ہیں۔ ایک میں حضور ﷺ کا جبہ مبارک اور دوسرے میں آپ ﷺ کا جھنڈا ہے۔ ایک دوسرے ہال میں جسے "قاعۃ العرش" کہتے ہیں، رسولِ مقبول ﷺ کا یہ مکتوب بنام مقوقس سونے کے فریم میں رکھا ہے۔ یہ ہال میوزیم کا سب سے زیادہ مقدس حصہ سمجھا جاتا ہے۔ اس جگہ حضور ﷺ کے موئے مبارک اور مہر مبارک ہے جو گلابی رنگ کے عقیق کو تراش کر بنائی گئی ہے۔ اس کی شکل بیضوی ہے۔ میوزیم کے اس حصے میں ہر وقت سنگین پہرہ رہتا ہے۔

(مجلۃ العربی، الکویت، ماہ جنوری ۱۹۶۸ء)

۹۱- السیوطی، عبدالرحمٰن بن ابی بکر، الخصائص الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۲، ۱۳

۹۲- صدیق بن حسن، السراج الوہاج من کشف مطالب صحیح مسلم الحجاج، ج ۲، ص ۱۲۹

۹۳- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۵۹

۹۴- البخاری محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، ج ۲، ص ۱۱۵

۹۵- ابوالکلام آزاد، رسولِ رحمت ﷺ، (مقالات) ص ۳۹۳، حاشیہ

۹۶- الطبری محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ۳، ص ۹۱ (۱۵۷۱)

۹۷- الاحمدی علی بن حسین علی، مکاتب الرسول، ص ۷

۹۸- الطبری محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ۳، ص ۹۰ (۱۵۷۲)

۹۹- السہیلی عبدالرحمٰن بن احمد، الروض الانف، ج ۲، ص ۳۵۳

۱۰۰- مصطفےٰ محمد عمارہ، جواہر البخاری وشرح القسطلانی، ص ۳۷۹

۱۰۱- الطبری محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ۳، ص ۹۰ (۱۵۷۲)

۱۰۲- الحلبی علی بن برہان الدین، السیرۃ الحلبیۃ، ج ۳، ص ۲۷۸

۱۰۳- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۶۰

۱۰۴- السیوطی عبدالرحمٰن بن ابی بکر، الخصائص الکبریٰ، ج ۲، ص ۹

۱۰۵- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۶۰

۱۰۶- الطبری محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک ج ۳، ص ۹۱ (۱۵۷۴)

۱۰۷- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ ج ۱، ص ۲۶۰

۱۰۸- الطبری محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ۳، ص ۹۱ (۱۵۷۴) (۱۵۷۵)

۱۰۹- القسطلانی، احمد بن محمد، شرح المواہب اللدنیۃ، ج ۳، ص ۴۱۶

۱۱۰- ہیکل محمد حسین، ابوبکر الصدیق، ص ۱۴۹: شرح المواہب اللدنیۃ، ج ۳، ص ۴۱۶

۱۱۱- السیوطی عبدالرحمٰن بن ابی بکر، الخصائص الکبریٰ، ج ۲، ص ۹

۱۱۲- المقریزی تقی الدین احمد بن علی، امتاع الاسماع، ص ۳۰۹

۱۱۳- الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ج ۳، ص ۹۰: الزرقانی ج ۳، ص ۳۹۲

۱۱۴- الخطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ج ۱، ص ۱۳۲

۱۱۵- حمید اللہ، مقالہ آنحضرت ﷺ کا نامۂ مبارک کسریٰ کے نام ماہنامہ البلاغ کراچی، مئی ۱۹۶۸ء، ص ۱۵

۱۱۶- "رق" ایک خاص قسم کی باریک جھلی کو کہتے ہیں جو کاغذ کی ایجاد سے پہلے لکھنے کے لیے چمڑے سے تیار کی جاتی تھی۔ قدیم زمانے میں توراۃ و انجیل وغیرہ کتب رق پر لکھی جاتی تھیں۔ رق تیار کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ بھیڑ، بکری یا بچھڑے کی کھال لے کر اسے چونے میں ڈال دیتے تھے۔ اس عمل سے کھال پر سے بال اتر جاتے تھے۔ پھر اسے خشک کر کے اس پر کھریا مٹی ملتے تھے اور پتھر سے رگڑ کر اس کی سطح کو صاف اور ہموار بنا لیتے تھے۔ کاغذ میں نقص یہ تھا کہ وہ مضبوط اور پائیدار نہ ہوتا تھا اس لیے اہم دستاویزوں اور نوشتوں کے لیے صاف شدہ چمڑے کا استعمال کیا جاتا تھا عربی میں ایسے چمڑے کو رق کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے۔ (والطور و کتاب مسطور فی رق منشور) (القرآن، الطور (۵۲): ۱-۳

۱۱۷- ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں کہ جب میں نے ۱۹۵۶ء میں دیکھا تو یہ کپڑا نکال دیا گیا تھا اور صرف جھلی دو شفاف کانچوں کے بیچ میں رکھ کر بند کر دی گئی تھی۔

۱۱۸- خورد بین سے ذرا غور سے پڑھیں تو پورا لفظ "رسول اللہ" پڑھا جاتا ہے اور پانی کا اثر صرف نچلے حصے میں، اوپر سے نیچے تک جا پہنچا ہے۔ (حمید اللہ ڈاکٹر، مقالہ آنحضرت ﷺ کا نامہ مبارک کسریٰ کے نام ایک نئی دریافت، ماہنامہ البلاغ کراچی مئی سنہ ۱۹۶۸ء، ص ۱۵۔)

۱۱۹- ایضاً

۱۲۰- الحلبی علی بن برہان الدین، السیرۃ الحلبیۃ، ج ۳، ص ۲۸۷

۱۲۱- ابن قیم الجوزیۃ، زاد المعاد، ج ۱، ص ۶۲

۱۲۲- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۶۱

۱۲۳- ابن قیم الجوزیۃ، زاد المعاد، ج ۱، ص ۶۲

۱۲۴- القلقشندی، ابی العباس احمد، کتاب صبح الاعشیٰ، ج ۶، ص ۲۷۹

۱۲۵- دحلان احمد زینی، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۱۷۷

۱۲۶- الحلبی، علی بن برہان الدین، السیرۃ الحلبیۃ، ج ۳، ص ۲۸۶

۱۲۷- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۶۲

۱۲۸-
۱۲۹-
۱۳۰-
۱۳۱-
۱۳۲-
۱۳۳-
۱۳۴-
۱۳۵-
۱۳۶-
۱۳۷
۱۳۸-
۱۳۹-
۱۴۰-
۱۴۱-

۱۲۸- الحلبی علی بن برہان الدین، السیرۃ الحلبیۃ، ج۳، ص۲۸۶

۱۲۹- ابن قیم الجوزیۃ، زادالمعاد، ج۱، ص۶۲

۱۳۰- القلقشندی ابی العباس احمد، کتاب صبح الاعشیٰ، ج۶، ص۲۸۰

۱۳۱- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج۱، ص۲۶۳

۱۳۲- اسلامی ڈائجسٹ ھدیٰ، نئی دہلی (بھارت) جون ۱۹۷۷ء، ج۱، شمارہ ۱۱۲، ص۲۹ تا ۳۱

۱۳۳- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج۱، ص۲۶۳

۱۳۴- ابن طولون، محمد بن علی، اعلام السائلین، ص۷

۱۳۵- المقریزی، تقی الدین احمد بن علی، امتاع الاسماع، ج۱، ص۳۰۹

۱۳۶- ابن طولون، محمد بن علی، اعلام السائلین عن کتاب سید المرسلین، ص۶

۱۳۷ الحلبی، من انسان العیون فی سیرۃ الامین والمامون المعروفہ بالسیرۃ الحلبیۃ ج۳، ص۲۸۳، ۲۸۴

۱۳۸- فتوح البلدان، ص۱۳۰

۱۳۹- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج۱، ص۲۷۵

۱۴۰- العسقلانی ابن حجر، فتح الباری: ابن حجر، الاصابۃ، ع(۸۵۵۶)

۱۴۱- احمد فریدون، منشاٰت السلاطین، ص۳۰ تا ۳۵

آٹھواں باب

* وفود
* مدینہ میں وفود کی آمد اور عرب پر اس کے اثرات
* سفیران وفود سے سلوک
* سفیران وفود کی تعلیم و تربیت
* وفود کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت

آٹھواں باب

وفود

مدینہ میں وفود کی آمد اور عرب پر اس کے اثرات

پہلے اللہ نے رسول اللہ ﷺ کے مبارک ہاتھوں سے مکہ فتح فرمایا۔ پھر غزوہ تبوک سے آپ مظفر و منصور واپس ہوئے۔ اس سے قبل آپ ﷺ دنیا کے سلاطین و امراء کے نام اپنے مکاتیب ارسال فرما چکے تھے۔ جن میں ان کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔ ان مکاتیب کا بعض بادشاہوں نے خوش دلی اور احترام و تعظیم کے ساتھ استقبال کیا۔ بعض نے نرمی اور معقولیت کے ساتھ اس کا جواب دے دیا۔ بعض لوگ تردد اور خوف کی حالت میں رہے اور کچھ نے اس کو گستاخی کے ساتھ ردّ کر دیا اور اس کے ساتھ اہانت اور تکبر کا معاملہ کیا اور اس کی پاداش میں بلا کسی تاخیر کے اس کو اپنے ملک اور جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔ یہ وہ واقعات تھے، جن کا چرچا سارے عرب میں تھا اور ہر جگہ اس کا تذکرہ کیا جاتا تھا۔

مکہ کی فتح، سردارانِ قریش کے قبولِ اسلام اور دین کے سامنے مزاحمت و سرکشی کے سب سے بڑے قلعہ کے انہدام کا ان لوگوں پر گہرا اثر پڑا جو گومگو کی کیفیت میں تھے۔ یا اسلام کی ناکامی کا خواب دیکھ رہے تھے۔ ان واقعات نے ان کے اور اسلام کے درمیان وہ قدیم رکاوٹ دور کر دی اور ان کے اور قبولِ اسلام کے درمیان جو فاصلہ تھا وہ بہت کم رہ گیا[1]۔ مشہور محدث علامہ محمد طاہر پٹنی (متوفی سنہ۹۸۶ھ) اپنی شہرۂ آفاق کتاب "مجمع بحار الانوار" میں اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"یہ سال آمدِ وفود کا سال تھا، عرب قبائل نے اسلام کے ساتھ قریش کے معاملہ کا انتظار کیا تھا۔ اس لیے کہ وہی لوگ سب کے پیشوا تھے اور بیت اللہ کے ذمہ دار تھے۔ جب

انہوں نے اسلام کے سامنے اپنا سرِ تسلیم خم کردیا، مکہ فتح ہوگیا اور قبیلہ ثقیف نے بھی اسلام قبول کرلیا تو انہوں نے محسوس کرلیا کہ اب ان کے اندر ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں اور نہ ہی دشمنی زیادہ دیر تک چل سکتی ہے۔ اس وقت ہر طرف سے وفود کی کثرت ہوئی اور لوگ گروہ در گروہ اللہ کے دین میں داخل ہونے لگے[۲]"۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ "جب نبی کریم ﷺ نے مکہ فتح کیا اور غزوہ تبوک سے فارغ ہوگئے۔ ثقیف نے اسلام قبول کرکے بیعت کرلی تو ہر سمت سے عرب کے وفود حاضر ہوئے اور گروہ در گروہ اللہ کے دین میں داخل ہوئے۔ یہ وفد ہر طرف سے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہورہے تھے[۳]"۔

ان سب باتوں کا عربوں کے دل و دماغ پر (جو بہر حال انسان تھے) قدرتی طور پر اثر پڑا اور اس کی وجہ سے اسلام میں داخل ہونے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ان کی حاضری کا ایک دروازہ کھل گیا۔ اور تلاشِ حق میں مختلف وفود مرکزِ اسلام میں اس کثرت سے آنے لگے، جس طرح کوئی موتی کی لڑی ٹوٹ جائے اور اس کے سارے دانے اسلام کی آغوش میں آجائیں۔ خدا کی قدرت دیکھیے ایک وہ دور تھا جب اسلامی تحریک خود عوام کے قریب جاجاکر ان کو پکارتی تھی۔ اب دوسرا یہ دور ہے کہ جب عوام کے وفود خود آگے بڑھنے لگے۔ اور اسلام کے دروازے پر خود دستک دینے لگے کہ ہم اندر آنا چاہتے ہیں۔

یہ وہ دور تھا کہ جب تمام مزاحمتیں ختم ہوگئیں اور منفی رجحانات میدان چھوڑگئے۔ مگر اس دور تک پہنچنے کے لیے نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں نے بڑے بڑے جتن کیے اور خون پسینہ ایک کردیا۔

۱۔ ایک طرف فکری دعوت کے میدان میں یہ ثابت کردیا کہ دلیل کی قوت ہمارے ساتھ ہے۔

۲۔ دوسری طرف اخلاقی دائرے میں دھاک بٹھادی کہ اسلام کا بنایا ہوا انسان بہترین نمونہ

انسانیت ہے۔

۳۔ تیسری طرف سیاسی بصیرت کے لحاظ سے اپنا سکہ جمادیا کہ ہم لوگ معاملات کی گرہوں کو کھولنا باندھنا جانتے ہیں۔ اور

۴۔ چوتھی طرف میدان کارزار میں اپنا لوہا منوالیا کہ ہم مزاحمتوں سے نمٹ سکتے ہیں۔

دماغوں کو متاثر کیا گیا اور سعادت مند روحوں کو متفق بنا کر گلے لگایا گیا۔ غیر جنگ پسند قبائل کو معاہداتی نظام میں منسلک کر کے جنگ جو مخالفین کا جنگی زور توڑا گیا۔ تب کہیں جا کر وہ وقت آیا کہ عوام ہر چہار جانب سے نئے مرکزِ امید ''مدینہ'' کی طرف گامزن ہوئے۔

یہ دور اس سال سے شروع ہوتا ہے جسے ''عام الوفود'' کا عنوان دیا گیا ہے۔ یعنی وہ سال جس میں عرب کے گوشے گوشے سے قبائل نے اپنے وفود مدینہ بھیجے۔ یہ وفود اپنے اپنے علاقوں اور مرکزوں میں نئی روح سے سرشار ہو کر، ایمان کا نیا نشہ، دعوت اسلام کا نیا جذبہ، شرک و بت پرستی اور اس کے نشانات و علامات اور جاہلیت اور اس کے اثرات سے شدید نفرت لے کر واپس جاتے۔ اس کے نتیجے میں تمام عرب میں اسلام کی اشاعت ہو گئی اور ملک کا کوئی گوشہ ایسا نہ رہا، جہاں اسلام کا نام نہ پہنچ گیا ہو اور جہاں کے لوگوں نے بخوشی حضور علیہ السلام کے سامنے سر نہ جھکا دیا ہو۔ اس حالت کا نقشہ قرآن کریم نے ان الفاظ میں کھینچا ہے:

"اذا جاء نصرالله والفتح ورأيت الناس يدخلون فى دين الله افواجا" (جب اللہ کی مدد اور نصرت آ گئی اور مکہ فتح ہو گیا تو آپ نے دیکھ لیا کہ لوگ کس طرح جوق در جوق اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں)۔

یہ دور فتح مکہ کے بعد تین سال سنہ ۸، ۹، ۱۰ھ پر پھیلا ہوا ہے۔ ابن ہشام نے لکھا ہے:

''عام الوفود'' سنہ ۹ھ ہے[۴]۔

وفود کی تعداد

سیرت کی مختلف قدیم کتابوں میں مدینہ آنے والے وفود کی تعداد کم سے کم ۱۵ اور زیادہ سے زیادہ ۱۰۴ ملتی ہے۔

ابن اسحاق نے صرف پندرہ (۱۵) وفود کا حال بیان کیا ہے[۵] حافظ ابنِ قیمؒ نے ۳۴ وفود کا تذکرہ کیا ہے[۶]۔ ابن سعد نے ۷۰ وفود کا ذکر کیا ہے۔ سب سے بڑھ کر تعداد مصنف سیرتِ شامی نے ۱۰۴ تک بیان کی ہے۔

ہم ان میں سے صرف اہم اور نمایاں ۱۷ وفود کا تذکرہ کریں گے۔ ان میں سے بھی تفصیل صرف دو چار وفود کے متعلق دی جا رہی ہے۔ عام الوفود سے قبل سنہ ۵ھ میں ہی اکا دکا وفود آنے لگے تھے۔ لہذا وہیں سے آغاز کرتے ہیں۔

مدینہ میں وفود کی آمد اور سفیرانِ وفود سے سلوک

۱۔ وفد قبیلہ مزینہ

یہ بہت بڑا قبیلہ تھا اور اس کا سلسلہ نسب قریش سے مل جاتا تھا، نعمان بن مقرن مشہور صحابی اسی قبیلے سے تھے۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ قبیلہ مضر کا سب سے پہلا وفد جو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، مزینہ کے ۴۰۰ آدمیوں پر مشتمل تھا۔ یہ وفد رجب سنہ ۵ھ میں حاضر ہوا۔

یہ لوگ مشرف بہ اسلام ہو کر اپنے وطن واپس چلے گئے۔ فتح مکہ کے وقت نعمان بن مقرن قبیلہ مزینہ کے علمبردار تھے[۷]۔

۲۔ وفدِ بنو تمیم

بنو تمیم کا وفد بڑی شان و شوکت کے ساتھ دربارِ نبوی ﷺ میں آیا۔ یہ وفد قبیلہ کے بڑے بڑے امراء اور روساء پر مشتمل تھا اور سارے وفد میں اسی نوے کے قریب افراد

تھے(۸)۔ مثلاً عطارد بن حاجب، نعیم بن یزید، قیس بن حارث، قیس بن عاصم، اقرع بن حابس، حسّان بن یزید، زبرقان بن بدر اور عیینہ بن حصن وغیرہ۔

جب یہ لوگ مسجدِ نبوی میں آئے، تو نہ انہوں نے اس امر کا لحاظ کیا کہ حضور ﷺ کس درجہ اور شان کے انسان ہیں اور نہ اس بات کا خیال کیا کہ اس وقت آپ مکہ کے فاتح اور ملکِ عرب کے مالک ہیں۔ بلکہ بے تحاشا آوازیں دینی اور چیخنا شروع کیا کہ "محمد ﷺ باہر نکلیے اور ہماری بات سنیے"۔ اس موقع پر حضور ﷺ کی بجائے اگر کوئی دنیوی حکمران ہوتا تو سب ارکینِ وفد کو نہایت سخت سزائیں دیتا اور دربار سے نکلوا دیتا مگر حضور علیہ السلام انتہائی خاکساری کے ساتھ مکان سے باہر تشریف لائے اور ان سے نرمی اور ملائمت کے ساتھ پیش آئے۔ ان بے وقوفوں کے نزدیک صداقت اور سچائی کا معیار شعروشاعری اور خطابت تھی جس پر ان کو بڑا ناز تھا۔ حضور علیہ السلام کے باہر آتے ہی کہنے لگے، محمد ﷺ! ہم اس لیے آئے ہیں کہ تم سے مفاخرہ کریں۔ اگر تمہارے خطیب اور شاعر ہمارے خطیب اور شاعر سے جیت گئے، تو ہم تمہارے پیش کردہ مذہب کو قبول کرلیں گے، ورنہ نہیں۔

اگرچہ مسلمان ہونے اور اسلام قبول کرنے کے لیے یہ نہایت نامعقول شرط تھی۔ حقانیت اور صداقت اور وحدانیت ورسالت کو مفاخرت اور شعروشاعری سے کیا تعلق! مگر حضور ﷺ کو اس بات کی بڑی تڑپ تھی کہ کسی بھی ڈھب سے سہی، کوئی شخص سمجھ جائے۔ اس لیے آپ ﷺ نے جب ان لوگوں کی ایسی اوندھی سمجھ دیکھی تو محض اس خیال سے کہ ممکن ہے اسی رنگ سے یہ لوگ مسلمان ہوجائیں۔ ان کی درخواست کو قبول فرمالیا(۹)۔ جس کے بعد ان کا فصیح البیان خطیب عطارد بن حاجب کھڑا ہوا اور اپنے قبیلے کی تعریف و توصیف اور ان کے فضائل و محامد میں ایک بڑی زبردست تقریر کی۔ جس کا جواب رسول کریم ﷺ کی طرف سے ثابت بن قیس نے دیا۔

تقریروں کے بعد اشعار کا مقابلہ شروع ہوا۔ بنو تمیم کا قادر الکلام شاعر زبرقان بن بدر

اٹھا اور اپنی قوم کی شان میں ایک نہایت پر زور قصیدہ سنایا جس پر حضور ﷺ نے اپنے درباری شاعر حسان بن ثابتؓ سے ارشاد فرمایا کہ "حسان! تم اس بات کا جواب دو"۔ حسانؓ نے نہایت فصیح و بلیغ اشعار میں اس کا جواب دیا۔

جب فریقین کی طرف سے نثر و نظم میں داد فصاحت و بلاغت دی جاچکی تو معاملہ اقرع بن حابس کے سامنے پیش ہوا جس کو اسی غرض سے بنو تمیم اپنے ساتھ لائے تھے اور جو اعلے درجے کا خطیب، بڑا مشہور شاعر تھا اور جس کے فیصلے پر ساری قوم سرِ تسلیم خم کردیتی تھی اور کسی کو اس کے فیصلے پر نکتہ چینی اور حرف گیری کی جرات نہیں ہوسکتی تھی۔ اپنی خطابت اور شاعری پر اس کو اس درجہ گھمنڈ اور غرور تھا کہ اس نے مقابلہ شروع ہونے سے پہلے رسول کریم ﷺ سے کہا تھا "انّ حمدی لزین ان ذمی لشین(۱۰)"۔ (جس کی میں تعریف کردوں اس کی عزت بڑھ جاتی ہے اور جس کی مذمت کردوں اسے داغ لگ جاتا ہے)

اقرع بن حابس نے اپنا فیصلہ ان الفاظ میں سنایا:

"میں اپنے باپ کی قسم کھا کر یہ فیصلہ دیتا ہوں کہ محمد ﷺ کا خطیب اس مقابلے میں ہمارے خطیب سے بڑھ کر رہا اور مسلمانوں کا شاعر ہمارے شاعر سے افضل ثابت ہوا، ان کا کلام ہمارے کلام سے زیادہ فصیح اور ان کی زبانیں ہمارے لوگوں کی زبانوں سے زیادہ شیریں ہیں"۔

اس مفاخرہ اور مشاعرہ کے بعد بنی تمیم کے جس قدر لوگ وفد میں آئے تھے، سب کے سب مسلمان ہوگئے اور حضور ﷺ نے بہت کچھ انعام و اکرام دے کر ان کو مدینہ سے رخصت کیا(۱۱)۔

۳۔ وفدِ بنی عبدالقیس

عبدالقیس قبیلہ ربیعہ کی ایک شاخ تھا۔ اس وفد کے ارا کین کی تعداد ۲۰ تھی۔ ان کی

آمد فتح مکہ والے سال ہوئی۔ حضور ﷺ نے ان کو خوش آمدید کہا۔ وفد کی طرف سے درخواست کی گئی کہ چونکہ ہمارا علاقہ دور ہے اور راستے میں کفارِ مضر کی آبادیاں ہیں، اس لیے ہم چار مہینوں کے علاوہ سفر نہیں کرسکتے۔ لہذا ہم کو چند متعین باتیں بتادیجیے، جن پر ہم کار بند رہیں۔ اور اپنے لوگوں کو بتائیں۔ آپ ﷺ نے توحید، نماز، روزہ اور ادائے خمس کی تلقین فرمائی اور شراب سازی سے بچنے کے لیے چار قسم کے مروج شراب کے برتن دبّاء، حنتم، نقیر، مزفّت کا استعمال ممنوع فرمایا۔

وفد کے لوگ بحرین کی جاہلی ثقافت کے متعلق حضور ﷺ کی معلومات سن کر بڑے حیران ہوئے۔ آخر نظامِ حیات کو زیروزبر کردینے والی تحریک کا سربراہِ کار، زیرِ دعوت علاقوں کے حالات سے بے خبر رہ کر کام کیسے چلاسکتا ہے۔ حضور ﷺ کی معلومات تو ذاتی سفروں سے ماخوذ تھیں اور پھر مکہ اور مدینہ کے مرکزی مقامات پر گوشے گوشے کے لوگ آتے تھے۔ اور ان سے بہت کچھ حالات علم میں آتے تھے[۱۲]۔

اس وفد میں جارود بن بشر بھی تھے۔ جارود مسیحی تھا۔ اس نے عرض کیا کہ میں ایک مذہب پر چل رہا ہوں۔ اسے چھوڑ کر اگر آپ ﷺ کے دین پر آؤں تو کیا آپ ﷺ ضامن بنتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ "ہاں میں ضامن ہوں"۔ کیونکہ جس دین کی طرف میں دعوت دیتا ہوں۔ یہ تمہارے مذہب سے افضل ہے۔ جارود فوراً مسلمان ہوگیا۔ اور اس کے ہم مذہب ساتھی بھی حلقہ اسلامی میں داخل ہوگئے[۱۳]۔

جس شب یہ لوگ آئے تھے، اس کی صبح کو رسول اللہ ﷺ نے افق کی طرف دیکھ کر فرمایا تھا کہ ضرور ضرور مشرکین کی ایک جماعت آئے گی، جن کو اسلام پر مجبور نہیں کیا گیا ہے، جنہوں نے اونٹوں کو چلاتے چلاتے تھکا کر دبلا کردیا ہے اور زادِ راہ کو ختم کردیا ہے۔ اے اللہ عبدالقیس کی مغفرت فرما۔ وہ میرے پاس مال مانگنے نہیں آئے۔ وہ اہلِ مشرق میں سب سے بہتر ہیں[۱۴]۔

غور فرمائیے اسلام کی صداقت کے سامنے کس طرح لوگ جھک رہے ہیں اور جوق در جوق اسلام کے دائرہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کی سچائی کس قدر غالب ہے۔

وفد عبدالقیس کو خطاب کرتے ہوئے رئیس وفد عبداللہ بن عوف الاشج سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

''اے عبداللہ! تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں، جن کو اللہ پسند کرتا ہے۔ عبداللہ نے کہا کہ وہ کون سی ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ حلم اور وقار۔ انہوں نے عرض کیا کہ یہ چیز پیدا ہوگئی ہے یا میری خلقت اسی پر ہوئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری خلقت اسی پر ہوئی ہے[15]''۔

اس سے معلوم ہوا کہ وفد کے ساتھ خوب کھل مل کر باتیں کرنی چاہئیں تاکہ انہیں اس بات کا احساس ہو کہ انہیں اہمیت دی جارہی ہے۔

حضور ﷺ نے وفد کے لوگوں کے لیے انعامات کا حکم دیا۔ رئیسِ وفد عبداللہ الاشج کو سب سے زیادہ دلایا۔ انہیں ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی مرحمت فرمائی اور منقذ بن حیان کے چہرے پر دستِ مبارک پھیرا[16]۔

۴۔ نمائندہ بنو سعد بن بکر

بنو سعد بن بکر نے ضمام بن ثعلبہ کو حضور ﷺ کی خدمت میں اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا[17]۔ یہ شتر سوار عجیب سادہ دیہاتی انداز سے مسجدِ نبوی ﷺ میں داخل ہوا۔ اور صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ تم میں سے عبدالمطلب کا فرزند کون ہے؟ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف اشارہ کیا۔ کہ وہ رسولِ خدا ہیں، پاس پہنچا اور کہا۔ ''اے عبدالمطلب کے بیٹے! کچھ باتیں سختی سے پوچھوں گا، برا نہ منانا''۔ حضور ﷺ نے اجازت دی۔ پھر اس نے قسم دلا کر دین

کی چند بنیادی باتوں (توحید، رسالت، نماز، حج وزکوٰۃ وغیرہ) کے بارے میں پوچھا کہ کیا آپ ﷺ ایسا کہتے ہیں۔ حضور ﷺ تصدیق فرماتے گئے۔ سارے جواب لے کر کہا۔ میرا نام ضمام بن ثعلبہ ہے۔ مجھ کو میری قوم نے بھیجا ہے۔ میں جاتا ہوں اور جو کچھ آپ ﷺ نے بتایا ہے، اس میں "لا ازید ولا انقص". (نہ میں ذرہ بھر اضافہ کروں گا اور نہ کمی)

اور اونٹ پر سوار ہو کر روانہ ہو گیا۔ اس کے جانے کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا:-

"ان صدق ذوالعقیصتین دخل الجنة". (اگر اس دراز گیسو والے نے سچ کہا ہے تو جنت میں داخل ہو گا)

واپس جا کر اس نے قوم میں طوفانی انداز سے دعوت دی کہ لوگو! میں خدا اور اس کے رسول پر ایمان لایا ہوں۔ لات وعزیٰ وغیرہ کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ لوگوں نے ڈرایا کہ تم پر ایسی باتوں کی وجہ سے ان بتوں کی مار نہ پڑ جائے اور جنون اور جذام نہ ہو جائے۔ ضمام نے کہا "خدا کی قسم! یہ نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ ضرر"۔ شام ہونے سے قبل سارا قبیلہ سفارتی و تبلیغی مشن میں شامل ہو گیا[۱۸]۔

۵- وفدِ اشعریین

اشعریین کا وفد پچاس آدمیوں پر مشتمل تھا، جن میں مشہور صحابی حضرت ابو موسیٰ اشعری بھی تھے اور ان کے ہمراہ قبیلہ عک کے بھی دو آدمی بطور وفد تھے۔ رسول کریم ﷺ اس وقت خیبر کے سفر میں تھے۔ یہ لوگ خدمتِ نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر قدم بوس ہوئے۔ بیعت کی اور اسلام لائے[۱۹]۔

۶- وفدِ دوس

قبیلہ دوس کے ۷۰ یا ۸۰ آدمی حضرت طفیل بن عمرو الدوسی کی تبلیغ سے مسلمان ہو کر غزوہ خیبر کے موقع پر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آنحضور ﷺ کے

نہایت مشہور صحابی اور حضور علیہ السلام سے سب سے زیادہ روایت کرنے والے حضرت ابوہریرہؓ بھی اس وفد میں شامل تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کے مال غنیمت میں سے ان لوگوں کو بھی حصہ عطا فرمایا[۲۰]۔

۷۔ وفدِ بنی ہمدان

فتح مکہ کے بعد ابھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہیں مقیم تھے کہ بنی ہمدان کا ایک شخص قیس بن مالک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اسی کی قوم کی طرف تبلیغ کرنے کے لیے بھیج دیا۔ اس کی کوشش سے تھوڑے ہی دنوں میں سارا قبیلہ اسلام لے آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیس کی تبلیغی خدمت سے نہایت خوش ہوئے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو تین سو فرق (یمن کا ایک پیمانہ) ہمیشہ کے لیے مرحمت فرمادیے، جو ان کو باقاعدہ ملتے رہے، اس طرح کہ ایک سو فرق گیہوں، ایک سو فرق جوار اور ایک سو فرق کشمش۔ بعد میں ایک وفد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بنی ہمدان کا آیا تھا جس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ہمدان کیا ہی اچھا قبیلہ ہے۔ مدد پر سبقت کرنے والا اور مصیبت پر صبر کرنے والا ہے[۲۱]۔

۸۔ وفدِ ثمالہ والحدان

عبداللہ بن انس اشمالی اور مُسلِیَہ بن ہُزّان الحدانی اپنی اپنی قوم کے ساتھ فتح مکہ کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے اور اپنی قوم کی طرف سے بھی بیعت کی[۲۲]۔

۹۔ وفدِ ثعلبہ

بنو ثعلبہ کے چار آدمی فتح مکہ کے بعد سنہ ۸ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مدینہ حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہم اپنی قوم کے نمائندہ بن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے

ہیں اور ہم اور وہ سب اسلام کا اقرار کرتے ہیں۔ حضور ﷺ نے چند دن تک چاروں کو مہمان رکھا اور روانگی کے وقت حضرت بلالؓ نے ہر ایک کو پانچ پانچ اوقیہ چاندی دی (۲۳)۔ (حضرت بلالؓ آنحضرت ﷺ کے خزانچی تھے)

۱۰۔ وفدِ بنی قشیر

غزوہ حنین کے بعد بنی قشیر کی طرف سے ثور بن عروہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے اور پھر اسلام کا پیغام لے کر اپنی قوم کی طرف واپس گئے۔ نبی کریم ﷺ نے ان کو بطور انعام ایک قطعہ زمین مرحمت فرمایا۔ اس قبیلے میں سے قرہ بن حسیرہ بھی ثور بن عروہ کے ساتھ ہی اسلام لائے۔ حضور ﷺ نے ان کو ایک چادر اوڑھائی (۲۴)۔

۱۱۔ وفدِ صداء

یہ وفد جو پندرہ آدمیوں پر مشتمل تھا۔ سنہ ۸ھ میں جعرانہ سے واپسی کے وقت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لایا۔ اور اپنی قوم کے باقی ماندہ لوگوں کی طرف سے بھی اسی وفد نے بیعت کی۔ اس وفد کی واپسی پر سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا اور سو آدمی حضور ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع میں شامل ہوئے (۲۵)۔

۱۲۔ وفدِ بنی اسد

بنی اسد بن خزیمہ کے دس گروہ سنہ ۹ھ کی ابتداء میں اسلام لانے کے بعد مدینہ آئے۔ یہ وہ گروہ تھے جو قریش کی طرف داری میں بارہا مسلمانوں پر حملہ کر چکے تھے اب جبکہ قریش کا دور ختم ہو گیا تو ان قبیلوں کو اسلام لانے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ ان کے بعض ممتاز افراد یہ تھے۔ حضرمی بن عامر، ضرار بن الازور، وابصہ بن معبد، قتادہ بن القائف، مسلمہ بن حبیش، نقادہ بن عبداللہ اور طلحہ بن خویلد (۲۶)۔

یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر بڑے فخر سے بطور احسان کہا کہ اگرچہ آپ ﷺ نے اپنا کوئی داعی اور مبلغ ہماری طرف نہیں بھیجا، مگر ہم نہایت تاریک راتوں میں دور دراز کا سفر کر کے ایسی حالت میں آپ ﷺ کے پاس اسلام قبول کرنے آئے ہیں۔ جبکہ ہمارا سارا علاقہ سخت قحط کی مصیبت میں مبتلا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات ناگوار گزری اور اس نے فرمایا:

"یمنون علیک ان اسلموا قل لاتمنوا علی اسلامکم بل اللّٰہ یمن علیکم ان ھداکم للایمان ان کنتم صادقین"(۲۷). (اے نبی! یہ لوگ تم پر اپنے اسلام کا احسان رکھتے ہیں۔ تو تم اُن سے یہ بات کہہ دو کہ اپنے اسلام لانے کا احسان مجھ پر نہ رکھو بلکہ خدا کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تم کو ایمان لانے کی توفیق دی، اگر تم اپنے قول میں سچے ہو۔)

اس کے بعد ان لوگوں نے اسلام قبول کیا اور اپنی قوم کی طرف اسلام کا پیغام لے کر واپس چلے گئے۔

۱۳۔ وفدِ بنی عبس

بنی عبس میں سے نو شخص بطور وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جن کے نام ابن سعد نے یہ لکھے ہیں۔

میسرہ بن مسروق، حارث بن ربیع، قنان بن دارم، بشر بن حارث، ھدم بن مسعدہ، سباع بن زید، ابوالحصن بن نعمان، عبداللہ بن مالک اور فروہ بن الحصین۔ یہ سب لوگ اسلام لائے اور نبی کریم ﷺ نے ان کے لیے استقامت اور خیر کی دعا مانگی(۲۸)۔

۱۴۔ وفدِ بنی فزارہ

جب نبی کریم ﷺ سنہ ۹ھ میں جنگ تبوک سے واپس مدینہ تشریف لائے، تو بنی فزارہ کے ۱۹ اشخاص کا ایک وفد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا۔ اور اسلام قبول کیا۔

حضور ﷺ نے ان سے ان کے شہروں کا حال دریافت کیا تو انہوں نے بیان کیا کہ سخت قحط سالی ہے اور ہم لوگ نہایت مصیبت میں مبتلا ہیں۔ اس پر حضور ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی جس کے نتیجے میں اتنی زبردست بارش ہوئی کہ چھ دن تک سورج نظر نہیں آیا[۲۹]۔

۱۵- وفدِ ذی مرہ

یہ وفد بھی جنگِ تبوک کے بعد سنہ ۹ ھ میں مدینہ میں آیا، رئیسِ وفد حارث بن عوف تھے۔ یہ وفد تیرہ آدمیوں پر مشتمل تھا۔ اسلام لانے کے بعد انہوں نے بھی قحط کی شکایت کی اور ان کے لیے بھی حضور ﷺ نے دعا فرمائی اور اسی دن ان کے وطن میں بارش ہوئی۔ حضور ﷺ نے وفد کے ہر رکن کو دس دس اوقیہ چاندی بطور انعام مرحمت فرمائی۔ حارث بن عوف رئیسِ وفد کو بارہ اوقیہ دی[۳۰]۔

۱۶- وفدِ کلاب

یہ ۱۳ آدمیوں کا وفد تھا، جو سنہ ۹ ھ میں مدینہ آیا۔ جب رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کی کہ ہمیں خدا کی وحدانیت اور آپ ﷺ کی رسالت کی تبلیغ، آپ کے بھیجے ہوئے مبلغ ضحاک بن سفیان نے کی اور ہم نے اسے قبول کیا اور اسلام لے آئے۔ انہوں نے ہمارے امراء سے زکوٰۃ وصول کی اور ہمارے غرباء میں بانٹ دی۔ اب ہم حضور ﷺ کی خدمت میں آئے ہیں تاکہ ذاتی طور پر آپ ﷺ کی بیعت کریں[۳۱]۔

۱۷- وفد رواس بن کلاب

اس قبیلے کا ایک معزز شخص عمرو بن مالک آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوا۔ اور واپس جا کر اپنے قبیلے کو اسلام کی دعوت دی[۳۲]۔

۱۸- وفد عقیل بن کعب

اس قبیلے کے تین آدمی ربیع، مطرف، انس بطور نمائندہ آنحضرت ﷺ کی خدمت

میں حاضر ہوئے اور اپنی اور اپنی قوم کی طرف سے بیعت کی۔ حضور ﷺ نے ان کو مقام عقیق اس شرط پر مرحمت فرمایا کہ نماز پڑھتے رہیں، زکوٰۃ دیتے رہیں اور اطاعت و فرماں برداری پر قائم رہیں۔ ان کے علاوہ اس قبیلے کے دیگر افراد بھی وقتاً فوقتاً مدینہ آتے اور اسلام قبول کرتے رہے، جب اس قبیلے کا ایک شخص ابو حرب بن خویلد آپ ﷺ کی خدمت میں آیا اور آپ ﷺ نے اس کو نہایت اچھی طرح اور بہت کھول کر تبلیغ کی، اس کو قرآن کریم کی آیات پڑھ کر سنائیں اور اس کے سامنے اسلام کو پیش کیا تو اس تمام جدوجہد کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس نے کہا میں تیروں کے ذریعے سے فال دیکھتا ہوں۔ اگر فال تمہارے حق میں نکلی، تو میں تم پر ایمان لے آؤں گا۔ چنانچہ اس نے فال دیکھی اور فال دینِ اسلام کے حق میں نکلی، جس پر وہ مسلمان ہو گیا[۳۳]۔

۱۹- وفدِ بنی جعدہ

بنی جعدہ میں سے رقاء بن عمرو بطور وفد اپنے قبیلے کی طرف سے آئے اور مسلمان ہو گئے۔ پھر واپس جا کر اپنے قبیلے میں اسلام کو پھیلایا۔ آنحضور ﷺ نے مقامِ خلج میں انہیں ایک جائیداد عطا کی تھی[۳۴]۔

۲۰- وفدِ بنی البکاء

سنہ ۹ھ میں بنی البکاء کے تین آدمی بطور وفد آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے۔ پھر اس کے بعد اپنی قوم میں واپس چلے گئے۔ ان کے نام یہ تھے۔ معاویہ بن ثور جس کی عمر سو برس کی تھی مع اپنے لڑکے بِشر اور عبد عمرو، حضور ﷺ نے ان کی بہت اچھی طرح مہمان داری کی اور چلتے وقت ان کو انعامات عطا فرمائے[۳۵]۔

۲۱- وفدِ بنی کنانہ

بنی کنانہ کی طرف سے واثلہ بن الاسقع، العیشی بطور وفد مدینہ میں اس وقت پہنچے، جب

رسول کریم ﷺ جنگِ تبوک کی تیاری فرمارہے تھے، حضور علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو اور کس ضرورت سے آئے ہو؟ انہوں نے اپنا حسب نسب بتلایا اور عرض کی کہ اسلام لانے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ آپ ﷺ نے ان سے بیعت لی اور یہ واپس اپنے قبیلے میں اشاعتِ اسلام کے لیے چلے گئے۔ مگر پھر فوراً ہی واپس آئے اور جنگِ تبوک میں شامل ہوئے (۳۶)۔

۲۲۔ وفدِ بنی باہلی

بنی باہلی کے وفد دو مرتبہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے۔ ایک مرتبہ ان کے قاصد مطرف بن الکاہن الباہلی تھے۔ یہ دونوں خدمتِ نبوی ﷺ میں آکر مسلمان ہوئے اور اپنی قوم کی طرف اسلام اور امن کا پیغام لے کر گئے (۳۷)۔

۲۳۔ وفدِ بنی سلیم

الف: بنی سلیم کے ایک فرد قیس بن نسیبہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور آپ ﷺ سے چند باتیں دریافت کیں۔ آپ ﷺ نے نہایت اخلاق کے ساتھ ان کے جواب دئیے اور اس کے بعد حضور ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو وہ اسلام لے آئے۔ جب وہ اپنی قوم بنی سلیم کے پاس گئے تو قوم سے کہا "بھائیو میں نے روم کا کلام، فارس کی باتیں، عرب کے اشعار، کاہنوں کی پیشگوئیاں اور قبیلہ حمیر کے نامور مقررین کی تقریریں سنی ہیں، مگر محمد ﷺ کا کلام ان میں سے کسی کے بھی مشابہ نہیں، لہٰذا تم لوگ میری پیروی کرو اور سب کے سب جلدی سے اسلام لے آؤ۔ چنانچہ ان کی تبلیغ سے قبیلے کے بہت سے لوگ اسلام لے آئے۔ یہاں تک کہ ۷۰۰ آدمی اس قبیلے کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر جنگ میں شامل ہوئے۔ بعض لوگ یہ تعداد ایک ہزار بتاتے ہیں (۳۸)۔

ب: بنو سلیم کے اسلام لانے کی دوسری روایت ابن سعد نے یہ لکھی ہے کہ بنی سلیم نے اپنے ایک شخص قدر بن عمار کو قاصد بنا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ انہوں نے یہاں آکر اسلام قبول کیا۔ اور حضور ﷺ سے وعدہ کیا کہ وہ اپنی قوم کے ایک ہزار شہسواروں کو جہاد کے لیے آپ ﷺ کی خدمت میں لائیں گے۔ انہوں نے واپس آکر نہایت زبردست طریقے سے اپنی قوم میں تبلیغ شروع کی اور بہت جلد ایک ہزار آدمی ایسے تیار کر لیے جو میدان میں دادِ شجاعت دے سکیں۔ ابھی یہ اس لشکر کو آنحضور ﷺ کی خدمت میں روانہ کرنے نہیں پائے تھے کہ پیغامِ اجل آگیا۔ اور یہ لشکر بعد میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔

ج: اس قبیلے کے بت خانہ کے مہتمم اعلیٰ راشد بن عبدربہ نے ایک روز دیکھا کہ بت خانے کے صنم اکبر پر دو لومڑیاں پیشاب کر رہی ہیں۔ انہوں نے فوراً اس بت کو توڑ ڈالا اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ انہی کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ بنی سلیم میں سب سے بہتر شخص راشد ہیں[۳۹] (بنی سلیم کے مسلمان ہونے کے بعض واقعات فتح مکہ سے پہلے کے ہیں اور بعض بعد کے، ہم نے تسلسلِ بیان کی خاطر سب کو ایک ہی جگہ لکھ دیا ہے)۔

۲۴۔ وفدِ ھلال بن عامر

بنی ھلال کی ایک جماعت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائی۔ ان کے سردار عبد عوف بن اصرم تھے حضور ﷺ نے ان کا نام بدل کر عبداللہ رکھ دیا[۴۰]۔

۲۵۔ وفدِ بنی عامر بن صعصعہ

اس قبیلے کے دو سردار عامر بن طفیل اور اربد بن ربیعہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عامر نے کہا اگر میں اسلام لے آؤں، تو میرے کیا حقوق ہوں گے۔ حضور ﷺ

نے جواب دیا۔ "جو سب مسلمانوں کے ہیں"۔ اس پر وہ کہنے لگا آپ ﷺ کے بعد خلافت میرے لیے ہو سکتی ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا۔ "میری خلافت نہ تجھے مل سکتی ہے نہ تیری قوم کو"۔ آخر میں اس نے مطالبہ کیا کہ اچھا شہروں کی حکومت آپ ﷺ لے لیں۔ دیہات کی حکومت مجھے دے دیں۔ حضور ﷺ نے اسے بھی منظور نہیں فرمایا۔ جس پر عامر یہ کہتا ہوا واپس چلا گیا کہ "مجھ میں یہ طاقت ہے کہ پیادوں اور سواروں سے آپ ﷺ پر عافیت تنگ کردوں"۔

عامر کو اس گستاخی کی سزا بہت جلد مل گئی۔ اس کی زبان اس کے حلق میں بکری کے تھن کی طرح سوج کر لٹک گئی اور اسی میں وہ ہلاک ہو گیا اور اربد پر بجلی گری اور اس کا خاتمہ ہو گیا۔

بعد میں اس قبیلہ کے لوگ خدمتِ نبوی ﷺ میں آئے اور اسلام قبول کیا[۴۱]۔

(ابن خلدون لکھتا ہے کہ در اصل یہ دونوں سردار آنحضرت ﷺ کے قتل کا مشورہ کرکے آئے تھے۔ مگر اس پر قادر نہ ہو سکے[۴۲])۔

۲۶۔ وفدِ ثقیف

ثقیف طائف کا نہایت نامور اور زبردست قبیلہ تھا، جو بہادری میں تمام عرب میں مشہور تھا، حضور نبی کریم ﷺ نے اس کے لیے دعا فرمائی تھی "اللهم اهد ثقيفاً وأت بهم"[۴۳]. (اے اللہ ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو میرے پاس بھیج)۔

ثقیف میں سے سب سے پہلے عروہ بن مسعود اسلام لائے تھے۔ یہ صلح حدیبیہ میں قریش مکہ کے وکیل تھے۔ غزوہ ہوازن کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے اور آپ ﷺ سے ثقیف میں اسلامی مشن کو جاری رکھنے کی اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری قوم تمہارے ساتھ جنگ کرے گی۔ انہوں نے عرض کی کہ وہ میرے ساتھ اپنے اکلوتے بیٹوں سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔ عروہ نے اصرار کیا تو حضور ﷺ نے اجازت دے دی۔ عروہ

نے واپس جا کر اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی۔ لیکن ان ظالموں نے دوسرے دن باہم مشورہ کر کے ان کو نماز کی حالت میں شہید کر دیا۔ عروہ کا خون رنگ لایا اور کچھ عرصہ کے بعد جبکہ حضور ﷺ تبوک سے مدینہ واپس آرہے تھے۔ رمضان سنہ ۹ھ کو ثقیف کا وفد عبد یالیل کی سربراہی میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا[۴۴]، بیعت کی اور اسلام قبول کیا۔ یہ وفد ۱۹ افراد پر مشتمل تھا[۴۵]۔ وفد میں کنانہ بن عبد یالیل، ربیعہ بن عبد یالیل، شرجیل بن غیلان بن سلمہ، حکم بن عمرو، عثمان بن العاص اور نمیر بن خرشہ وغیرہ شامل تھے۔ عبد یالیل نے ان افراد کو اپنے ساتھ حفظ ما تقدم کے طور پر لیا تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ لوٹنے کے بعد عروہ بن مسعود جیسا سلوک اس سے بھی نہ کیا جائے، لیکن اسی طرح ہر نمائندہ اپنے اپنے قبیلے کا تعاون حاصل کر لے گا۔

یہ لوگ ظہر کی نماز کے وقت پہنچے تو سب سے پہلے ان کو مغیرہ بن شعبہ ملے۔ جنہوں نے ان کو حضور ﷺ کو سلام کرنے کا طریقہ سکھایا، لیکن انہوں نے جاہلیت کی طرز پر ہی حضور ﷺ کو سلام کیا۔ ان کے خیمے ان کی حسبِ منشا مسجد کے صحن میں لگائے گئے[۴۶]۔ تاکہ وہ قرآن مجید بھی سن سکیں۔ حضور ﷺ کو ان لوگوں کے آنے کی بہت خوشی ہوئی[۴۷]۔

حضور ﷺ اور وفدِ ثقیف کے درمیان گفتگو کا واسطہ خالد بن سعید بن العاص بنے ہوئے تھے، حضور ﷺ نے ان کے لیے قوم، بلاد اور مال و جائیداد کے بارے میں خالد سے تحریر لکھوائی۔

دورانِ گفتگو جب کھانے پینے کی اشیاء آتیں، تو وفد کے ارکان اس وقت تک اس کو ہاتھ نہ لگاتے جب تک کہ خالد کچھ کھا نہ لیتے۔

اب باقاعدہ مذاکرات کا دور شروع ہوا، تو وفد نے مطالبہ کیا کہ لات کو ان کے لیے چھوڑ دیں اور اسے تین سال تک نہ توڑا جائے۔ حضور ﷺ نے انکار کر دیا۔ انہوں نے دو

سال اور پھر ایک سال کا مطالبہ کیا۔ لیکن آپ ﷺ نے مسلسل انکار کیا، وفد نے ایک مہینہ کا مطالبہ کیا تو آپ ﷺ نے پھر انکار کیا۔ البتہ یہ مان لیا کہ ان کے ساتھ ابو سفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ جائیں گے جو اسے توڑیں گے۔ وفد نے اسلام قبول کرنے سے قبل نماز کی بھی معافی چاہی تو حضور ﷺ نے فرمایا! "لاخیر فی دین لاصلوٰۃ فیه". (جس مذہب میں نماز نہیں اس میں کوئی خوبی نہیں)

وفد نے یہ بھی مطالبہ کیا تو اچھا ہمیں جہاد اور زکوٰۃ سے مستثنیٰ فرمایا جائے۔ حضور ﷺ نے یہ شرط قبول فرمالی۔ اور صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ اسلام کے اثر سے یہ خود ہی دونوں فرائض انجام دینے لگیں گے۔ واپسی پر حضور ﷺ نے عثمان بن العاص کو ان کا امام مقرر فرمایا اور تاکید فرمائی:۔

''نماز اس طرح پڑھانا کہ اپنے پیچھے ضعیف، بوڑھے، کمزور، بچے اور ضرورت مندوں کی بھی رعایت کرنا''۔

آپ ﷺ نے مغیرہ بن شعبہ کو بھی حکم دیا کہ وہ بت کو جا کر توڑ دیں۔ انہوں نے بت توڑ دیا۔ اس میں سے بہت سا مال حاصل ہوا(۴۸)۔

۲۷۔ وفدِ بکر بن وائل

بنی بکر بن وائل کے وفد میں یہ لوگ شامل تھے۔ بشیر بن خصاصیہ، عبداللہ بن مرثد اور حسان بن حَوط، یہ اسلام لاکر اپنے قبیلے میں واپس چلے گئے(۴۹)۔

۲۸۔ وفدِ بنی تغلب

یہ وفد ۱۶ آدمیوں پر مشتمل تھا، جو خدمتِ نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے(۵۰)۔

۲۹۔ وفدِ بنی شیبان

اس وفد کے افراد نے مدینہ میں حاضر ہو کر اپنی اور اپنے تمام قبیلے کی طرف سے بیعت

کی اور پھر واپس چلے گئے۔ اس وفد کے ایک رکن حرملہ نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ آپ ﷺ مجھے کیا عمل کرنے کا حکم دیتے ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا "یہ کہ نیکی پر عمل کرو اور بدی سے پرہیز کرو"(۵۱)۔

۳۰۔ وفدِ بنی طے

بنی طے یمن کا نہایت نامور قبیلہ تھا۔ اس قبیلے کے روساء زید الخیل اور عدی بن حاتم تھے۔ دونوں کے حدودِ مملکت الگ الگ تھے۔

زید الخیل نہایت مشہور شاعر، اعلےٰ درجے کے خطیب اور نہایت خوش جمال شخص تھے، سنہ ۹ھ میں پندرہ آدمیوں کے وفد کے ساتھ خدمتِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے۔ رسول کریم ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے مع اپنے تمام ساتھیوں کے دلی صدق اور اخلاص کے ساتھ اسلام قبول کیا۔ حضور ﷺ نے وفد کے ہر ایک فرد کو پانچ پانچ اوقیہ چاندی مرحمت فرمائی۔ سردار قبیلہ کو ساڑھے بارہ اوقیہ عطا فرمائی اور ان کا نام زید الخیر رکھ دیا(۵۲)۔

۳۱۔ وفدِ بنی تجیب

یہ وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں سنہ ۹ھ میں آیا۔ وفد میں کل تیرہ آدمی تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے انہیں مرحبا کہا، اچھی جگہ ٹھہرایا۔ اور حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ خوب اچھی طرح ان کی مہمانداری کریں، ان کو بہت اچھی طرح انعامات دیں۔ یہ سب لوگ اسلام لائے اور نہایت خوش خوش واپس گئے۔

جب حضور ﷺ کے حکم سے حضرت بلالؓ ان کو انعامات تقسیم کر رہے تھے۔ تو حضور ﷺ نے امیر وفد سے پوچھا کہ تمہارا کوئی آدمی ایسا تو نہیں رہا جس کو انعام نہ ملا ہو۔ ...ں سے عرض کی۔ جی ایک لڑکا رہ گیا ہے، جس کو ہم اپنے اسباب کی نگہبانی کے لیے

چھوڑ آئے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اسے بھی بلاؤ۔ جب وہ لڑکا آیا تو کہنے لگا۔ آپ نے میرے ساتھیوں کی ضروریات پوری کی ہیں۔ میری بھی حاجت پوری فرمائیں۔ حضور ﷺ نے پوچھا کہ تمہاری کیا حاجت ہے۔ لڑکے نے جواب دیا۔ حضور ﷺ میری حاجت یہ ہے کہ آپ ﷺ میرے لیے خدا سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھ پر ہمیشہ اپنی رحمت نازل رکھے۔ میری مغفرت فرمائے اور مجھے دل کی امیری مرحمت فرمائے۔ حضور ﷺ کو اس لڑکے کی ذہانت، اس کی دین داری اور اس کے اخلاص پر تعجب ہوا، آپ ﷺ نے اس کے حق میں دعا فرمائی۔

جب حجتہ الوداع میں اس قبیلے کے سولہ آدمی رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سے اس لڑکے کے متعلق دریافت فرمایا۔ انھوں نے عرض کی کہ:

"جو کچھ اللہ اسے دے دے، اس پر اس سے زیادہ قناعت کرنے والا ہم نے کوئی اور نہیں دیکھا"۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا، میں اللہ تعالیٰ سے آرزو کرتا ہوں کہ ہم سب کا خاتمہ اسی طرح ہو"[۵۳]۔

۳۲۔ وفدِ بنی مراد

اس قبیلہ کی طرف سے فروہ بن مسیک المرادی بطور وفد رسول کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اسلام لائے۔ رسول کریم ﷺ نے انہیں بارہ اوقیہ چاندی دی۔ ایک اعلیٰ درجے کا اونٹ، عمان کا ایک جوڑا پہننے کے لیے عطا فرمایا اور مراد، مذحج اور زبید کے قبائل پر ان کو سردار مقرر کیا[۵۴]۔

۳۳۔ وفدِ زبید

عمرو بن معدی کرب قبیلہ زبید کے دس آدمیوں کے ساتھ بطور وفد مدینہ آیا۔ اور

اسلام قبول کیا۔ رسول کریم ﷺ نے وفد کے ہر فرد کو انعامات مرحمت فرمائے اور واپسی کا حکم دیا۔ آنحضور ﷺ کے انتقال کے بعد فتنہ ارتداد میں عمرو بن معدی کرب بھی بہہ گیا، مگر پھر اسلام کی طرف رجوع کیا۔ جنگِ قادسیہ میں نمایاں خدمات انجام دیں(۵۵)۔

۳۴۔ وفدِ صدف

یہ وفد بھی مسلمان ہوجانے کے بعد خدمتِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا تھا۔ وفد میں کل انیس آدمی شامل تھے۔ جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو بغیر سلام کے آپ کے سامنے بیٹھ گئے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا؟ اور کیا ابھی تک تمہارے پاس ہمارا کوئی مبلغ نہیں پہنچا؟ انہوں نے عرض کی کہ "ہم مسلمان ہیں اور آپ کے بھیجے ہوئے مبلغ کے ذریعے ہی ہم نے اسلام قبول کیا ہے۔" اس پر حضور ﷺ نے فرمایا "پھر سلام کیوں نہیں کیا؟" یہ سن کر وہ سب لوگ کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا "السلام علیک ایھا النبی ورحمة اللّٰہ" جواباً آپ ﷺ نے فرمایا "وعلیکم السلام"، بیٹھ جاؤ"۔ پھر آپ ﷺ نے ان کو فرائضِ اسلام اور اوقاتِ نماز تعلیم کئے(۵۶)۔ (اس واقعہ میں یہ سبق ہے کہ دو مسلمان آپس میں ملیں تو ضرور ایک دوسرے کو السلام علیکم کہیں)۔

۳۵۔ وفدِ بنی سعد ھذیم

اس قبیلے کے چند آدمی اسلام لانے کے لیے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو کر فوراً واپس ہوگئے۔ آنحضرت ﷺ نے وفد کے آدمیوں کو آواز دے کر ٹھہرایا اور فرمایا ابھی آپ لوگ ٹھہریں۔ اتنی جلدی واپسی کی کیا ضرورت ہے؟ چنانچہ تین دن تک یہ وفد ٹھہرا رہا۔ اور خوب اچھی طرح ان کی خاطر مدارات کی گئی اور دعوتیں کھلائی گئیں۔ تین دن کے بعد جب یہ لوگ رخصت ہونے لگے، تو حضرت بلالؓ نے ہر ایک کو جو

وفد میں شامل تھا، چند اوقیہ چاندی عطا فرمائی[57]۔

۳۶۔ وفدِ بلّی

اس قوم کا وفد ربیع الاول سنہ۹ھ میں مدینہ آیا۔ شیخِ وفد ابو الضبیب تھے۔ رسول کریم ﷺ نے ان لوگوں کو تبلیغ کی۔ انہوں نے چند باتیں حضور ﷺ سے دریافت کیں اور پھر سب نے اسلام قبول کر کے حضور ﷺ کی بیعت کی۔ حضور ﷺ کو ان لوگوں کی خاطر داری کا خاص خیال تھا۔ کھجوروں کا ایک بوجھ حضور ﷺ خود اٹھا کر لائے اور ان لوگوں سے فرمایا، کھاؤ۔ تین دن تک حضور ﷺ نے ان لوگوں کو مہمان رکھا اور پھر ہر ایک فرد کو انعام دے کر رخصت کیا[58]۔

۳۷۔ وفدِ بہراء

یہ وفد یمن سے آیا تھا اور تیرہ آدمیوں پر مشتمل تھا۔ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے۔ فرائض سیکھے اور چند روز قیام کر کے اپنے قبیلے میں واپس گئے۔ آنحضرت ﷺ کے حکم سے حضرت بلالؓ نے ان کو انعامات دیئے[59]۔

۳۸۔ وفدِ عذرہ

یہ بارہ آدمیوں کا وفد تھا، جو صفر سنہ۹ھ میں مدینہ آیا۔ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر انھوں نے چند استفسارات کیے اور حضور ﷺ کی طرف سے تسلی بخش جواب پانے پر سب لوگ اسلام لے آئے اور چند روز بطور مہمان حضور ﷺ کے پاس رہ کر چلے گئے تاکہ اپنے تمام قبیلے کو اسلام کا پیغام پہنچائیں۔ آنحضور ﷺ نے حسبِ معمول ان کو انعام دینے کا حکم دیا۔

اس قوم کا دوسرا وفد زمل بن عمرو العذری کی زیرِ سرکردگی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام لا کر واپس چلا گیا[60]۔

۳۹۔ وفدِ بنو کلب

اس قبیلے میں سے پہلے عبد، عمرو اور عاصم آنحضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضورﷺ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا اور انہوں نے اسے قبول کیا۔ حضورﷺ نے فرمایا، میں نبی صادق ہوں اور پاکیزگی کے ساتھ آیا ہوں۔ خرابی اور پوری خرابی اس شخص کی ہے جو میری تکذیب کرے، مجھ سے روگردانی اختیار کرے اور مجھ سے جنگ کرے اور بہتری اس شخص کی ہے جو میری مدد اور اعانت کرے، مجھ پر ایمان لائے، میری تصدیق کرے اور میرے ہمراہ جہاد کرے"۔ دونوں نے عرض کی کہ بے شک ہم آپ کی تصدیق کرتے ہیں اور آپ پر ایمان لاتے ہیں۔

بعد میں اس قبیلے میں سے دو اور آدمی ربیعہ بن ابراہیم الدمشقی اور حمل بن سعدانہ بطور وفد آنحضورﷺ کی خدمت میں مدینہ آئے اور مشرب بہ اسلام ہوئے۔ آپﷺ نے انہیں حکم دیا کہ نماز اپنے وقت پر پڑھا کرو اور زکوٰۃ اپنے حق کے موافق ادا کیا کرو۔ بعد ازاں یہ دونوں اپنے قبیلے میں واپس چلے آئے اور قبیلے کو مسلمان بنایا[۶۱]۔

۴۰۔ وفدِ بنی جرم

اس قبیلے کے دو آدمی بطور وفد آنحضرتﷺ کی خدمت میں آئے، ایک کا نام اصقع بن شریح تھا اور دوسرے کا ہودہ بن عمر۔ حضورﷺ نے ان کو تبلیغ کی اور وہ دونوں اسلام لے آئے[۶۲]۔

۴۱۔ وفدِ بنی ازد

بنی ازد کا وفد حسبِ بیان ابن سعد ۱۹ آدمیوں پر مشتمل تھا، جن کے سردار صرد بن عبداللہ الازدی تھے (ابن خلدون نے وفد کے آدمیوں کی تعداد دس لکھی ہے) یہ لوگ مسلمان ہو کر آنحضرتﷺ کی خدمت میں دس روز تک رہے۔ پھر واپس چلے گئے[۶۳]۔

۴۲۔ وفدِ بنی جرش

اس قوم کی طرف سے دو آدمی تفتیشِ حال کے لیے مدینہ آئے تھے۔ جب یہ لوگ واپس اپنی قوم میں گئے اور جو کچھ مدینہ میں دیکھا تھا، وہ قوم سے بیان کیا، تو قوم کے معزز اشخاص نے دس آدمی مزید تحقیق کے لیے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجے اور وہ دسوں آدمی آنحضرت ﷺ کی تبلیغ سے ایمان لے آئے۔ حضور ﷺ نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا:

"تم لوگ صورت کے اچھے، ملاقات میں سچے، کلام میں شیریں اور امانت میں دیانت دار ہو تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں"۔

۴۳۔ وفدِ بنی سعد العشیرہ

جب اس قبیلے نے مسلمان ہونے کا ارادہ کیا تو سب سے پہلے کام یہ کیا کہ اپنے بت کو جس کا نام فرائض تھا، توڑ تاڑ کے ٹھکانے لگایا اور اس کے بعد اپنے چند آدمیوں کو بطور وفد مدینہ بھیجا اور اپنے اسلام اور اطاعت کا اظہار کیا[۶۵]۔

۴۴۔ وفدِ عنس

اس قبیلے کے ایک شخص ربیعہ نامی بطور وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اسلام لانے کے لیے حاضر ہوئے۔ حضور علیہ السلام نے ان سے دریافت فرمایا کہ "تم طمع سے آئے ہو یا خوف سے؟" انہوں نے عرض کی طمع کے متعلق تو یہ ہے کہ بخدا اس وقت آپ کے قبضے میں کوئی مال نہیں جس کی کوئی طمع کرے، رہا خوف، تو اس کے متعلق یہ گزارش ہے کہ خدا کی قسم میں ایسے شہر میں رہتا ہوں جہاں تک آپ کا لشکر نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ آپ ﷺ کے مبلغ کی طرف سے مجھے عذابِ آخرت کا خوف دلایا گیا ہے، جس سے واقعی میں ڈر گیا۔ مجھ سے کہا گیا کہ ایمان لاؤ اس میں تمہاری سلامتی ہے، پس میں ایمان لانے کے

لیے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ میں تصدیق کرتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ وہ واحد ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ خدا کے سچے رسول ہیں۔ اس کے بعد انہیں حضور ﷺ نے زادِ راہ دیا اور وہ اپنے قبیلے کی طرف اس کی ہدایت کے لیے روانہ ہوگئے، مگر راستے میں ہی ان کا انتقال ہو گیا(۶۶)۔

۴۵۔ وفدِ احمس

قیس بن غررۃ الاحمسی قبیلہ کے ڈھائی سو آدمیوں کے ساتھ رسول کریم ﷺ کے حضور میں آئے اور اسلام قبول کیا۔ حضور ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم لوگ کس قبیلے سے تعلق رکھتے ہو۔ انہوں نے کہا ہم لوگ "احمس اللہ" (اللہ کے بہادر) ہیں۔

حضور ﷺ نے سن کر فرمایا نہیں آج سے تم احمس للہ، (اللہ کے لیے بہادر ہو) اس کے بعد حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ حسبِ دستور ان کو انعام دے کر رخصت کرو(۶۷)۔

۴۶۔ ۴۷۔ وفدِ خثعم و عثعث

قبیلہ خثعم کے چند لوگوں کے ہمراہ وفدِ عثعث بن زحر، انس بن مدرک، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کی کہ ہم اللہ اور اس کے رسول پر اور جو کچھ وہ خدا کے پاس سے لایا سب پر ایمان لاتے ہیں۔ آپ ﷺ ہمیں امن کا ایک فرمان لکھ دیجیے، آپ ﷺ نے لکھ دیا(۶۸)۔

۴۸۔ وفدِ حضرموت

یہ شاہانِ حضرموت کا وفد تھا، جو بنی ولیعہ سے تعلق رکھتے تھے، ان کے نام یہ ہیں۔ حمدہ، مخوس، مشرح اور ابضعہ۔ ان سب نے بطیبِ خاطر اسلام قبول کیا(۶۹)۔

۴۹۔ وفدِ عمان

مبلغینِ اسلام کی تبلیغ کے نتیجے میں اہلِ عمان بھی اسلام لائے اور ایک وفد چند

آدمیوں پر مشتمل آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچا جنہوں نے خدمتِ نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اسلامی مسائل سمجھانے، قرآنِ حکیم پڑھانے اور اس علاقے میں عام تبلیغ کرنے کے لیے اپنے کسی صحابی کو ہمارے ہاں بھیج دیجئے۔ آپ نے مدرک بن خُوط کو جو مزربتہ العبدی کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کے ہاں مبلغ بنا کر بھیج دیا(۷۰)۔

۵۰۔ وفدِ مذحج

انہی ایام میں مذحج کا قبیلہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پندرہ آدمیوں پر مشتمل بطور وفد آیا اور مسجدِ نبوی میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوا۔ جب یہ وفد اپنی قوم میں واپس گیا، تو حضور ﷺ کا حال سن کر باقی آدمی بھی مسلمان ہو گئے(۷۱)۔

۵۱۔ وفدِ غافق

یہ وفد جُلَیحہ بن شجار کی ماتحتی میں مدینہ آیا اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر صدق دل سے اسلام قبول کیا(۷۲)۔

۵۲۔ وفدِ بارق

قبیلہ بارق کا وفد جب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا، تو آپ ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی، جس پر سب نے بلا تامل بیعت کر لی اور مسلمان ہو گئے، حضور ﷺ نے انہیں امن اور عافیت کا فرمان لکھ دیا(۷۳)۔

۵۳۔ وفدِ اسلم

عمیرہ بن اَفصیٰ قبیلہ اسلم کی ایک جماعت کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لا کر عرض کی کہ آپ ﷺ ہمارا ایسا کوئی درجہ مقرر فرما دیجیے، جس کی فضیلت عرب بھی جانیں۔ حضور ﷺ نے دعا فرمائی "یا اللہ! اسلم کو سلامت رکھ اور غفار کی مغفرت فرما"۔ اس کے بعد آپ نے ان کے لیے اور تمام مسلم قبائل کے لیے ایک فرمان لکھ

دیا[۷۴]۔

۵۴۔ وفدِ جذام

رفاعہ بن زید الجذامی خیبر کی جنگ سے قبل آنحضور ﷺ کی خدمت میں اپنی قوم کی طرف سے حاضر ہوئے، ایک غلام حضور کی نذر کیا اور حضور ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کرکے مسلمان ہوگئے۔ جب واپس گئے تو تمام قوم نے حق کی دعوت کو قبول کیا اور اسلام لے آئی۔

اسی قبیلے میں سے بنی نفاثہ کے ایک شخص فروہ بن عمرو کو جب کسی ذریعے سے حضور ﷺ کے دعوے کا حال معلوم ہوا تو وہ فوراً مسلمان ہوگئے۔ یہ بزرگ رومیوں کی طرف سے علاقہ معان واقع ملکِ شام کے حاکم تھے، لیکن جب قیصر کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے انہیں بلوا کر مروا ڈالا[۷۵]۔

۵۵۔ وفدِ مہرہ

اس وفد کا رئیس مہری بن الابیض تھا۔ یہ لوگ جب رسول کریم ﷺ کے پاس آئے اور آپ نے ان کے سامنے اسلام کو پیش کیا، تو وفد کے سارے ارکان نے اسے قبول کیا اور حضور ﷺ کی بیعت کرکے مسلمان ہوگئے۔ حضور ﷺ نے ان کو انعامات بھی دیئے اور ان کے رئیس کو امن و عافیت کا فرمان بھی لکھ دیا۔

اس وفد کے علاوہ اس قبیلے کے ایک اور شخص زُھیر بن قِرضِم نے بھی علیحدہ آکر اور لمبی مسافت طے کرکے حضور ﷺ کی بیعت کی اور واپسی کے وقت اسے زادِ راہ بھی دیا اور سواری بھی[۷۶]۔

۵۶۔ وفدِ حمیر

وقت حضور ﷺ کی خدمت میں شاہانِ حمیر کا ایلچی حاضر ہوا اور اس نے حارث بن عبد الکلال، نعیم بن عبد کلال، نعمان سرداران ذی رعین و معافر و ہمدان کے خطوط خدمتِ اقدس میں پیش کیے اور زرعہ ذویزن کا نامہ بھی گزارا۔ ان سب خطوط میں ان لوگوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا اور اپنی وفاداری اور اطاعت کا اقرار کیا تھا اور لکھا تھا کہ ہم شرک اور مشرکین سے بالکل علیحدہ ہوگئے ہیں اور کوئی واسطہ اور تعلق ہم نے ان لوگوں سے نہیں رکھا[۷۷]۔

حضور ﷺ نے شاہانِ حمیر کے اسلام پر خوشی کا اظہار فرمایا اور سب کے نام ایک مشترکہ مفصل والانامہ لکھا جس میں انہیں نہایت مفید ہدایتیں دی تھیں۔ اس بے نظیر تاریخی اور تبلیغی خط کا خلاصہ ہم سیرۃ ابنِ ہشام سے انتخاب کرکے یہاں درج کرتے ہیں۔

شاہانِ حمیر کے نام مکتوبِ گرامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خدا کے بندے اور اس کے رسول محمد ﷺ کی طرف سے حارث بن عبد کلال اور نعیم بن عبد کلال اور نعمان ذورعین اور معافر اور ہمدان (شاہانِ حمیر) کے نام! میں سب سے پہلے اس خدا کی حمد و ثنا بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ازاں بعد تم کو معلوم ہو کہ تمہارا ایلچی ہمارے پاس اس وقت پہنچا، جب ہم رومیوں کی جنگ سے واپس آئے اور مدینہ میں تمہارے ایلچی سے ملاقات ہوئی اور تمہارے ناموں کو ہم نے ملاحظہ کیا اور تمہارے اسلام قبول کرنے اور مشرکین سے جنگ کرنے کی کیفیت معلوم ہوئی، بے شک خدا نے اپنی ہدایت تمہارے شاملِ حال فرمائی۔ اب تمہیں لازم ہے کہ نیک کاموں میں سعی کرو اور خدا اور رسول کی اطاعت میں سر گرم رہو۔ نماز دل لگا کر پڑھو اور زکوٰۃ باقاعدہ طور پر ادا کرو۔ اور جو مال غنیمت تمہیں حاصل ہو، اس میں سے پانچواں حصہ خدا اور رسول کے لیے علیحدہ نکالو۔ یہ خدا کا فریضہ ہے، جو اس نے مسلمانوں پر قائم کیا۔ جو یہودی یا نصرانی مسلمان ہوجائے گا اس پر

بھی وہی احکام نافذ ہوں گے جو مسلمانوں پر ہیں، مگر جو یہودی اور نصرانی اپنے مذہب پر قائم رہے اس پر جزیہ ہے، ہر بالغ مرد و عورت اور آزاد و غلام پر ایک دینار یا اس کی قیمت کے کپڑے یا کوئی اور چیز، جو یہ جزیہ ادا کردے گا، خدا اور رسول کی اس کے متعلق ذمہ داری ہوگی۔

اور زرعہ ذویزن کو معلوم ہو کہ میرے بھیجے ہوئے لوگ جب تمہارے پاس پہنچیں، تو تم ان کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔ یہ اشخاص معاذ بن جبل، عبداللہ بن زید، مالک بن عبادہ، عقبہ بن نمر اور مالک بن مرہ اور ان کے ساتھی ہیں۔ ان سب کا امیر میں نے معاذ بن جبل کو مقرر کیا ہے۔ جب یہ لوگ تمہارے پاس پہنچیں، تو تم زکوٰۃ اور جزیہ وصول کرکے ان لوگوں کے ہاتھ میرے پاس بھیج دو۔ تم ان لوگوں سے اچھی طرح پیش آنا اور ان کو اپنے سے راضی رکھنا۔

مالک بن مرہ رہاوی کو معلوم ہو کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ تم قوم حمیر میں سب سے پہلے مسلمان ہوئے ہو اور مشرکین کو تم نے جنگ میں قتل کیا ہے۔ پس تم کو خیر و خوبی کی بشارت ہو، میں تم کو تمہاری قوم حمیر کے متعلق بھلائی کرنے کا حکم دیتا ہوں۔ تم آپس میں ایک دوسرے کی خیانت نہ کرنا اور نہ ایک دوسرے کی امداد اور اعانت کرنے سے جی چرانا، خدا کا رسول تمہارے غنی اور تمہارے فقیر سب کا مولیٰ ہے اور تم یہ بھی جان لو کہ زکوٰۃ کا مال محمد ﷺ پر اور محمد ﷺ کی اہلِ بیت پر حرام ہے۔ یہ صرف غریب مسلمانوں اور مسافروں کا حق ہے۔ جو آدمی میں نے تمہاری طرف روانہ کیے ہیں، یہ نیک، دیانتدار اور اہلِ علم ہیں۔ تم ان کے ساتھ نیکی اور بھلائی کرنا۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابنِ ہشام لکھتا ہے کہ جب معاذ بن جبل اور ان کے ساتھیوں کو آپ ﷺ نے یمن کی طرف روانہ فرمایا تو ان کو بھی تبلیغی رنگ میں نہایت بیش بہا نصیحتیں کیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا:۔

"تم وہاں پہنچ کر لوگوں کے ساتھ نرمی اور محبت کے ساتھ سلوک کرنا، ان سے سختی اور تشدد سے پیش نہ آنا، ان کو بشارت دینا، اپنے سے متنفر نہ کرنا، تم وہاں ایسے اہلِ کتاب سے ملو گے جو تم سے پوچھیں گے کہ "جنت کی کنجی کیا ہے" تم انہیں یہ جواب دینا کہ جنت کی کنجی ہے "لاالٰہ الااللہ وحدہ لاشریک لہ" کی گواہی دینا"(۷۸)۔

۵۷- وفدِ جیشان

اس وفد کا سردار ابو وہب الجیشانی تھا، جو اپنی قوم کے چند آدمیوں کے ہمراہ خدمتِ نبوی ﷺ میں آیا اور کچھ باتیں حضور ﷺ سے دریافت کرنے کے بعد مسلمان ہو گیا۔ ابو وہب نے یمن کی ایک خاص شراب تبع کے متعلق پوچھا کہ کیا یہ بھی حرام ہے۔ حضور ﷺ نے دریافت کیا کہ کیا اس کے پینے سے نشہ ہوتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اگر زیادہ پئیں تو ہوتا ہے، کم پر نہیں ہوتا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا "جس کے زیادہ پینے سے نشہ ہوتا ہے اس کا قلیل بھی حرام ہے(۷۹)"۔

۵۸- وفدِ داریین

داریین کا وفد رسولِ کریم ﷺ کے پاس اس وقت آیا، جب آنحضرت ﷺ تبوک سے واپس آئے۔ یہ وفد دس آدمیوں پر مشتمل تھا۔ ان میں سے ایک شخص ہانی بن حبیب نے حضور ﷺ کی خدمت میں شراب کی ایک مشک چند گھوڑے اور ایک قیمتی ریشمی قبا جس پر سونے کے پترے جڑے ہوئے تھے، ہدیہ کے طور پر پیش کی۔ حضور علیہ السلام نے شراب کی مشک واپس کر دی اور باقی چیزیں قبول کر لیں۔ ان میں سے ریشمی عباء حضرت عباسؓ کو دے دی جو انہوں نے ایک یہودی کے ہاتھ آٹھ ہزار درہم میں بیچ ڈالی۔

آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو تبلیغ کی اور یہ سب مسلمان ہو گئے۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے ایک سو وسق دینے کا حکم دیا۔ (وسق: اونٹ کا بوجھ، ساٹھ صاع کا ایک وسق

ہوتا ہے)۔

اس وفد میں ایک شخص تمیم نامی نے حضورﷺ کی خدمت میں ایک عجیب درخواست پیش کی۔ اس نے کہا "جب حضورﷺ کو اللہ تعالیٰ ملکِ شام عطا فرمائے گا تو اس کے دو گاؤں جرصا اور بیتِ عینون آپ مجھے مرحمت فرمادیں۔ حضورﷺ نے فرمایا" وہ دونوں گاؤں تمہارے ہیں"۔

بعد میں حضرت ابوبکرصدیقؓ کے زمانے میں جب ملکِ شام فتح ہوا تو حضرت ابوبکرصدیقؓ نے وہ دونوں گاؤں اسے دے دئیے(۸۰)۔

۵۹- وفد الرباویین

سنہ ۱۰ھ میں رباویین کے پندرہ آدمی رسول کریمﷺ کی خدمت میں مدینہ آئے۔ یہ لوگ قبیلہ مذحج کے تھے اور مدینہ میں آکر رملہ بنتِ حارث کے مکان میں ٹھہرے۔ رسول کریمﷺ ان لوگوں کے پاس خود تشریف لے گئے اور بڑی دیر تک ان سے باتیں کرتے رہے۔ ان لوگوں نے آپ کی باتیں توجہ کے ساتھ سنیں۔ پھر سب لوگ اسلام لے آئے۔ آپﷺ نے قرآنی آیات اور فرائض کی ان کو تعلیم دی۔ روانگی کے وقت حضور علیہ السلام نے ان کو بھی اسی طرح انعام دینے کا حکم دیا جس طرح آپﷺ وفود کو دیا کرتے تھے۔ یعنی سردار کو ساڑھے بارہ اوقیہ اور عام آدمیوں کو پانچ اوقیہ۔ اس کے بعد یہ لوگ اپنے وطن واپس چلے گئے(۸۱)۔

۶۰- وفدِ غامد

یہ دس آدمیوں کا وفد تھا جو رمضان سنہ ۱۰ھ میں واردِ مدینہ ہوا اور خدمتِ اقدس میں پہنچ کر اپنے اسلام کا اقرار کیا۔ اس کے بعد یہ لوگ حضرت ابیؓ بن کعب کے پاس گئے۔ انہوں نے ان لوگوں کو قرآن سکھایا اور مسائل کی تعلیم دی۔ روانگی کے وقت آپ نے ان کو اسی

طرح انعامات دئیے جس طرح دوسرے لوگوں کو دیا کرتے تھے[۸۲]۔

۶۱۔ وفدِ بجیلہ

ڈیڑھ سو آدمیوں پر مشتمل یہ وفد سنہ ۱۰ھ میں مدینہ آیا۔ اس وفد کے سردار جریر بن عبداللہ بجلی تھے۔ حضور ﷺ کی تبلیغ سے یہ سب لوگ اسلام لے آئے اور بیعت کی۔ تمام قوم کی بیعت کے بعد رسول کریم ﷺ رئیسِ وفد جریر کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنا دستِ مبارک پھیلا کر فرمایا۔ جریر تم ان امور پر میری بیعت کرو۔ تمہیں اس امر کا یقین ہو کہ سوائے خدا کے معبود نہیں۔ اور یہ کہ میں خدا کا رسول ہوں، نماز کو قائم کرو، روزے رکھا کرو، زکوٰۃ ادا کرو، مسلمانوں کی خیر خواہی اور ہمدردی کرو۔ اپنے والی کی اطاعت کرو، اگرچہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو"۔ جریر نے سب باتوں کا اقرار کیا تو حضور ﷺ نے ان سے بیعت لی۔

رسول اللہ ﷺ نے جریر سے پوچھا کہ "جن لوگوں کے تم نمائندہ ہو اور جنہوں نے بت پرستی کو ترک کر کے اسلام کو قبول کیا ہے۔ انہوں نے اپنے بتوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ انہوں نے عرض کی کہ "یا رسول اللہ ﷺ! خدا تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا کیا۔ اذان کو مساجد اور صحراؤں میں غالب کردیا تو قبائل نے اپنے وہ بت توڑ ڈالے جن کی وہ پرستش کرتے تھے"۔

حضور ﷺ نے پوچھا "اچھا ان میں سب سے بڑے بت ذوالخلصہ کا انجام کیا ہوا؟ انہوں نے بتایا کہ فی الحال تو وہ باقی ہے۔ مگر جب ہم واپس جائیں گے تو اس کا بھی صفایا کردیں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا "ہاں جاؤ اور اسے توڑ دو اور پھر اس کی مجھے اطلاع دو"۔

پس جریر اپنی قوم کے ہمراہ روانہ ہوئے اور تھوڑے دنوں بعد واپس آکر خدمت نبوی میں عرض کی کہ آپ کے حکم کی تعمیل میں ہم نے اسے توڑ کر آگ میں جلادیا اور کسی شخص نے بھی اس کام میں ہماری مزاحمت نہیں کی۔ اس پر رسول کریم ﷺ نے ان کے لیے دعا خیر کی[۸۳]۔

۶۲- وفدِ بنی غسان

یہ لوگ رمضان سنہ ۱۰ھ میں مدینہ آئے، کل دس آدمی تھی (ابن خلدون صرف تین لکھتا ہے) ان لوگوں کا اپنا بیان ہے کہ جب ہم نے دیکھا کہ سارے عرب قبائل آپ کی تصدیق کر رہے ہیں تو ہم نے سوچا کہ ہم ہی سب سے برے ہیں، جو اسلام لانے میں سب سے پیچھے ہیں۔ پس ہم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خدا کی وحدانیت کا اقرار کیا۔ آنحضرت ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی اور اس بات کی گواہی دی کہ جو کچھ آپ ﷺ لائے ہیں سب سچ اور برحق ہے[۸۴]۔

۶۳- وفدِ بنی عامر

رمضان ۱۰ھ میں بنی عامر کا وفد دس آدمیوں پر مشتمل آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کر کے اور دینی مسائل سیکھ کر اپنی قوم میں واپس چلا گیا[۸۵]۔

۶۴- وفدِ بنو حارث بن کعب

یہ قبیلہ حضرت خالد بن ولید کی تبلیغ سے مسلمان ہوا تھا اور انہی کے ہمراہ اس قبیلے کے چند افراد قبیلے کے نمائندہ بن کر ربیع الاول سنہ ۱۰ھ میں مدینہ آئے۔ جب حضرت خالد نے ان لوگوں کو آنحضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو حضور ﷺ نے ان کے لباس وغیرہ کو دیکھ کر فرمایا "یہ کون لوگ ہیں۔ بالکل ہندوستانی معلوم ہوتے ہیں" خالد نے عرض کی کہ "حضور یہ بنی حارث بن کعب ہیں اور میں ان کو ہمراہ لایا ہوں۔

ان لوگوں نے آگے بڑھ کر حضور ﷺ کو سلام کیا اور کلمہ "لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پڑھا۔ حضور ﷺ نے ہر ایک شخص کو دس دس اوقیہ چاندی دینے کا حکم دیا اور قیس بن الحصین کو ساڑھے بارہ اوقیہ اور انہی کو آپ ﷺ نے اس وفد کا سردار بنایا[۸۶]۔

۶۵- وفدِ کندہ

کندہ حضرموت (یمن) کے اضلاع میں سے ایک شہر کا نام تھا، یہاں کندی خاندان کی

حکومت تھی اور اشعث بن قیس یہاں کا بادشاہ تھا سنہ ۱۰ھ میں ۸۰ سواروں کے ساتھ (ابن سعد نے ۱۹ لکھے ہیں) بڑی شان و شوکت کے ساتھ حیرہ کی چادریں جن کے سنجاف حریر کے تھے، کندھوں پر ڈالے بارگاہِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے۔ یہ لوگ مدینہ میں آنے سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی ہئیت دیکھ کر فرمایا۔ "کیا تم لوگ اسلام نہیں لا چکے"۔ انہوں نے اقرار کیا تو حضور ﷺ نے پوچھا "پھر یہ حریر کیسا؟ اس پر ان لوگوں نے فوراً زریں چادریں پھاڑ پھاڑ کر زمین پر ڈال دیں۔

واپسی کے وقت رسول کریم ﷺ نے وفد کے ہر ایک شخص کو دس دس اوقیہ چاندی انعام میں دی۔ سردار وفدِ اشعث کو بارہ اوقیہ مرحمت فرمائی[۸۷]۔

۶۶۔ وفدِ سلامان

یہ وفد سات آدمیوں پر مشتمل تھا اور شوال سنہ ۱۰ھ میں مدینہ آیا۔ اس تمام وفد نے خود بھی حضور ﷺ کی بیعت کی اور اپنی قوم کے تمام لوگوں کی طرف سے بھی بیعت کی، اور اسلام کے ضروری مسائل دریافت کرنے کے بعد واپس چلے گئے۔ حضور ﷺ نے ہر شخص کو پانچ اوقیہ چاندی عطا فرمائی۔

۶۷۔ وفدِ بنی خولان

یہ لوگ آنحضرت ﷺ کے بھیجے ہوئے مبلغین کے ذریعے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے۔ اظہارِ اطاعت کی غرض سے ۱۰ھ کے ماہ شعبان میں انہوں نے اپنے دس آدمیوں کو بطور وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ انہوں نے مدینہ آ کر خدمتِ نبوی ﷺ میں عرض کی کہ "یارسول اللہ ﷺ! ہم لوگ اللہ پر ایمان رکھنے والے اور آپ ﷺ کی رسالت کی تصدیق کرنے والے ہیں اور ان لوگوں کے قائم مقام ہو کر آپ ﷺ کے پاس آئے ہیں جو اپنے مستقر پر رہ گئے ہیں ہم اپنے قبیلے کی طرف سے آپ ﷺ کی اطاعت کا اقرار کرتے ہیں۔

رسول کریم ﷺ نے ان کی بات سن کر فرمایا۔ اگر تم سب مسلمان ہوگئے ہو اور تم نے توحید اور رسالت کا اقرار کرلیا ہے تو مجھے بتاؤ کہ "عم انس" (بت) کس حال میں ہے۔

ان لوگوں نے عرض کی کہ حضور ﷺ! "عم انس" کا حال تو بُرا ہے اب نہ کوئی اس کی پوجا کرتا ہے۔ نہ اس پر چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں۔ نہ اس سے دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ نہ اس کے سامنے قربانیاں کی جاتی ہیں۔ وہ بے چارہ تو آج کل بہت ہی کسمپرسی کی حالت میں پڑا ہوا ہے۔ ہم نے اسے اس اللہ سے بدل لیا ہے جسے آپ ﷺ نے پیش کیا ہے۔ اگر حضور ﷺ ارشاد فرمائیں گے تو ہم واپسی پر اسے منہدم کردیں گے اور اس کی اطلاع آپ ﷺ کو دے دیں گے۔

ان لوگوں نے رسول کریم ﷺ سے دین کی کچھ باتیں دریافت کیں جو حضور ﷺ نے ان کو بڑے اخلاق سے بتائیں۔ پھر حکم دیا کہ ان لوگوں کو مزید دینی مسائل سکھائے جائیں اور قرآنی آیات ان کو پڑھائی جائیں۔ جب بہت حد تک ان کی دینی تعلیم مکمل ہوگئی تب ان میں سے ہر ایک کو حضور ﷺ نے ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی دے کر رخصت کیا۔ جب یہ لوگ اپنے مستقر پر پہنچے تو اپنا اسباب کھولنے سے پہلے سیدھے بت خانے میں پہنچے اور فوراً "عم انس" کو توڑ تاڑ کر اس کا خاتمہ کردیا اور بت خانے کو ڈھادیا[۸۸]۔

۶۸۔ وفدِ بنی حنیفہ

یہ وفد یمامہ سے سنہ ۱۰ھ میں آیا اور ۱۹ آدمیوں پر مشتمل تھا، جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔ رحّال بن عُنفُوَہ، سلمیٰ بن حنظلہ، طلق بن علی، حمران بن جابر، علی بن سنان، اقعس بن مسلمہ، زید بن عبد عمرو۔ ان لوگوں کی بہت عمدگی کے ساتھ خاطر مدارات کی گئی۔ کبھی ان کو گوشت روٹی، کبھی دودھ اور روٹی اور کبھی گھی اور روٹی بہت افراط سے دی جاتی تھی۔ یہ لوگ چند روز تک ٹھہرے اور پھر مسلمان ہوکر واپس چلے گئے۔ روانگی کے وقت رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے ہر ایک کو پانچ اوقیہ چاندی مرحمت فرمائی۔ مسیلمہ بن حبیب اسی

وفد کے ساتھ آ کر مسلمان ہوا تھا، جس نے بعد میں نبوت کا دعویٰ کیا اور مسیلمہ کذاب کے نام سے آج تک مشہور ہے(۸۹)۔

۶۹۔ وفدِ جعفی

اس قبیلے کے دو آدمی پہلے بطور وفد مدینہ آ کر مسلمان ہوئے تھے، لیکن پھر مرتد ہو کر واپس ہو گئے۔ بعد ازاں تین اور آدمی بطور وفد آئے اور مسلمان ہو کر اپنے ایمان اور اخلاص میں ترقی کرتے رہے۔ ان میں سے ایک ابوسبرہ تھے جن کا نام یزید بن مالک تھا اور دو ان کے لڑکے تھے ایک کا نام سبرہ تھا اور دوسرے کا عزیز۔ ان میں سے عزیز کا نام بدل کر آپ ﷺ نے عبدالرحمٰن رکھ دیا۔ ان کے فرزند خیثمہ بڑے مشہور اور فاضل تابعی گزرے ہیں۔

۷۰۔ وفدِ بنی محارب

یہ وفد سنہ ۱۰ھ میں حجتہ الوداع کے موقع پر آیا۔ وفد میں کل دس آدمی تھے، جن کے سردار سواء بن الحارث تھے۔ حضور ﷺ نے نہایت اخلاق سے ان کو ٹھہرایا اور حضرت بلالؓ کو ان کی خاطر مدارات کا حکم دیا یہ سب لوگ اسلام لے آئے اور واپسی کے وقت ہر ایک کو حضور ﷺ نے انعامات دئیے(۹۰)۔

۷۱۔ وفد النخع

یہ سب سے آخری وفد تھا جو رسول کریم ﷺ کی خدمت میں محرم سنہ ۱۱ھ میں آیا۔ یہ وفد دو سو آدمیوں پر مشتمل تھا اور یمن سے آیا تھا، ان لوگوں کو یمن میں نبی کریم ﷺ کے مبلغ معاذ بن جبل نے مسلمان کیا تھا۔ اس سے پہلے قبیلہ نخع کے دو آدمی ارطاۃ اور ارقم بھی اپنی قوم کے مسلمان ہونے کی خبر حضور ﷺ کے پاس لائے تھے۔ اس وفد کے آنے کے دو مہینے بعد حضور ﷺ کا وصال ہو گیا(۹۱)۔

سفیرانِ وفود کی تعلیم و تربیت

یہ وفود حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر دین سیکھتے، دینی معلومات اور دین کی سمجھ حاصل کرتے، مسائل معلوم کرتے، رسول اللہ ﷺ کے اخلاق عالیہ کا مشاہدہ کرتے اور آپ ﷺ کے اصحاب کرامؓ کی صحبت و معیت ان کو نصیب ہوتی۔ اکثر مسجدِ نبوی ﷺ کے صحن میں ان کے لیے خیمہ لگادیا جاتا، وہ وہاں رہتے، قرآن مجید سنتے، مسلمانوں کو نماز پڑھتا ہوا دیکھتے اور ان کے دل میں جو کچھ آتا وہ بڑی سادگی اور صفائی سے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرتے اور آپ ﷺ بڑی بلاغت اور حکمت کے ساتھ اس کا جواب عنایت فرماتے اور قرآن مجید سے استشہاد کرتے۔ اس سے ان کا ایمان پختہ ہوتا اور قلبی اطمینان نصیب ہوتا۔ وہ لوگ حضور ﷺ کی پاکیزہ اور نورانی گفتگو سے بہت متاثر ہوتے۔

نبی کریم ﷺ وفود کو رخصت کرتے وقت ان کے ساتھ نہایت عمدہ معاملت کا مظاہرہ فرماتے تھے۔ انہیں ہدایا و تحائف سے بھی نوازتے تھے، تحائف سے محبت بڑھتی ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ "تھادوا تحابوا"[92]. (تحفے دیا کرو اس سے محبت بڑھتی ہے) اور اس لیے حضور ﷺ نے ہمیشہ اس بات کا خیال رکھا کہ جس قسم کا آدمی آیا۔ اس کے مرتبے اور حیثیت کے مطابق اس کو تحائف سے ضرور نوازا۔ تحائف سے آدمی کی عظمت و شخصیت اجاگر ہوتی ہے اور انسان تالیف قلوب سے "الاحسان یقطع اللسان" (نیکی زبان کاٹ دیتی ہے) کا مصداق بن جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ بہ نفسِ نفیس ان ملکی و مذہبی اور سفارتی وفود کی خاطر مدارات کرتے تھے اور ان کے حسب حاجت وظائف اور سفر کے مصارف ادا فرماتے تھے۔ قبائل پر اور مختلف اقوام پر اس کا بہت اثر پڑتا تھا۔

وفود کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی وصیت

آپ ﷺ ان وفود کا اس قدر لحاظ فرماتے تھے کہ وصال شریف کے وقت آپ ﷺ

نے جو آخری وصیتیں فرمائی تھیں، ان میں ایک یہ بھی تھی:۔

"اجیزوا الوفود بنحو ماکنت اجیزهم"(۹۳). (جس طرح میں وفود کو تحائف اور عطیات دیا کرتا ہوں، تم بھی اسی طرح دیا کرو)۔

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضور ﷺ کی نگاہ میں سفیروں، وفود اور معززینِ اقوام کا کیا مقام تھا۔ اور آپ ﷺ ان کے ساتھ کیا رویہ اختیار فرماتے تھے اور ان کے ادب و احترام اور مراتب کا کس قدر خیال رکھتے تھے۔

حوالہ جات

۱۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۴، ص ۲۰۵

۲۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۴، ص ۲۰۵: طاہر پٹنی، مجمع بحار الانوار، ج ۵، ص ۲۷۲

۳۔ الجوزیۃ ابن قیم، زاد المعاد، ج ۳، ص، ۶۰

۴تا۵۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۴، ص ۲۰۵

۶۔ الجوزیۃ ابن قیم، زاد المعاد، ج ۳، ص ۵۵-115

۷تا۸۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۹۱ تا ۳۵۹، ۲۶۲

۹۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۴، ص ۲۰۷، ۲۰۶

۱۰۔ العسقلانی، ابن حجر الاصابہ فی تمییز الصحابۃ، ج ۱، ص ۲۷ (اقرع بن حابس)

۱۱۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۴، ص ۲۱۲

۱۲۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۳۱۴

۱۳۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۴، ص ۲۲۰

۱۴تا۱۷۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۳۱۴، ۲۹۹، ۳۱۵

۱۸۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۴، ص ۲۲۰، ۲۲۱

۱۹تا۲۶۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۳۴۸، ۳۵۳، ۳۴۰، ۳۹۸، ۲۹۲، ۲۹۷، ۳۰۰، ۳۲۶

۲۷۔ القرآن الکریم، الحجرات (۴۹): ۱۷

۲۸تا۴۱۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص۲۹۵، ۲۹۷، ۳۰۰، ۳۰۱تا۳۱۰

۴۲۔ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص۲۵۹

۴۳۔ احمد بن حنبل، مسند، ج ۳، ص ۳۴۳

۴۴۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۴، ص۱۸۲

۴۵۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص۳۱۲

۴۶۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۴، ص۱۸۴

۴۷۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ۳۱۲

۴۸۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۴، ص۱۸۴، ۱۸۶

۴۹تا۷۴۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۲۱، ۳۲۳، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰تا۳۵۵

۷۵۔ ابن هشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۴، ص۲۳۷

۷۶۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱ص۳۵۵

۷۷تا۷۸۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۴ص۲۳۵، ۲۳۷

۷۹تا۸۳۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص۳۵۹، ۳۴۴، ۳۳۷، ۳۳۸

۸۴تا۸۵۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص۳۳۸، ابن خلدون کتاب ثانی ج ۲، حصہ ۳، ص ۲۳۰

۸۶تا۹۱۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص۳۳۹، ۳۲۸، ۳۲۴، ۳۱۶

۹۲۔ المقدسی، محمد بن مفلح، الآداب الشرعیۃ، ج ۱، ص۳۳۵

۹۳۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، ج ۲، ص۱۲۹

کتابیات

۱۔ القرآن الکریم

۲۔ ابن الاثیر الجزری، تاریخ الکامل، القاہرہ، ۱۲۹۰ھ

۳۔ ابن جوزی، ابوالفرج عبدالرحمان، الوفا باحوال المصطفیٰ، سمندری، المکتبۃ النوریہ الرضویہ، ۱۹۷۷ء

۴۔ ابن حبیب محمد، کتاب المحبر، حیدر آباد دکن، مطبع دائرۃ المعارف العثمانیہ، ۱۹۴۲ء

۵۔ ابن حبیب محمد، کتاب المنمق، حیدر آباد دکن، مطبع مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ، ۱۹۶۴ء

۶۔ ابن حجر، احمد بن علی بن محمد، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ومعہ الاستیعاب، مصر، مطبعۃ مصطفیٰ محمد، ۱۹۳۹ء

۷۔ ابن حزم، علی بن احمد، جوامع السیرۃ، مصر، دارالمعارف، بدون تاریخ

۸۔ ابن حزم، علی بن احمد، کتاب الفصل فی الملل والاھواء والنحل، مصر، المطبعۃ الادبیۃ، ۱۳۱۷ھ

۹۔ ابن خرداذبہ، کتاب المسالک والممالک، لیڈن، مطبع بریل، ۱۳۰۶ھ

۱۰۔ ابن خلدون، عبدالرحمٰن، تاریخ، مصر، دارالطباعۃ الخدیویۃ، بولاق، ۱۲۸۴ھ

۱۱۔ ابن درید، ابوبکر محمد بن الحسن، الاشتقاق، مصر، مطبعۃ السنۃ المحمدیۃ، ۱۹۵۸ء

۱۲۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، بیروت، دار صادر للطباعۃ والنشر، ۱۹۵۷ء

۱۳۔ ابن سید الناس، عیون الاثر، القاہرۃ، مکتبۃ القدسی، ۱۳۵۰ھ

۱۴۔ ابن طولون، محمد بن علی، اعلام السائلین عن کتب سید المرسلین، دمشق، مطبعۃ الترقی، ۱۳۴۸ھ

۱۵۔ ابن عبدربہ، احمد بن محمد، العقد الفرید، القاہرہ، مطبعۃ التالیف، والنشر والترجمہ، ۱۹۴۰ء

۱۶۔ ابن عبدالبر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، حیدر آباد، مطبع دائرۃ المعارف، ۱۳۳۶ھ

۱۷۔ ابوعبید، القاسم بن سلام، کتاب الاموال، القاہرہ، ۱۳۵۳ھ

۱۸۔ ابن عساکر، ابوالقاسم، علی بن الحسن، التاریخ الکبیر، دمشق، مطبع روضۃ الشام، ۱۳۲۹ھ

۱۹۔ ابن قیم الجوزیۃ، زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، القاہرہ، مطبعۃ السنۃ المحمدیۃ، ۱۳۷۱ھ

۲۰- ابن کثیر، ابوالفداء اسماعیل ابن عمر، البدایۃ والنھایۃ، مصر، مطبعۃ السعادۃ، ۱۹۳۲ء

۲۱- ابن کثیر، ابوالفداء اسماعیل ابن عمر، تفسیر القرآن العظیم، القاہرہ، مطبعۃ الاستقامۃ، ۱۹۵۶ء

۲۲- ابن الکلبی، کتاب الاصنام، الازھر، مطبع دارالکتب المصریۃ، ۱۹۴۶ء

۲۳- ابن منظور الافریقی، ابوالفضل محمد بن مکرم، لسان العرب، بیروت، مطبع دار بیروت، ۱۹۵۵ء

۲۴- ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، لبنان، مطبع داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۷۱ء

۲۵- ابو تمام حبیب بن اوس، الطائی، دیوان الحماسہ، لاہور، المکتبۃ السلفیۃ، ۱۹۶۵ء

۲۶- ابو حنیفہ، نعمان بن ثابت، کتاب الفقہ الاکبر، حیدر آباد دکن، مطبع مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ، ۱۹۵۳ء

۲۷- ابوداؤد سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، مصر، مکتبہ مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۹۵۲ء

۲۸- ابوالفداء، عمادالدین اسماعیل، کتاب المختصر فی اخبار البشر، (تاریخ ابی الفداء) مصر، المطبعۃ الحسینیۃ، ۱۳۲۵ھ

۲۹- ابوالفرج الاصفہانی، کتاب الاغانی، مصر، المطبعۃ التقدم الازھر، ۱۳۲۳ھ

۳۰- ابو نعیم، احمد بن عبداللہ، دلائل النبوۃ، حیدر آباد دکن، مطبع مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ، ۱۹۵۰ء

۳۱- احمد امین، فجرالاسلام، لبنان، دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۹۶۹ء

۳۲- احمد بن حنبل، مسند، بیروت، دارصادر للطباعۃ والنشر، بدون تاریخ

۳۳- الاحمدی، علی بن حسین بن علی، مکاتیب الرسول، قم، المطبعۃ العلمیۃ، ۱۳۷۹ق

۳۴- احمد فریدون، منشات السلاطین، استنبول، ۱۲۷۴ھ

۳۵- احمد لطفی، السید، السیاسۃ لارسطوطالیس، القاہرہ، مطبعۃ دارالکتب المصریۃ، ۱۹۴۷ء

۳۶- آزاد، ابوالکلام، رسول رحمت (مقالات، مرتبہ غلام رسول مہر، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور)، ۱۹۸۰ء

۳۷- الازدی، فتوح الشام، ناسولیس اسیر لاندی، ۱۸۵۴ھ

۳۸- الازرقی، محمد بن عبداللہ احمد، کتاب اخبار مکۃ وماجاء فیہا من الآثار، لیڈن، مطبع المدرسۃ المحدوسۃ، ۱۸۵۸ء

۳۹- اسلامی ڈائجسٹ، نئی دہلی، "ھدیٰ"، جون ۱۹۷۷ء

۴۰- آقائی، مجتبیٰ محمد، شاہنشاہی، ساسانیہ، طہران، مطبع مجلس، ۱۳۱۴ھ

۴۱- اقبال، ڈاکٹر محمد، ایران بعہد ساسانیاں، دہلی، مطبوعات انجمن ترقی اردو، ہند، ۱۹۴۱ء

۴۲- آلوسی، محمود شکری، بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب، مصر، المطبعۃ الرحمانیۃ، ۱۹۲۴ء

۴۳- البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، مصر، المطبعۃ المیمنیۃ، ۱۳۲۰ھ

۴۴- البستانی، بطرس، کتاب دائرۃ المعارف، بیروت، مطبعۃ المعارف، ۱۸۸۲ء

۴۵- البلاذری، احمد بن یحییٰ، کتاب فتوح البلدان، لیڈن، ای جے بریل، ۱۸۶۶ء

۴۶- البلاذری، امام ابوالحسن، فتوح البلدان، قاہرہ، الازہر الشریف، مطبعۃ المصریۃ، ۱۹۳۲ء

۴۷- الترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذی، مصر، مطبع المدنی المؤسسۃ السعودیۃ، ۱۹۶۴ء

۴۸- الجاحظ، عمر بن بحر، التاج فی اخلاق الملوک، بیروت، دار الفکر، ۱۳۷۵ھ

۴۹- جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی، مصر، الفجالۃ، مطبعۃ الهلال، ۱۹۰۲ء

۵۰- الحاکم، ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ، المستدرک للحاکم، المعارف النظامیۃ، ۱۳۴۰ھ

۵۱- حسن ابراہیم حسن، تاریخ الاسلام، مصر، مکتبۃ النھضۃ، ۱۹۶۴ء

۵۲- حسن ابراہیم حسن، تاریخ عمرو بن العاص، مصر، مطبعۃ السعادۃ، ۱۹۲۲ء

۵۳- الحسینی، محمد مرتضیٰ، تاج العروس، کویت، مطبع حکومۃ الکویت، ۱۹۷۳ء

۵۴- الحلبی، علی بن برہان الدین، من انسان العیون فی سیرۃ الامین والمامون المعروفۃ بالسیرۃ الحلبیۃ، مصر، المطبعۃ الازہریۃ، ۱۳۲۰ھ

۵۵- الحموی، یاقوت بن عبداللہ، معجم البلدان، مصر، مطبعۃ السعادۃ، ۱۹۰۶ء

۵۶- حمیداللہ، ڈاکٹر، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، کراچی، دارالاشاعت، ۱۳۸۰ھ

۵۷- حمیداللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی ﷺ کا نظام حکمرانی، حیدرآباد، مکتبۃ ابراہیمیہ، ۱۹۴۸ء

۵۸- حمیداللہ، ڈاکٹر، مقالہ آنحضرت ﷺ کا نامہ مبارک کسریٰ کے نام ایک نئی دریافت، ماہنامہ البلاغ، کراچی، مئی، ۱۹۶۸ء

۵۹- حمیداللہ، ڈاکٹر، مجموعہ الوثائق السیاسیۃ فی العہد النبوی، والخلافۃ الراشدہ، القاہرہ، مطبعۃ لجنۃ التالیف والترجمۃ والنشر، ۱۹۴۱ء

۶۰- الخطابی، ابو سلیمان حمد بن محمد، معالم السنن، شرح سنن ابی داؤد، حلب، مطبع العلمیۃ، ۱۹۳۳ء

۶۱- الخطیب بغدادی، ابو بکر احمد بن علی، تاریخ بغداد و مدینۃ السلام، مصر، مطبعۃ السعادۃ، ۱۹۱۲ء

۶۲- دار قطنی، علی بن عمر بن احمد، سنن دار قطنی، دہلی، ۱۳۱۰ھ

۶۳- الدارمی، ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمان، سنن الدارمی، دمشق، مطبعۃ الاعتدال، ۱۳۴۹ھ

۶۴- دروزہ عزت، سیرۃ الرسول، بیروت، ۱۹۶۴ء

۶۵- دروزہ عزت، عصر النبی، بیروت، دار الیقظۃ العربیۃ، ۱۹۶۴ء (طبع ثانی)

۶۶- الدینوری، ابو حنیفہ احمد بن داؤد، کتاب الاخبار الطوال، لیڈن اے جے بریل، ۱۹۱۲ء

۶۷- ڈبلیو، ای، حیٹ لینڈ، تاریخ جمہوریۃ رومہ (اردو ترجمہ حمید احمد انصاری)، حیدر آباد دکن، دار الطبع جامعہ عثمانیہ، ۱۹۲۹ء

۶۸- الراغب الاصفہانی، حسین بن محمد، المفردات فی غریب القرآن، مصر، مطبع مصطفی البابی الحلبی، ۱۹۶۱ء

۶۹- رضا مصری، محمد رسول اللہ ﷺ القاہرہ، ۱۳۵۷ھ

۷۰- الزرقانی، محمد بن عبد الباقی، شرح علی المواہب اللدنیۃ، بولاق، المطبعۃ المصریۃ، ۱۲۹۱ھ

۷۱- الزرکلی، خیر الدین، الاعلام، بیروت، دار العلم للملایین، لبنان، ۱۹۸۰ء

۷۲- حسن احمد زیات، تاریخ الادب العربی، مصر، مکتبہ نحضہ، بدون تاریخ

۷۳- دحلان، احمد زینی، السیرۃ النبویۃ والآثار الاحمدیۃ، مصر، المطبعۃ المیمنیۃ، ۱۹۰۶ء

۷۴- السرخسی، شمس الدین محمد بن احمد بن ابی سہل، شرح السیر الکبیر، حیدر آباد، مطبع دائرۃ المعارف، النظامیۃ، ۱۳۳۶ھ

۷۵- السرخسی، شمس الدین، محمد بن احمد بن ابی سہل، المبسوط، مصر، مطبعۃ السعادۃ، ۱۳۲۴ھ

۷۶- السمہودی، نور الدین علی بن احمد، وفا الوفاء باخبار دار المصطفیٰ، مصر الجدید، مطبعۃ السعادۃ، ۱۹۵۵ء

۷۷- السیوطی، جلال الدین، عبدالرحمن بن ابی بکر، تاریخ الخلفاء، کانپور، مطبع مجیدی، ۱۳۳۱ھ

۷۸- السیوطی، جلال الدین، عبدالرحمن بن ابی بکر، الخصائص الکبریٰ، حیدر آباد دکن، مطبع مجلس دائرۃ المعارف النظامیۃ، ۱۳۱۹ھ

۷۹- السہیلی، عبدالرحمان بن احمد، الروض الانف، مصر، مطبع الجمالیۃ، ۱۹۱۴ء

۸۰- الشوکانی، محمد بن علی، الفوائد المجموعۃ فی احادیث الموضوعۃ، القاہرہ، مطبعۃ السنۃ المحمدیہ، ۱۳۸۰ھ

۸۱- الشہرستانی، محمد بن عبدالکریم، الملل والنحل، مصر، المطبعۃ الادبیہ، ۱۳۱۷ھ

۸۲- صاعد بن احمد بن صاعد الاندلسی، طبقات الامم، مصر، مطبعۃ السعادۃ، بدون تاریخ

۸۳- صدیق بن حسن، السراج الوہاج من کشف مطالب صحیح مسلم الحجاج، بھوپال، مطبع صدیقی، ۱۳۰۱ھ

۸۴- الصعیدی عبدالمتعال، السیاسیۃ الاسلامیۃ فی عہد النبوۃ، مصر، دارالفکر العربی، الازہر

۸۵- طاہر پٹنی، الشیخ محمد، مجمع بحار الانوار، لکھنؤ، مطبع نولکشور، ۱۲۸۳ھ

۸۶- الطبری، محمد بن جریر، کتاب جامع البیان فی تفسیر القرآن، مصر، المطبعۃ الکبریٰ الامیریۃ بولاق، ۱۳۲۷ھ

۸۷- الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، القاہرہ، مطبعۃ الحسینیۃ المصریۃ، ۱۳۳۶ھ

۸۸- طوسی، نظام الملک، سیاست نامہ، پیرس، مطبع بردین وشرکاؤ انجی، ۱۸۹۱ء

۸۹- عادل زعیتر، حضارۃ العرب، قاہرہ، مطبع عیسیٰ البابی الحلبی، ۱۹۵۶ء

۹۰- عمر فرخ الدکتور، تاریخ الجاہلیہ، بیروت، دارالعلم، ۱۳۸۴ھ

۹۱- عمارہ مصطفےٰ، جواہر البخاری وشرح القسطلانی، قاہرہ، مطبعۃ الاستقامہ، ۱۹۴۰ء

۹۲- العینی، بدرالدین، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، مصر، ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ، ۱۳۴۸ھ

۹۳- الفاسی، محمد بن محمد بن سلیمان، جمع الفوائد من جامع الاصول و مجمع الزوائد، سمندری، المکتبۃ الاسلامیۃ

۹۴- فرج محمد مصری، عمرو بن العاص، قاہرہ، دارالفکر عربی، ۱۹۶۰ء

۹۵- القالی، ابوعلی اسماعیل بن قاسم، کتاب الآمالی، مصر، المطبع الکبریٰ الامیریہ بولاق، ۱۳۲۴ھ

۹۶- القرطبی، ابن عبدالبر، القصد والامم فی التعریف باصول انساب العرب والعجم، القاہرہ، مطبعۃ السعادۃ، ۱۳۵۰ھ

۹۷- القسطلانی، احمد بن محمد ابی بکر الخطیب، المواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیہ، طنطا، المطبعۃ الشرفیہ، ۱۹۰۷ء

۹۸- القلقشندی، ابوالعباس احمد، صبح الاعشیٰ، القاہرہ، المطبعۃ الامیریہ، ۱۳۳۳ھ

۹۹- الکشمیری، محمد انور الشیخ، فیض الباری علی صحیح البخاری، القاہرہ، مطبع حجازی، ۱۹۳۸ء (طبع اول)

۱۰۰- الکندی، ابی عمر محمد بن یوسف، کتاب الولاۃ و کتاب القضاء، بیروت، مطبع الآباء السبوعیین، ۱۹۰۸ء

۱۰۱- المتقی، علی علاؤالدین بن حسام الدین، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، حیدر آباد، مطبع دائرۃ المعارف الاسلامیہ، ۱۳۱۴ھ

۱۰۲- مجید نظامی، (مدیر) نوائے وقت، راولپنڈی، بدھ، ۱۳- اپریل، ۱۹۷۷ء

۱۰۳- محمد قاسم، تاریخ فرشتہ، لکھنؤ، مطبع نولکشور، ۱۸۶۴ء

۱۰۴- محبوب رضوی سید، مکتوبات نبوی ﷺ، دہلی ۱۹۷۷ء

۱۰۵- محمود، ابو الفیض، المنوفی، سیرۃ سید المرسلین، مصر، دار النصر، متحدہ عرب جمہوریہ، ۱۹۶۴ء

۱۰۶- محمود عبد الحلیم، محمد رسول اللہ، مصر، مطبعۃ نھضہ، ۱۹۵۸ء

۱۰۷- مختار الوکیل، سفراء النبی علیہ السلام، و کتابہ، ورسائلہ، القاہرہ، دار المعارف، ۱۹۷۸ء

۱۰۸- المرزوقی، ابو علی، کتاب الازمنۃ والامکنۃ، حیدر آباد مطبعہ مجلس دائرۃ المعارف، ۱۳۳۲ھ

۱۰۹- المسعودی، حسین بن علی، مروج الذھب، مصر، مطبعۃ السعادۃ، ۱۹۴۸ء

۱۱۰- مسلم بن الحجاج القشیری، الصحیح لمسلم مع شرحہ الکامل للنووی، کراچی، اصح المطابع، آرام باغ، ۱۳۴۹ھ

۱۱۱- المقدسی، محمد بن مفلح، الآداب الشرعیۃ، الریاض، مکتبہ الریاض الحدیثۃ، ۱۹۷۱ء

۱۱۲- المقریزی، تقی الدین احمد بن علی، الخطط المقریزیۃ، قاہرہ، مطبع النیلی، ۱۳۲۴ھ

۱۱۳- المقریزی، تقی الدین، احمد بن علی، امتاع الاسماع، مصر، مطبع لجنۃ التالیف والترجمۃ والنشر

۱۱۴- الواقدی، محمد بن عمر بن واقد، فتوح الشام، کانپور مطبع نولکشور، ۱۸۸۹ء

۱۱۵- الواقدی، محمد بن عمر بن واقد، کتاب المغازی، لندن، مطبع جامعہ آکسفورڈ، ۱۹۶۶ء

۱۱۶ ہمدانی، حسن بن احمد بن یعقوب، الاکلیل، القاہرہ، مکتبۃ السلفیۃ، ۱۳۶۸ھ

۱۱۷ ہیکل محمد حسین، الصدیق ابوبکر، مصر، مطبع مساہمہ، مصریہ، ۱۹۵۸ء

۱۱۸ ہیکل، محمد حسین، حیاۃ محمد، القاہرہ، دار القلم، سوق التوفیقیہ، ۱۹۳۵ء

۱۱۹ الیعقوبی، احمد بن ابی یعقوب، تاریخ الیعقوبی بیروت، مطبع دار البیروت، ۱۹۶۰ء

120. Ameer Ali, Syed, The Life & Teachings of Mohammad, The Sprit of Islam, Morrison &(Gibb), Printers, Edinburgh 1899.

121. Ameer Ali, Syed, Short History of the Saracens, New York. St. Martin's Press 1955.

122. Criston Arthor, Seen, French Book "L", Iran Soules Sassanides Urdu translation by Dr. Muhammad Iqbal.

"ایران بعہد ساسانیاں"

123. DE LACY O' LEARY, Arabic Before Mohammad, London, 1827.

124. Encyclopaedia Americana, U. S. A., Americana Corporation, 1961.

125. Gibb, H. A. R.(Editor), The Encyclopaedia of Islam, Leiden, E. U. Brill, 1960.

126. Gibbon, Edward, The History of the decline and fall, London, George Bell, 1960.

127. Hasan, S . Karmi, Al - Manar, English - Arabic Dictionary. Beirut, 1971.

128. Hiuen, Tsiang, Travells of the Hiuentsiang, Lahore, Pakistan Religious Book Society (1883).

129. Jones A. H. M. & Elizabeth Monroe, History of Abyssinia, Oxford, 1935.

130. Margoliouth, D. S. , Mohammad and the Rise of Islam, London, The Botolph Printing Works, 1923.

131. Muir, Sir, William Smith, Life of Mohomet, Waterloo · Place, 1894.

132. Nicholson, A. Reynold, A Literary History of the Arab, London, Cambridge University Press, 1956.

133. Onions, C - T. (Editor), The Shorter Oxford English Dictionary, Oxford, Clarenden Press, 1959.

134. Satow, S. Ernest, A Guide to Diplomatic Practice, Glasgow, University Press, (4th edition), 1966.

135. Watt, W. Montgomery, Mohammad at Mecca, Oxford. Clarenden Press, 1960.

136. Yust, W. (Editor), Encyclopaedia Britannica London. Encyclopaedia Britannica Limited, 1951.